ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

أحسن المواعظ

جلد اول

شیخ الحدیث حضرت مولانا **محمد حسن جان شہید** رحمہ اللہ

کے حکیمانہ علمی و اصلاحی مواعظ کا قیمتی مجموعہ

ضبط و ترتیب
مولانا محمد یحییٰ عثمانی
فاضل و متخصص
جامعہ عثمانیہ پشاور

تصحیح و نظر ثانی
مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی حفظہ اللہ
استاد حدیث و تخصص
جامعہ عثمانیہ پشاور

دار التصنیف جامعہ عثمانیہ پشاور

نامِ کتاب: احسن المواعظ

افادات: شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان شہید رحمہ اللہ

تصحیح و نظرِ ثانی: مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی

ضبط و ترتیب: محمد یحییٰ عثمانی، فاضل و متخصص جامعہ عثمانیہ پشاور

طبع اول: مئی 2008ء / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

تعداد: ایک ہزار

ناشر: دار التصنیف جامعہ عثمانیہ پشاور 091-5273561

اہتمام: جناب حاجی نور محمد خان صاحب 0300-5775537

کمپوزنگ: مولانا عبد المنان صاحب 0333-9885507

مطبع: حافظ پرنٹرز پشاور 091-2560896

قیمت: (   )

ملنے کے پتے:

جامعہ عثمانیہ، نوتھیہ روڈ پشاور صدر

جامعہ احسن المدارس، جھگڑا، پشاور

مکتبۃ المعارف، محلہ جنگی پشاور

مکتبہ محمودیہ، اکوڑہ خٹک

فہرستِ مواعظ

تفصیلی فہرست

نمبر شمار	موضوعات	صفحہ نمبر
	تقریظ شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ	٢٢
	عرضِ مرتب	٢٣
	پیشِ لفظ	٢٩
	تذکرہ الشیخ الشہید رحمہ اللہ تعالیٰ	٣٧
	از قلم: ابن الشیخ مولانا حافظ فیض الحسن صاحب	
	قرآن کریم کا اِعجاز	**51**
١	قرآن کریم کی خوبیاں	٥٤
٢	پہلی خوبی، صفتِ کلام	//
٣	دوسری خوبی، صفتِ معجزہ	٥٥
٤	آپ ﷺ کے معجزات کی تعداد	٥٦
٥	معجزہ کی تعریف	٥٧
٦	قرآن کیوں معجزہ ہے؟	٥٨
٧	قرآن کی خوبیاں	٥٩

نمبر شمار	موضوعات	صفحہ نمبر
٨	قرآن کا محفوظ ہونا	٥٩
٩	چار مشہور اور ایک غیر معروف انجیل	//
١٠	فقہ حنفی کا مسئلہ	٦٠
١١	دنیا میں حفاظ کی تعداد	//
١٢	ایک انگریز کا قرآن کریم کو دنیا سے ختم کرنے کی ناکام کوشش	٦١
١٣	ایک استاد کا واقعہ	٦٢
١٤	قرآن کے خادم مالدار یا غریب	//
١٥	بیت اللہ شریف کو بے آب وگیاہ زمین میں بنانے کی حکمت	٦٣
١٦	تینتیس سال قبل ریاض سے مدینہ منورہ کا سفر	//
١٧	شاہ عبد العزیز السعود کا گھر	٦٤
١٨	قرآن شریف کے خادم	٦٥
١٩	چند حفاظ بادشاہ	//
٢٠	قرآن' دنیا کی عزت بھی ہے	٦٦
٢١	ایک بڑے نواب کے بیٹے کا ذلت آمیز واقعہ	//
٢٢	راحت اور چین دین میں ہے' دنیا میں نہیں	٦٧
٢٣	''سکھ مسلمان'' کا دلچسپ واقعہ	٦٨

معراج شریف پر متکلمانہ بحث ۱۳۱

تین قسم کے حقوق اور مشاجرات صحابہ ۱۷۹

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ

مفتی غلام الرحمٰن
خادم علوم نبوی و دار الافتاء
جامعہ عثمانیہ پشاور

Mufti Ghulam Ur Rahman
Khadim-e-Ulum-e-Nabvi & Darul Ifta
Jamia Usmania Peshawar.
Date: ....
Ref No. ....

باسمہٖ تعالیٰ

سیدی وشیخی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن جان نور اللہ مرقدہ کے مواعظ حسنہ اور حکیمانہ نصائح کا مجموعہ ''احسن المواعظ'' کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے، جسے جامعہ عثمانیہ پشاور کے ایک ہونہار فاضل مولانا محمد یحییٰ عثمانی نے ترتیب دیا ہے۔ حضرت شیخ کے نام سے ان مواعظ کی نسبت اس کے لیے بڑی سند ہے، کیونکہ حضرت شیخ جہاں دیدہ شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے عظیم محدث تھے۔ آپ کے وعظ ونصیحت میں عالمانہ جھلک نمایاں رہتا۔ محفل ومجلس کو دیکھتے ہوئے بات تول کر بولتے تھے۔ درس حدیث میں عموماً طلبہ کو نصیحت فرماتے کہ غیر مستند اور بے تکی باتوں سے مجلس کو لوٹنا خطابت نہیں، بلکہ حقیقت کے دائرہ میں رہتے ہوئے دل کی بات دل تک پہنچانا خطیب کا کمال ہے۔ آپ کا انداز بیان سادہ، سلیس، مگر پُر مغز ہوتا۔ ایک ایک جملہ میں جو گہرائی ہوتی اہل علم اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

مجھے اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ میرا ایک شاگرد اٹھ کر میرے شیخ کے علمی نکات اور فلسفیانہ کلام کو جمع کر کے مجھ جیسے دوسرے شاگردوں پر احسان کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرتب کی یہ محنت قبول فرمائے، اور حضرت شیخ رحمہ اللہ کو درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

P.O. Box No. 1209 G.P.O. Peshawar Cantt. N.W.F.P. Pakistan
091-5273581
091-5272470

عرضِ مرتب

جامع مسجد درویش پشاور صدر میں واقع وہ تاریخی مسجد ہے جو مسلمانوں کے دشمن یہود کی مکار تنظیم ''فری میسن لاج'' کے مرکزی دفتر کو ڈھا کر اس کی جگہ تعمیر کی گئی ہے۔ صوبہ سرحد کے غیور مسلمانوں کو جب اس تنظیم کی ریشہ دوانیوں کا علم ہوا تو انہوں نے اس کے دفتر پر ہلہ بول کر پشاور صدر کے اس صدر مقام کو ان کے چنگل سے آزاد کرایا اور اس کی جگہ مسجد بنانے کا فیصلہ کیا۔ اپنے وقت کے دو بزرگ ہستیوں حضرت مولانا فقیر محمد صاحب اور مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحب رحمہما اللہ کی مساعی جمیلہ سے اس جگہ ایک خوبصورت اور وسیع وعریض مسجد تعمیر کی گئی اور ساتھ ہی جامعہ امداد العلوم کی بنیاد بھی رکھی گئی۔ یوں اس مسجد ومدرسہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ اس مکار تنظیم کے دفتر کی جگہ تعمیر ہوئی ہے اور اس کے بانیان وقت کے عظیم اولیاء اللہ اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مسجد ومدرسہ کو چار چاند لگانے اور اس کا فیض چار دانگ عالم عام کرنے کے لیے ایک ایسی ہستی کو یہاں کے منبر ومحراب اور مسند حدیث سے متعلق کر دیا جو بے شمار کمالات اور محاسن ومحامد کے حامل، علم وعمل کے مجسم پیکر، حق گوئی اور بے باقی میں اپنی مثال آپ، علوم عالیہ اور علوم آلیہ پر یکساں دسترس رکھنے والے، ظاہری اور باطنی خوبیوں سے مرصع، تمام شعبہائے دین میں خدمات سرانجام دینے والے، امت کے لاتعداد گھمبیر مسائل کے سدباب کے لیے سرگرم عمل، معاشرتی حالات کے نبض پر ہاتھ

رکھ کر حکمت وبصیرت کے ساتھ ان کی اصلاح کے لیے فکرمند اور ہر محفل ومجلس میں حسب
ضرورت بیان فرمانے والے دردمند واعظ، مختصر یہ کہ اس دور میں......

ولیس علیٰ اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

کے صحیح مصداق تھے۔ اس عظیم ہستی کا نام نامی شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا محمد حسن
جان شہید رحمہ اللہ ہے۔ آپؒ اس دور میں علوم وفنون کے امین، زہد وتقویٰ کے
علمبردار اور اتباع سنت کا نمونہ تھے۔ پوری زندگی تعلیم وتعلم اور خدمت دین میں صرف
کی۔ درسِ حدیث کے ذریعے ہزاروں تشنگانِ علم وعرفان کو سیراب کیا اور وعظ وتبلیغ کے
ذریعے لاکھوں کی تعداد میں عوام وخواص کی اصلاح فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اُن کو کروٹ کروٹ
جنت کی نعمتوں سے مالامال فرمائے، ان کے درجات مزید سے مزید بلند فرمائے اور ہم
مسکینوں پر ان کے فیوض وبرکات اُن کی فرقت کے بعد بھی جاری وساری رکھے۔

مادرِ علمی جامعہ عثمانیہ پشاور (زادھا اللہ شرافۃً و کرامۃً) چونکہ جامع مسجد
درویش سے صرف ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اس لیے اس ناچیز کو بارہا آپؒ
کے درسِ حدیث اور بیانات جمعہ میں شرکت اور استفادہ کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اس
کے علاوہ آپؒ اپنے شاگرد رشید اور تلمیذ خاص سیدی وشیخی شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی
غلام الرحمٰن صاحب ادام اللہ فیوضہ وبرکاتہ کے ساتھ انتہائی شفقت ومحبت کی وجہ سے سال
میں کئی مرتبہ جامعہ عثمانیہ بھی تشریف لاتے تو وہاں بھی استفادہ اور خوشہ چینی کا موقع مل
جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے درسِ حدیث اور وعظ ونصیحت میں آپؒ کو ایسا کمال عطا فرمایا تھا کہ بس

اپنی مثال آپ ہی تھے۔ نرم لہجہ گرم جذبہ رکھتے تھے۔ آپؒ کا ہر بیان قرآن وحدیث کی
توضیح وتشریح، اصول علمی معلومات، حکمت ودانائی کے ملفوظات، تاریخی واقعات، عقلی ونقلی
دلائل اور دلنشین اُمثلہ وتعبیرات کا نادر مجموعہ ہوتا۔ موقع محل کے مطابق جس موضوع پر بھی
لب کشائی فرماتے، موضوع کا حق ادا کردیتے۔ درسِ حدیث ہوتا یا بیان ایسے مرتب انداز
سے بولتے تھے کہ ہر بات حاضرین کے دل ودماغ میں جگہ کرلیتی۔ عموماً خطبہ مسنونہ کے
بعد موضوع کی تعیین فرماکر اس کے متعلق جو بیان فرمانا چاہتے تھے وہ مختصراً نمبروار ذکر
کردیتے، پھر ترتیب سے اس پر روشنی ڈالتے۔ سامعین کی ظرافتِ طبع کے لیے کبھی کبھی
موضوع سے متعلق کوئی سبق آموز لطیفہ بھی سنادیتے جس سے مجلس کشت وزعفران بن
جاتی۔ مشکل سے مشکل مباحث کو ایسے سہل انداز اور عام فہم مثال سے سمجھاتے کہ ایک اَن
پڑھ آدمی بھی بالکل مطمئن ہوجاتا۔ مجمع کی علمی اور ذہنی استعداد کو مدنظر رکھ کر اپنے
ارشادات پیش فرماتے اور یہ کوشش کرتے کہ مجمع میں کوئی شخص بھی محروم نہ رہے۔ ہمارے
ہاں اکثر مقررین کا مزاج وقت کی پابندی نہ کرنے کا ہوتا ہے۔ اپنے وقت پر نہ
پہنچنا اور وقت ختم ہونے کے بعد بھی سامعین کی سمع خراشی کرنا عموماً مقررین کی طبیعت
کا حصہ ہوتا ہے لیکن حضرتؒ کی عادت بالکل اس طرح کی نہیں تھی۔ آپؒ بروقت اپنا وعظ
شروع فرماتے اور وقت کے اندر ہی موضوع کو سمیٹ لیتے۔ معاشرتی حالات کے نبض پر
ہاتھ رکھ کر اصلاح کی فکر کرتے تھے۔ جس جگہ جو بدعات ورسومات رائج ہوتیں ان کا
حکیمانہ انداز سے رد فرماکر اتباع سنت کی ترغیب دیتے۔ آپؒ کے مزاج میں تکلف اور تصنع
بالکل نہ تھا۔ جس تقریب میں بھی شرکت کی دعوت دی جاتی، داعی آپؒ کا جاننے

والا ہوتا یا انجان، آپؒ شفقت فرما کر وقت دے دیتے تھے۔ یہی بے تکلفی اور وسعت ظرفی ہی تو تھی کہ آپؒ رمضان جیسے مصروف مہینے میں افطاری سے چند منٹ قبل اُن وحشی سفاک درندوں کے ساتھ بھی نکاح پڑھانے کی نیت سے روانہ ہوگئے جنہوں نے اپنے ناپاک ہاتھوں سے آپؒ کو گولی مار کر شہید کر دیا۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون، وجزاھم اللہ أسوأ الذی کانو ایعملون

آپؒ ایسے جامع الصفات اور کثیر المحامد انسان تھے کہ آپؒ کی زندگی کے ایک ایک گوشہ پر لکھنے کے لیے کئی کئی دفتر درکار ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپؒ کے خدام اور تلامذہ نے آپؒ کے درسِ حدیث اور کئی ساری تقاریر کو بذریعہ ٹیپ ریکارڈر محفوظ کرلیا ہے، جو آپؒ کے بعد آپ کے علوم و معارف سے استفادہ کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ احقر نے بھی ان کیسٹوں اور سی ڈیز کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر کے اپنے لیے علمی پونجی بنا دیا ہے جس سے موقع بہ موقع استفادہ کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ آپؒ کی حیات ہی میں کئی مرتبہ احقر کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ کیوں نہ آپؒ کے مواعظ حسنہ کو کیسٹ اور سی ڈیز سے اردو زبان کا جامہ پہنا کر صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیا جائے تاکہ کیسٹ اور سی ڈیز کے استعمال پر دسترس نہ رکھنے والے حضرات بھی اس سے محظوظ ہوں اور پشتو کے ساتھ اردو زبان جاننے والے بھی یہ قیمتی موتی سمیٹ سکیں، مگر علمی مصروفیات اور کم ہمتی سے آپؒ کی حیات میں اس پر کام شروع نہ کر سکا۔ ۲ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ کو جب آپؒ کی المناک شہادت کا جانکاہ حادثہ پیش آیا تو بندہ نے اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کا تہیہ کرلیا اور آپ کی شہادت کے دن سے ہی اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ الحمدللہ ابھی

تک کئی ساری تقاریر پر کام مکمل ہو چکا ہے اور باقی پر کام جاری ہے۔ پہلی جلد میں شامل بارہ تقاریر کا مجموعہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ بندہ کے مشفق اور محسن استاد، استاد الحدیث مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب مدظلہم نے حرف بہ حرف اس پر نظر ثانی فرمائی ہے اور اس کی تصحیح پر اپنا قیمتی وقت صرف کیا ہے۔ اس سے اگر ایک طرف آپ کا حضرت الشیخ سے محبت و تعلق کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف آپ کی اصاغر پروری اور ذرہ نوازی بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے مجھ جیسے کمزور طالبعلم کی محنت کی اس حد تک حوصلہ افزائی فرمائی کہ خود ایک ایک حرف کو دیکھنے کے لیے وقت نکالا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایۂ عاطفت تا دیر ہم پر قائم رکھے اور مزید علمی و عملی ترقیات سے نوازے۔

اس مجموعہ تقاریر کا نام آپ نے ''احسن المواعظ'' رکھا ہے۔ اس کی بقیہ جلدوں پر بھی ان شاء اللہ کام جاری رہے گا اور جلد از جلد ان کو طبع کرانے کی کوشش کی جائے گی۔ قارئین سے التماس ہے کہ کتاب میں جس قسم کی بھی خامی یا کمی، کوتاہی نظر آئے تو اس کی نسبت اس ناچیز کی طرف کر کے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے، اور اگر کوئی فائدہ پہنچے تو حضرت الشیخ کے لیے، بندہ کے لیے اور بندہ کے سب اساتذہ اور والدین کے لیے خصوصی دعائیں فرمائیں۔

میں اپنے والدین اور تمام اساتذہ کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ انہی کی مشفقانہ دعاؤں اور حسن تربیت نے مجھے قلم اُٹھا کر کچھ لکھنے کے قابل بنایا اور خصوصاً قبلہ والد مکرم جناب حاجی نور محمد خان صاحب کا کہ انہوں نے کتاب کو منظر عام پر لانے کے لیے میرے ساتھ دامے، درمے، سخنے، قدمے ہر قسم کی مدد فرمائی۔ ساتھ ہی اپنے برادر محترم

مولانا عبدالمنان صاحب کا بھی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے کمپوزنگ وغیرہ کے مراحل میں میرا ہاتھ بٹایا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے لطف وکرم سے یہ محنت اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے ،اور آخرت کی اس پونجی کو ریا اور دکھلاوے کے نظر نہ کرے ،اور آئندہ بھی دین متین کی خدمت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے ۔آمین یارب العالمین۔

محمد یحییٰ عثمانی
درجہ تخصص سال دوم، جامعہ عثمانیہ پشاور

پیش لفظ

مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی
استاد حدیث وتخصص جامعہ عثمانیہ پشاور
شریعہ ایڈوائزر اسلامک بینکنگ ڈویژن، بینک آف خیبر

ہر دور میں امت کی اصلاح انبیاء کرام اور ان کے سچے اور حقیقی ورثاء (علماء کرام) کی ذمہ داری رہی ہے۔انبیاء کرام نے دعوت وتبلیغ کے ذریعہ لوگوں کی زبردست اصلاح کر کے ان کو مصلحین اور رہنمائے ملت بنادیا۔ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تو ریکارڈ قائم کر دیا:

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

یہ درحقیقت آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔آپ کے بعد صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین نے بھی بھرپور اصلاحی کوششیں کیں۔ یہ اصلاحی سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ اُس سلسلہ کی اس وقت بہترین، مؤثر، مفید، ثمر آور اور سنہری کڑی تبلیغی جماعت ہے جو حقانی علماء کی سرپرستی میں پوری دنیا میں کام کر رہی ہے۔ان کا کام انبیاء کرام کے کام کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر دور میں علماء کرام ہر جگہ مختلف طریقوں سے لوگوں کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔

اصلاحی طریقے:

امت کی اصلاح کے بہت زیادہ طریقے ہیں کوئی مدرسہ چلارہا ہے، کوئی درس وتدریس میں مشغول ہے، کوئی تصنیف کررہا ہے، کوئی تصوف وسلوک کے ذریعے لوگوں میں رشد وہدایت کی روشنی پھیلارہا ہے، کوئی اذان وامامت کے ذریعے خدمت کررہا ہے، کوئی تقریر کے ذریعے لوگوں کو سمجھارہا ہے۔

لوگوں کو سمجھانے کے لیے تقریر ایک بہترین ذریعہ ہے۔ تمام اصلاحی طریقوں کی بنیاد مقرر کی تقریر ہے۔ تصنیف کے علاوہ ہر دینی کام میں منہ اور زبان کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔ دعوت وتبلیغ کی تو بنیاد ہی زبانی تقریر ہے۔ جو لوگ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے، تقریر ان کو سمجھانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ دعوت وتبلیغ میں نکل کر ایک ایک کے پاس جانا بہت ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ لب کشائی اس سے بھی زیادہ ضروری ہے، کیونکہ کسی کے پاس عظیم مشن لے کر جانا اور خاموشی اختیار کرلینا بڑی عجیب سی بات ہے۔ تمام انبیاء کرام نے تقریریں کی ہیں۔ ان کی تقاریر کی جھلکیاں قرآن مجید میں موجود اور محفوظ ہیں، جس سے ایک مقرر تقریر کا طریقہ بھی سیکھ سکتا ہے، یہ پتہ بھی لگانا آسان ہے کہ کون سا موضوع زیادہ اہم ہے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ دعوت وتبلیغ میں سب سے اہم اور بنیادی چیز تقریر ہے بلکہ دعوت وتبلیغ کی ابتدا ہی تقریر سے ہوئی ہے۔ انبیاء کرام کی پہلی تقریر کا پہلا جملہ ﴿ ایها الناس قولوا لا اله الا الله تفلحوا ﴾ (لوگو! کلمہ پڑھ کر کامیابی حاصل کرو) ہے۔

عالم اور تقریر:

یوں تو ہر عالم مقرر بھی ہوتا ہے لیکن بعض علماء کرام کی تقریر میں بڑی مہارت ہوتی ہے۔ ماضی قریب میں ہمیں چند نامور مقررین ملتے ہیں جنہوں نے خطابت اور تقریر کی دنیا میں اپنا لوہا منوایا ہے، مثلاً: حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، آغا شورش کاشمیری، مولانا محمد عمر پالنپوریؒ، وغیرہ۔ ان حضرات نے خطابت کی دنیا میں ایک نام پیدا کیا ہے۔ ان مذکورہ حضرات میں میں نے حضرت مولانا محمد عمر پالنپوریؒ کو خوب سنا ہے۔ ان کی تقریر کئی کئی گھنٹوں پر محیط ہوتی تھی ان کی تقریر میں فصاحت وبلاغت، علمی نکات، معلومات اور اشکالات کے جوابات ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ تقریر کے دوران قرآن مجید کی آیات بہت خوبصورت لہجہ میں پڑھتے تھے۔ جن کے سننے کے لیے اب بھی کان بے تاب ہیں۔ ان کی پرترنم آواز کانوں میں رس گھولنے والی تھی۔ میں نے آج تک تقریر کے دوران ایسے پیارے انداز میں قرآن نہیں سنا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان شہید رحمہ اللہ:

آپ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری خوبصورتی اور خوب سیرتی کے ساتھ عظیم حافظے اور بے کراں علم سے نوازا تھا۔ آپ اپنے دور کے ایک عظیم محدث مفسر اور مؤرخ تھے۔ سب سے زیادہ حدیث کی خدمت کی ہے۔ میرے علم کے مطابق آپ نے چالیس مرتبہ سے زیادہ بخاری شریف کا درس دیا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے پچاس مرتبہ بخاری شریف پڑھائی تھی، میرا خیال تھا کہ آپ یہ ریکارڈ توڑ دیں گے لیکن مرتبہ شہادت نے یہ

نوبت نہ آنے دی۔ آپ کا تقریری و تدریسی لہجہ اتنا میٹھا، پیارا اور نرم تھا جس کی
نظیر نہیں ملتی۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنا نرم گفتار اور پیارا لہجہ کسی کا نہیں دیکھا۔ کسی سخت
اور خطرناک موضوع کو نرم الفاظ اور پیارے لہجہ میں ادا کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ میں نے
آپ کی سیاسی تقاریر بھی سنی تھیں۔ تقریر سے یہ جاننا مشکل ہوتا تھا کہ حضرت غصہ ہیں یا کسی
کے مخالف ہیں، حالانکہ میں نے سیاسی مخالفین کی تقاریر بھی سنی ہیں، الفاظ سخت ہوتے ہیں،
لہجہ کرخت ہوتا ہے، گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں، آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔

حضرت کے اس پیارے اور نرم تقریری و تدریسی انداز کا کیا کہنا، آپ گھنٹوں
بولتے لیکن کیا مجال کوئی اکتا جائے۔ اسی لیے آپ محبوب الخواص والعوام تھے۔ آپ سے
ایک طرف اگر عظیم علمی فیض پھیلا ہے جس سے علم کے پیاسے اور متوالے سیراب ہوتے
رہے تو دوسری طرف عوام بھی آپ کے روحانی اور اصلاحی فیض سے محروم نہیں رہے۔ آپ ہر
علمی اور روحانی مجلس کی زینت ہوتے تھے کیونکہ ہر مجلس میں تقریباً آپ ہی کا طوطی بولتا تھا۔

مقررانہ حیثیت:

آپ اپنے دور کے ایک عظیم واعظ تھے۔ آپ کی تقریر علمی اور اصلاحی ہوتی
تھی۔ آپ کی ہر تقریر عجیب و غریب علمی و دنیاوی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی۔ عوامی
نفسیات، مزاج اور علاقائی غیر شرعی امور و رسوم سے خوب آگاہ تھے۔ لوگ آپ کو مختلف دینی
مجالس اور تقاریب میں تقریر کے لیے مدعو کرتے تھے آپ بخوشی ان کی دعوت قبول
فرما لیتے۔ ایک مدرس کے لیے ہر تقریب کی حاضری بہت مشکل ہوتی ہے کیونکہ درس
و تدریس کے لیے الگ سے تیاری کرنا مدرس کا روزمرہ کا معمول ہوتا ہے، لیکن حضرت

کا حافظہ اور علمی رسوخ مضبوط تھا، اس لیے مطالعہ مشکل نہ تھا، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ
آپ درس کے لیے مطالعہ نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ ’’اب بھی بخاری شریف
کے پڑھانے سے قبل تین مرتبہ مطالعہ کرتا ہوں، آپ کو بخاری شریف سے بے پناہ محبت
تھی، فرماتے تھے: ’’اگر کوئی مجھے پورا بخارا دے کر کہہ دے کہ بخاری شریف چھوڑ دو تو اس
کے لیے تیار نہیں‘‘۔ ایک مرتبہ عوامی نیشنل پارٹی کے عظیم رہنما خان عبدالولی خان سے نیشنل
اسمبلی کی سیٹ بھاری اکثریت سے جیت کر قومی اسمبلی تک پہنچ گئے تھے لیکن بخاری شریف
سے اپنا تعلق نہ توڑا، نہ چھوڑا۔ آپ اپنے وقت کے عظیم محدث تھے اور حدیث کی بہت زیادہ
خدمت کی ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے شاگرد تھے۔ فراغت کے بعد
چار سال تک جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں پڑھتے رہے۔ ۱۹۸۵ء میں رویت ہلال کمیٹی
کے اجلاس کے سلسلہ میں جامعہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی تشریف لائے تھے۔ میرا وہاں دورہ
حدیث کا سال تھا۔ آپ نے اپنا مدینہ منورہ جانے کا قصہ سنایا کہ اسی مدرسہ میں حضرت
بنوریؒ کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا، خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ لیٹے ہوئے
تھے میں اسی حالت میں ان سے لپٹ گیا، مجھے کہا کہ اپنے والد صاحب کو میرا اسلام کہنا۔ پھر
حضرت شیخؒ نے خود خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ میرا مدینہ منورہ کا کام ہو چکا ہے۔ آپؒ نے وہاں
کے عرب شیوخ سے کافی استفادہ کیا۔ پھر ساری زندگی تدریس اور لوگوں کی اصلاح میں
گزار دی۔ تقریباً ہر سال حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوتی تھی۔ شہادت سے قبل بھی حج
کا داخلہ کر چکے تھے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ دو سال قبل مسجد نبوی ﷺ میں میری ان
کے ساتھ ملاقات ہوئی تھی، میرے ساتھ دس ماہ کا بیٹا محمد عبدان بھی تھا، آپؒ اسے گود میں

لے کر پیار کرتے تھے۔ ایک دفعہ ہم مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھے ہوئے تھے، دو آدمی آ کر آپ کے ساتھ ملے۔ ان میں سے ایک نے کچھ اشکالات بیان کرنا شروع کر دیے، حضرت اپنے فطری میٹھے انداز میں جوابات دے کر سمجھاتے رہے، لیکن وہ مطمئن نہیں ہو رہا تھا، بلکہ اس کے سوالات بحث کی شکل میں ہوتے تھے۔ میں یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ مجھے قدرے غصہ آیا اور اس شخص سے کہا کہ اگر آپ اشکالات حل کروانا چاہتے ہیں تو حضرت کے جواب پر اعتماد کریں، اگر بحث کرنا چاہتے ہیں تو آپ کی حضرت کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے۔ حضرت تو ہمارے اساتذہ کے استاد ہیں۔ بحث کے لیے تو دونوں طرف سے کچھ نہ کچھ برابری اور لیول ہونا چاہیے۔ وکیل وکیل کے ساتھ بحث کرتا ہے، ڈاکٹر ڈاکٹر کے ساتھ۔ حضرت نے نرمی کے ساتھ مجھے منع کر دیا۔ بعد میں مجھے احساس ہوا کہ حضرت مسجد نبوی کے آداب اور احترام کی وجہ سے بات کو آگے بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ یہ ہے بڑوں کی شان ان کی ہر طرف نظر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو باادب بنادے۔

شہادت:

دنیا میں انعام یافتہ اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی چار قسمیں اور درجات ہیں: نبی، صدیق، شہید اور صالح۔ نبوت کا دروازہ تو قیامت تک کے لیے بند ہو چکا ہے لہذا نبی تو اب کوئی نہیں بن سکتا۔ البتہ صدیق، شہید اور صالح بن سکتا ہے۔ حضرت صدیق اور صالح تو تھے ہی، اللہ نے تیسرا درجہ شہادت بھی نصیب فرمادیا۔ یوں آپ تینوں درجوں کو سمیٹ کر اپنی روحانی اولاد کو یتیم کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ بہت خوش نصیب تھے، ٦٩ سال کی عمر میں صدیق، شہید اور ولی اللہ بن کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ حضرت کی

شہادت علمی و اصلاحی دنیا کا عظیم حادثہ تھا۔ میں تو علماء کے قتل کو انبیاء کا قتل سمجھتا ہوں کیونکہ انبیاء کرام تو اب نہیں آتے یہ علماء کرام ہر جگہ انبیاء کرام کے فرائض ادا کر رہے ہیں آپ کی وفات کے ساتھ صوبہ سرحد میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔

احسن المواعظ:

یہ آپ کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ آپ کی اکثر تقاریر الحمدللہ کیسٹ اور سی ڈیز کی شکل میں محفوظ ہیں۔ ان کی کتابی اشاعت کو میں آپ کی بعد الموت کرامت سمجھتا ہوں۔ حضرت میرے استاد نہ تھے، لیکن مجھے ان کے ساتھ محبت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے اور مولوی محمد یحییٰ عثمانی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ حضرت کی تقاریر کو افادہ عام کے لیے کتابی شکل میں شائع کرنا چاہیے، چنانچہ مولوی محمد یحییٰ عثمانی نے کیسٹوں اور سی ڈیز سے تقاریر لکھنا شروع کیں، جو کہ ایک مشکل اور کٹھن کام ہے۔ آپ کی تمام تقاریر پشتو زبان میں ہیں لیکن انہوں نے اردو زبان کی طرف منتقل کیا۔ پھر میں نے ایک ایک لفظ، سطر اور مضمون کو غور سے پڑھا۔ الفاظ کی تصحیح اور اردو اصلاح کے علاوہ حک و اضافہ سے کام لیا ہے۔ بعض مقامات پر بعض باتوں کی بریکٹ میں وضاحت کر دی ہے۔ اپنا مضمون لکھنا آسان ہوتا ہے مگر دوسرے کے مضمون کی اصلاح تو ہو سکتی ہے لیکن مطلوبہ روانی اور سلاست پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے، اس لیے قارئین کرام اگر کہیں کوئی سقم محسوس کریں تو درگزر فرمائیں۔ اگر کوئی غلطی نظر آئے تو حضرتؒ کی بجائے ہماری طرف نسبت کریں اور ہمیں اطلاع کر دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔

ان تقاریر کی ترتیب میں زمانی ترتیب کی رعایت نہیں رکھی گئی کیونکہ اصل مقصد

حضرتؒ کے علمی اور روحانی افادات سے قارئین کو مستفید کرانا ہے۔ حضرت کی تقاریر علمی بھی ہیں اور اصلاحی بھی۔ بہت مفید معلومات پر مشتمل ہیں۔ ان شاء اللہ قارئین کرام کو بہت فائدہ ہوگا۔ فی الحال اس کی جلد اول آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کے بعد بقیہ جلدوں پر کام جاری رہے گا۔ ہماری کوشش ہے کہ حضرت کی تمام تقاریر آپ تک پہنچادیں۔ نام اس کام میں نے احسن المواعظ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت کی ان قیمتی تقاریر اور ہماری ٹوٹی پھوٹی کاوشوں کو شرف قبولیت سے نوازے، اور دارین کی بھلائیوں کا ذریعہ بنادے۔ آمین یارب العالمین۔

دعاؤں کا طلب گار
طلیب العلم
ذاکر حسن نعمانی

''تذکرہ الشیخ الشہید رحمہ اللہ تعالیٰ''

مولانا حافظ فیض الحسن بن حضرت الشیخ
جامعہ احسن المدارس جھگڑا، پشاور

بزرگانِ دین اور علماء اسلام کے واقعات، حالات وکیفیات، سیرت وکردار، ملفوظات و ارشادات انسان کی اصلاح کے لیے نسخۂ اکسیر ثابت ہوتے ہیں اور فکر وعمل کے زاویے بدل جاتے ہیں۔ پھر اگر انسان کا کسی معزز اور محترم شخصیت سے خاندانی، علمی اور قلبی نسبت اور محبت کا تعلق ہو تو یہی چیزیں اتباع کی جانب کھینچ کر لے جاتی ہیں۔ پیارے والد محترم شہید رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃً کے سیرت وکردار کی ہر جھلک میں، گفتار کے ایک ایک بول میں اور عمل کے ہر قدم میں ان کے بچوں، شاگردوں اور تمام عقیدتمندوں کے لیے ہزاروں عبرتیں اور نصیحتیں ہیں۔ والد صاحبؒ کا نام کسی بھی عقیدتمند اور جاننے والے کی زبان پر آنے سے ایک کامل درجے کی اسلامی زندگی، علم وعمل، اخلاق وسیرت کے تمام خصائص وکمالات، محاسن ومحامد کے تصور کے ساتھ ایک مجسم تصویر ذہن میں نقش ہوجاتی ہے۔

آپ جیسے بلند پایہ عالم دین، شیخ الحدیث، مفتی، مجاہد فی سبیل اللہ اور کثیر صفات کی حامل شخصیت کے بارے میں کچھ لکھنے کے لیے بڑی اہلیت کی ضرورت ہے، جو یقیناً مجھ جیسے کم علم اور کم فہم میں نہیں ہے، لیکن صرف شہداء اور صلحاء کے مداحین کی فہرست میں نام ثبت کرنے، سعادت اور ثواب کے حصول کی نیت سے چند سطریں زیب قرطاس کرتا ہوں۔

تعلیمی دور:

اس آفتابِ علم ومہتابِ عمل اور مقبول ومحبوب بندے کو بچپن ہی سے اپنے خاندان کے مخلص بزرگوں اور علماء کی خصوصی توجہ اور شفقت کا انتظام اللہ جل شانہ نے فرمادیا تھا، چنانچہ پیدائش (۲ ذوالقعدہ ۱۳۵۶ھ / ۶ جنوری ۱۹۳۸ء) کے پانچویں سال اپنے عم محترم کے مطب موضع پڑانگ میں واقع "انجمن تعلیم القرآن" نامی مدرسہ میں ناظرہ قرآن مجید اور بعد الظہر اپنے بڑے تایہ اور سسر صاحب سے فارسی دستور وادب کی مختلف کتابوں کے پڑھنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد اپنے والد محترم سے محلہ ہی کی مسجد میں بعد الفجر علم نحو اور منطق کی ابتدائی کتابیں شروع کیں۔ بعد میں ریاضی، ہیئت وفلسفہ اور میراث کی کتابیں پڑھیں پھر علاقہ کے مشہور اور مستند علماء سے استفادہ کی خاطر والد محترم کے ساتھ کچھ عرصہ کے لیے دار العلوم نعمانیہ اُتمانزئی اور دار العلوم اسلامیہ چارسدہ میں نحو، فقہ، منطق، عقائد، تفسیر وغیرہ کی بڑی کتابوں کے پڑھنے اور تکمیل کے لیے جاتے رہے۔ ہمارے دادا محترم نے آپ کو بعض درسی کتابیں زبانی بھی حفظ کرائیں۔

آپؒ کے محبوب اساتذہ:

جامعہ اشرفیہ لاہور کے اس وقت کے معروف شیخ التفسیر والحدیث مولانا الحافظ محمد ادریس کاندھلوی نوراللہ مرقدہ کی بعض تصانیف مطالعہ کرنے سے بہت متاثر ہوئے۔ وہ استاد العلماء، فخر الاماثل، سہارنپور اور دیوبند کے فیض یافتہ اور حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت العلامہ کاندھلوی فن حدیث میں امام الوقت کا درجہ رکھتے تھے۔ علم الکلام اور ردِّ فرق باطلہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سراپا علم اور عظیم محدث سے حدیث پڑھنے کے لیے والد محترم کو ۱۳۷۵ھ میں لاہور پہنچایا۔ والد صاحبؒ آپ

کے درس بخاری شریف کی بہت تعریف کرتے تھے فرماتے تھے کہ: ایسا جامع، مفصل اور محققانہ سبق پڑھاتے تھے جس سے حدیث کی دیگر کتابیں پڑھنا آسان ہوجاتیں تھیں۔ اپنے اس عظیم استاد حدیث کے تمام درسوں کے علاوہ ان کے نیلا گنبد جامع مسجد لاہور میں جمعہ کے دن کی تقاریر اور مواعظِ علمی کو بھی کاپی میں تحریر کرکے محفوظ فرماتے تھے۔ اپنے محبوب اُستاد کے اخلاص اور للّٰہیت، تبحر علمی اور وسعت صدر سے متاثر ہوکر والد صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"حضرت الأستاد کی تصانیف کی تعداد کافی زیادہ ہے اور سب میں للّٰہیت اخلاص اور درد ہے، اور عبارت آرائی، تکلف اور ادبی موشگافیوں سے بہت دور ہے۔ تحریر وتقریر میں لہجہ نرم، قلم سہل، تواضع وانکساری سے بھرپور اور اسلاف کی سخت تابعداری اور پابندی ان کا شعار رہا اور اپنی طرف سے استدلال کم اور اسلاف کی عبارات اور نقول پر زیادہ اعتماد وانحصار ہے۔"

اپنے استاد محترمؒ سے بعض صرفی، نحوی اور توحید کے بارے میں سنی ہوئی نوادرات بھی قلمبند کرتے تھے، چنانچہ تحریر فرمایا ہے کہ:

"ایک بار حضرت الاستاد سے سنا کہ علماءِ صَرف نے ثلاثی مجرد کے چھ ابواب کی مثالوں کے لیے نصر، ضرب، سمع، فتح، حسب، شرف کا جو انتخاب کیا ہے اسکی وجہ اور ربط وترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے تو ابتدائی طالب علم کی پڑھائی کے سلسلے میں امداد کرنی چاہیے، تو باب نصر (امداد کرنا) ہوگیا، اور اگر وہ سبق پڑھنے اور سننے میں غفلت برتے تو اس پر باب ضرب (مارنا) جاری کرو۔ پھر خود باب سمع (سننا) میں آجائے گا، اور سبق خوب شوق سے سنے گا، اور سننے کے بعد

فتح (کھولنا) علم کا دروازہ کھل جائے گا، اور اس دروازے میں داخل ہوجانے کے بعد حسب (بمعنیٰ کافی ہوجانا) یہ اس کے لیے کافی ہوجائے گا، اور جس کے لیے علم کافی ہو جائے تو وہ خود باب شرف (بزرگ اور شریف ہوجانا) میں ہوجائیگا۔''

والد صاحبؒ نے اپنے محبوب اور عظیم استاد کی مدینہ منورہ کے ساتھ محبت کے بارے میں فرمایا کہ:

''ایک دفعہ میں نے حضرت الاستاد کی خدمت میں مدینہ منورہ سے لکڑی کا ایک چھوٹا ناڑہ بند پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ اس جنگل، غابہ کے جھاؤ کا ہے جس سے حضور ﷺ کے لیے منبر شریف بنایا گیا تھا، تو حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خوش ہوکر اس کو چوما اور سر، آنکھوں پر لگایا۔

حضرت الاستاد نہایت متواضع اور سادہ، بے تکلف زندگی بسر فرماتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ میں بخاری شریف کے درس دینے کے بعد توبہ اور استغفار پڑھتا ہوں اس ڈر سے کہ ممکن ہے میرے خیال میں بخاری شریف پڑھاتے وقت غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر غیر اللہ کی نیت آگئی ہو تو میں اس نیت بد کے خیال سے توبہ کرتا ہوں اور اس کی معافی کے لیے دعا واستغفار پڑھتا ہوں اور خداوند قدوس کا وعدہ ہے: ﴿وَاِنِّی لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ ......﴾ اور بے شک میں توبہ کرنے والوں کے لیے بہت بڑا بخشنے والا ہوں۔ اپنے شاگردوں کی خدمت خود کیا کرتے تھے اور ہمیشہ اپنے شاگردوں کو اپنی تصانیف بطور ہدیہ عنایت فرماتے۔''

اپنے ترمذی شریف کے استاد الحدیث، پاک وہند کے مشاہیر علماء کے استاد اور شیخ الکل فی الکل کے لقب سے مشہور حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب ہزارویؒ کے بارے میں والد صاحبؒ نے تحریر فرمایا:

''اسباق نہایت اخلاص، محبت، شفقت اور شوق سے پڑھاتے تھے اور کبھی اپنی خوش مزاجی کی وجہ سے مزاح بھی کیا کرتے تھے...... تدریس میں نقلی دلائل کے ساتھ عقلی دلائل۔ جن میں آپ ید طولیٰ اور مہارت تامہ رکھتے تھے۔ تفصیل کے ساتھ پیش کرتے تھے۔ خصوصاً مذہب حنفی کو نقلی وجوہ کے علاوہ ٹھوس اور فلسفہ وحکمت سے بھرپور دلائل عقلیہ سے ترجیح دیتے۔ آپ جیسے متواضع اور منکسر زندگی میں کسی کو نہیں دیکھا۔'' (میرے عظیم اور محبوب اساتذہ)

امتیازی اوصاف:

ظاہری شکل وصورت کی خوبصورتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے باطنی صفات وکمالات سے بھی مزین فرمایا تھا۔ چنانچہ......:

۱- جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے چار سالہ اعلیٰ نصابِ تعلیم ''کلیۃ الشریعۃ'' کے آخری سال تمام طلبہ سے زیادہ نمبر حاصل کرکے یونیورسٹی بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔

۲- سعودی عرب میں قیام کے دوران جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے اساتذہ کی قیادت میں چار مرتبہ حج اور متعدد بار عمرہ کی سعادت حاصل کی۔ اور مختلف تاریخی اور اسلامی غزوات وغیرہ کے مواضع کو دیکھنے کا شرف نصیب ہوا۔

۳- مسجد نبوی میں بخاری قاریوں سے ''اسطوانۃ السریر'' (ریاض الجنۃ) اور

باب عمر بن الخطاب کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا اور پھر مسجد نبوی میں حفاظ کو سنانے کے علاوہ مسجد النور اور مسجد حرام مکہ مکرمہ میں تراویح اور نوافل میں سنانے کی سعادت حاصل کی۔

٤-جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورہ حدیث کے سال بعد العصر مفتی محمد حسن امرتسریؒ کی اصلاحی اور روحانی مجالس میں شرکت کرتے رہے، جبکہ مدینہ منورہ میں حضرت مولانا عبد الغفور عباسیؒ مہاجر مدنی کی علمی اور اصلاحی مجالس میں شرکت کرنے اور ان سے استفادہ اور صحبت کی سعادت حاصل ہوئی۔ پشاور میں حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ (خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ) کی اصلاحی مجالس میں شرکت کرتے۔ آپؒ نے حضرت والد صاحبؒ کو خلافت سے سرفراز فرمایا تھا۔

٥-خانہ کعبہ کے اندر دو دفعہ داخل ہونے اور ہر دفعہ بیس بیس رکعات سے زیادہ نوافل ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

٦-بلاد عربیہ اسلامیہ میں مختلف مقامات پر واقع اسلامی جامعات، مختلف مکاتب فکر اور فقہی مسالک کے علماء اور مشائخ سے ملنے اور استفادہ حاصل کرنے کا موقع ملا۔ تاریخی مقامات کی سیر و تفریح کے ساتھ بعض انبیاء کرام، صحابہ کرام، تابعین، محدثین اور بعض مجتہدین وفقہاء کرام کے مزارات پر جانے اور حاضری دینے کا شرف حاصل ہوا۔

٧-درس حدیث کے ساتھ چند دنوں میں ایم۔اے اسلامیات پشاور یونیورسٹی کا نصاب اردو سے عربی میں منتقل کیا اور ١٩٧١ء میں پشاور یونیورسٹی کے امتحان میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے پر گولڈ میڈل اور صدارتی ایوارڈ کے مستحق قرار پائے۔

٨-جمعیت علماءِ اسلام کے دینی رہنماؤں اور بعض بزرگوں کے مشورہ سے ١٩٩٠ء کے عام قومی انتخابات میں حصہ لے کر قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور پارلیمنٹ میں باطل قوتوں

کے خلاف ملک کے ارباب اقتدار کو صحیح مشورہ دینے اور حق بات پہنچانے کے فرائض ادا کیے۔

٩-متحدہ عرب امارات، ساؤتھ افریقہ، حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے دیس، بھارت اور بنگلہ دیش کے تبلیغی اجتماع میں شرکت؛ ان ممالک میں تاریخی اہم مقامات دیکھنے اور سیر و سیاحت کرنے کے ساتھ مختلف مقامات پر دینی اور قومی مراکز میں اجتماعات سے خطاب اور اصلاحی بیانات کرنے کا شرف نصیب ہوا۔

١٠-پشاور، لاہور، کراچی اور کوئٹہ کے علاوہ ملک کے بے شمار دینی مدارس میں ختم بخاری شریف کرنے کا اعزاز حاصل کرنے کے ساتھ مساجد اور قومی، مذہبی تقریبات سے سیرت اور افتتاح درس قرآن کریم، ختم قرآن وغیرہ جیسے اہم محافل اور اجتماعات میں شرکت فرما کر وعظ و ارشاد فرمایا۔ جس سے ہزاروں لوگوں کو علمی اور روحانی فوائد حاصل ہوئے۔

١١-محلہ قاسم آباد جمرود روڈ پشاور میں آپ کی کوششوں اور مالی خدمات سے ایک خوبصورت مسجد اور موضع جھگڑا پشاور میں وقف کیے گئے دینی مدرسہ "جامعہ احسن المدارس" کے نام سے باقیات الصالحات میں سے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں آپ سے فیض یافتہ علماء اور طلباء اور اہم دینی و دنیوی اداروں میں دینی خدمات پر مامور اشخاص اس کے علاوہ ہیں۔

١٢-قبائلی علاقہ جات اور وزیرستان وغیرہ میں وعظ و ارشاد اور بیانات سے ان لوگوں کے غیر شرعی رسوم ختم کرنے اور دین کے ساتھ عقیدت و محبت بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

١٣-بعض مقامات اور شہروں میں عوام الناس کے علاوہ شیریں کلام اور نہایت خوش اسلوبی سے خواص جیسے طلباء اور علماء میں پائے جانے والی کوتاہیوں اور ادائیگی عبادات میں

خامیوں کی نشاندہی کر کے اصلاح فرمایا کرتے۔تقاریر میں ہمیشہ آئمہ اربعہ مجتہدین کے فقہی مسلکوں پر پابند رہنے کی تلقین کرتے۔

درس حدیث میں امتیازی شان:

والد محترم شہیدؒ جب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تعلیم مکمل کرنے اور بلادِ عربیہ کے علمی اور تفریحی دورے سے وطن واپس آگئے تو شوال ١٣٨٦ھ کو جامعہ نعمانیہ اتمانزئی چارسدہ میں درسِ حدیث شریف کا باقاعدہ آغاز فرمایا۔درسِ حدیث کا یہ سلسلہ جامعہ امدادالعلوم پشاور میں رجب ١٤٢٨ھ تک جاری رہا۔بحیثیت شیخ الحدیث جو عزت،شرافت،اور شہرت اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی اس کی نظیر زمانہ قریب میں نہیں ملتی۔والد صاحبؒ کے قوت حافظہ،ذہانت، سرعتِ مطالعہ اور وسعتِ صدری کو بیان کرنا مجھ جیسے کم علم اور کم فہم کے بس کی بات نہیں۔مختصر یہ کہ آپ عرب وعجم کے مشاہیر علماء جس میں حنفی،مالکی،شافعی اور حنبلی مسلک کے علاوہ مختلف مشائخ عظام سے استفادہ اور صحبت کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔اپنے عظیم اور محبوب اساتذہ کے علوم کے امین اور شارح تھے۔اسی وجہ سے درس کے دوران ائمہ مجتہدین کے اقوال کو نہایت ادب واحترام کے ساتھ نقل کر کے مدلل طریقے سے راجح قول کو بیان فرماتے۔ایسا جامع، مفصل اور محققانہ درس دیتے کہ حدیث اور فقہ سے متعلق دوسری کتابوں کے حل میں بہت آسانی ہو جاتی تھی۔اسباق نہایت اخلاص،شفقت،اور شوق سے پڑھاتے تھے۔دوران درس تقریر بہت صاف،لہجہ نرم اور مشکل مقامات کو سادہ مثالوں سے حل کرتے۔طلباء دین کے ساتھ خوش مزاجی کر کے مختلف شہروں اور علاقوں کے رسم ورواج کے بارے میں مزاح فرمانے کے بعد شریعت کے احکام پر پابند رہنے کی تلقین کرتے۔طلباء دورہ حدیث والہانہ عقیدت

ومحبت کے ساتھ دوڑتے بھاگتے آپ کے درس میں شامل ہو کر آخر تک سکون واطمینان کے ساتھ ہمہ تن متوجہ رہتے۔درسِ حدیث میں شہرت رکھنے کی وجہ سے ملک بھر کے تقریباً تمام شہروں اور قبائلی علاقہ جات کے علاوہ افغانستان کے ہزاروں طلباء نے والد محترمؒ کے ہاں دورہ حدیث کی تکمیل کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔حرمین شریفین میں بھی دورانِ اعتکاف بعض طلباء اور علماء کو بعض کتابوں کا درس دیا۔ہزاروں کی تعداد میں طلبا حدیث شریف اور علماءِ کرام کو اجازۃ الحدیث کی سند عطا فرمائی۔

میرے چھوٹے اور محترم برادر مولانا عابد الرحمٰن نے والد صاحبؒ کے درسِ بخاری سے متعلق چند اہم مباحث کو"احسن البیان"اور قرآن کریم سے متعلق ضروری مباحث کو"مبادئ القرآن"نامی مختصر لیکن بہت مفید کتابوں میں جمع کیا ہے۔

کریمانہ اخلاق وعادات:

والد محترمؒ جیسے متواضع،صلہ رحمی کے جذبے سے بھرپور اور علمی رسوخ،اعلیٰ صفات اور شان رکھنے والے انسان کے بارے میں تفصیل سے بیان کرنا نہایت مشکل ہے۔صرف اتباع اور استفادے کی نیت سے چند صفات اور عادات،اخلاق اور کردار کا مختصر تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔

١-اپنے لاہور کے عظیم اور محبوب اساتذہ کے علوم تفسیر اور حدیث میں امین،تواضع اور بے تکلفی،للّٰہیت اور شفقت،ذوق ومزاج میں بھی اپنے اسلاف کی روایات کا آئینہ دار تھے۔

٢-اردو،عربی اور فارسی اپنی مادری زبان پشتو کی طرح بولتے۔ہمیشہ آپ کی زبان سے تہذیب وشائستگی کے کلمات نکلتے تھے۔

٣-وفاق المدارس العربیہ تنظیم کے نائب صدر رہے۔اسلامی نظریاتی کونسل اور

مرکزی رویت ہلال کمیٹی میں بحیثیت ممبر رہنے کے دوران سب رفقاء کار آپ کی علمی صلاحیتوں کے معترف اور آپ کے عمدہ اخلاق، تقویٰ اور تدین کے قائل تھے۔

۴۔علم وعمل کی تصویر، عوام وخواص میں یکساں مقبولیت رکھنے والے، حسن اخلاق کا مظہر، تمام طبقات فکر کے لوگوں میں بلا مبالغہ قدر ومنزلت سے دیکھے جاتے تھے۔

۵۔ظاہری شکل وصورت کے خوبیوں کے ساتھ باطنی بے شمار صفات کے مالک تھے۔ ہمیشہ سفید، صاف ستھرے کپڑے، عمدہ رنگ اور اعلیٰ قسم کا جبہ پہنتے اور سر پر خوبصورت پگڑی باندھتے۔ لباس کے معاملہ میں بہت عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ ہمیشہ سنت کے موافق لباس استعمال فرماتے۔

۶۔علم آپ کی ذات میں ایسا بسا ہوا تھا جیسے پھول کے اندر رنگ وبو۔ ہمیشہ متبع سنت رہے۔ ہر نقل وحرکت میں حسن وجمال کی چمک اور نفاست کی جھلک تھی۔

۷۔لباس، خوراک اور طرز بود وباش سے نفاست اور سلیقہ مندی ٹپکتی تھی۔ استعمال کی چیزیں ایسی صاف اور سلیقہ سے رکھتے گویا بالکل نئی ہیں۔ آپ کی کتابوں پر انگلی لگنے کا نشان ہو، نہ کوئی داغ دھبہ۔ غرض ہر چیز کو اتنے اچھے طریقے سے استعمال کرتے تھے کہ طویل زمانہ گزرنے کے باوجود اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ پرانی ہے۔

۸۔انگریزی تہذیب اور لباس کو قطعاً پسند نہیں فرماتے تھے اس لیے جمعہ کے مواعظ اور کئی مناسب مواقع پر فرماتے تھے کہ میں سکولوں کے پرنسپل صاحبان سے کہتا ہوں کہ: آپ نے مسلمان بچوں کے لیے ٹائی شرٹ اور پتلون کیوں لازم کردی ہے؟ ٹائی کو انگریزوں کی مذہبی علامت یعنی کراس کے ساتھ مشابہ سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ: ہر ترقی یافتہ ملک مثلاً چین،

جاپان وغیرہ نے اپنی اپنی قومی زبان میں ترقی کی ہے اس لیے ترقی کا مدار صرف انگریز کی زبان اور ان کی تہذیب میں نہیں۔

۹۔طبیعت میں نفاست اور نظافت کی وجہ سے نشہ آور چیزیں جیسے نسوار اور سگریٹ استعمال کرنے والے کے ساتھ کھانا، پینا پسند نہیں فرماتے تھے۔ طلباء کو بھی ان چیزوں کے استعمال سے سختی کے ساتھ منع فرماتے۔

۱۰۔گلاس میں پانی یا کوئی اور مشروب پیش کرنے والے کی انگلی اگر گلاس کے اندر لگ جاتی تو اس کو بہت برا محسوس کرتے اور اس کو سمجھا کر دوبارہ صحیح طریقہ سے لانے کو کہتے۔

۱۱۔صلہ رحمی کی صفت اللہ نے زیادہ دے رکھی تھی، اس وجہ سے عام تقاریر اور جمعہ کے وعظ میں جب انسانوں کے ساتھ احسانات کا ذکر فرماتے تو لوگوں کو سب سے پہلے والدین کے ساتھ زیادہ صلہ رحمی اور احسان کرنے کی ترغیب دیتے، پھر دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ بلاعوض اور بدل کے نیکی اور احسان کے بارے میں نصیحت کرتے، اس سلسلے میں قرآن مجید سے اکثر اور احادیث سے بالعموم حوالہ دیتے۔

۱۲۔سفر سے واپسی پر ہمیشہ پنے بچوں کے لیے جب مختلف قسم کی چیزیں گھر لاتے تو اکثر اوقات اپنے والدین کے علاوہ ان کی زندگی میں بھی اور ان کے وفات کے بعد بھی تمام بہنوں کے لیے کپڑے وغیرہ لاتے۔ پھر کبھی خود ہر ایک کو پہنچاتے یا ہم بھائیوں میں سے کسی ایک کے حوالہ کرکے نہایت اخلاص اور ہمدردی کے ساتھ بہنوں کو پہنچانے کا اہتمام فرماتے۔

۱۳۔بچوں کے ساتھ بالعموم اور پوتوں، پوتیوں کے ساتھ بالخصوص محبت اور انتہائی شفقت کا اظہار فرماتے۔ کھانے میں سب کو شریک کرتے تاکہ ادب اور سلیقہ سے کھانا، پینا سیکھ

لیں۔ البتہ جب مہمان ہوتے تو پھر باہر مہمانوں کے ساتھ نشست و برخاست کرنا پسند فرماتے
تھے۔ بہت زیادہ کریم الطبع اور مہمان نواز تھے۔

١٤- حج اور عمرہ کی سعادت حاصل ہونے کے بعد احباب اور دوستوں کے لیے بھی
ثواب کی نیت سے ہمیشہ ہدایا اور تحائف لاتے۔ بچوں میں گھر واپس آنے پر یا کافی دنوں کے
بعد دیکھنے پر اپنے جیب سے لفافہ یا بٹوہ نکال کر اپنے مبارک ہاتھوں سے رقم تقسیم کرتے
اور گھر کی عورتوں کو بھی بالعموم رقم دیتے۔

١٥- وعدے کے پابند، اصول پرست، حق گوئی میں بے مثال، نادار دینی طلباء
اور علماء کرام کے ساتھ مالی تعاون، جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں دور سے آنے والے محبین
اور مخلصین کے ساتھ ہمیشہ احسان اور عمدہ سلوک فرماتے تھے۔

الغرض حضرت الشیخ کی تمام صفات کو تفصیل سے بیان کرنا ہمارے بس میں نہیں۔

بحسابِ ابجد آپؒ کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات:

والد محترم شیخ الحدیثؒ یقیناً پیدائشی ولی اللہ تھے۔ بعض علماء نے ابجد کے حساب سے
والد محترم کی تاریخِ پیدائش کے بارے میں یہ جملہ بتایا ہے:

''وہ محمد حسن جان شہید مادرزاد ولی الاحد تھے۔''

تفصیل اس طرح ہے:

وہ	محمد	حسن جان	شہید	مادرزاد	ولی الاحد	تھے
١١	٩٢	١٧٢	٣١٩	٢٥٧	٩٠	٤١٥

جس کے مجموعے سے ١٣٥٦ عدد بنتا ہے، جو حضرت الشیخ کا ہجری سن پیدائش ہے۔ آپ کے

سنِ وفات کا بھی بحسابِ ابجد عجیب فقرہ نکلتا ہے:

''آہ بے شک یہ محمد حسن جان مادرزاد ولی الحمید تھے۔''

تفصیل کچھ یوں ہے:

آہ	بے شک	یہ	محمد	حسن جان	مادرزاد	ولی	الحمید	تھے
٦	٣٣٢	١٥	٩٢	١٧٢	٢٥٧	٤٦	٩٣	٤١٥

جس کا مجموعہ ١٤٢٨ بنتا ہے، جو شیخ صاحب کا ہجری سنِ وفات ہے۔

شہادت اور سفرِ آخرت:

حضرت شیخ شہید رحمہ اللہ کو بروز ہفتہ افطار سے چند منٹ پہلے ٢ رمضان المبارک ١٤٢٨ھ
بمطابق ١٥ ستمبر ٢٠٠٧ء کو دین اسلام اور علماء کے سفاک اور ظالم دشمن گھر سے نکاح پڑھانے
کے بہانے سے گاڑی میں لے جاگئے اور جس وقت لوگ افطاری سے فارغ ہو کر مغرب کی نماز
پڑھنے کی تیاری کر رہے تھے، اس وقت ان سفاک اور انتہائی بڑے دہشت گردوں نے اس
معظم، محترم اور سعید بندے کو بے دردی سے شہید کر کے بدبختی اور لاکھوں مسلمانوں کی
بددعا اور دل آزاری کو مول لے لیا۔ والد صاحبؒ کو شہادت کی تمنا تھی اللہ تعالیٰ نے دنیا سے
رخصت ہوتے وقت یہ اعزاز بھی عطا فرمایا۔ اپنے ملک کے علم دوست اور لاکھوں عقیدتمندوں
نے وفات پر گہرے غم و درد کا اظہار کیا اور تا حال لوگ آپؒ کی شہادت کو یاد کر کے غم سے
نڈھال ہو جاتے ہیں۔ خداوند کریم سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ والد محترمؒ کو دوسرے دن
جامعہ احسن المدارس جھگڑا پشاور میں انتہائی ادب و احترام کے ساتھ دفن کیا گیا۔ شہادت کے
بعد ہزاروں لوگوں نے خواب میں زیارت کی اور بہترین شکل و صورت میں دیکھا۔

رحمه الله رحمة واسعة، وادخله جنات الفردوس نزلا.

آپؒ کی تقاریر کا مجموعہ "احسن المواعظ":

والد محترم چونکہ ملت اسلامیہ کے عظیم مقرر اور دردمند واعظ تھے، آپ نے بلا مبالغہ مختلف موقعوں پر ہزاروں علمی واصلاحی تقاریر کیں ہیں، جن میں سے اکثر کا ریکارڈ موجود ہے، لیکن ابھی تک افادہ عام کے لیے ضبط وتحریر میں نہیں آئیں تھیں۔ جناب محترم مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب اور مولانا محمد یحییٰ عثمانی قابل صد مبارک باد اور لائق تحسین ہیں کہ انہوں نے اپنی مصروفیات کے باجود اپنی بے پناہ کاوشوں سے والد محترم کی تقاریر کو خوبصورت انداز میں مرتب کرکے ان کے شاگردوں، عقیدتمندوں اور دیگر عوام وخواص کے لیے ایک عظیم اور انمول علمی، عملی اور روحانی دسترخوان بچھادیا۔ اب جس کا جی جتنا چاہے اس سے مستفید ہوتا رہے۔ ان شاء اللہ بقیہ تقاریر پر بھی یہ حضرات اس طرح کے اس مفید اور قیمتی کام کو جاری رکھیں گے تاکہ بقیہ جلدیں بھی منظر عام پر آجائیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان دونوں حضرات کو دنیا وآخرت کی خوشیوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

ابن الشیخ

جامعہ احسن المدارس جھگڑا

قرآن کریم کا اِعجاز
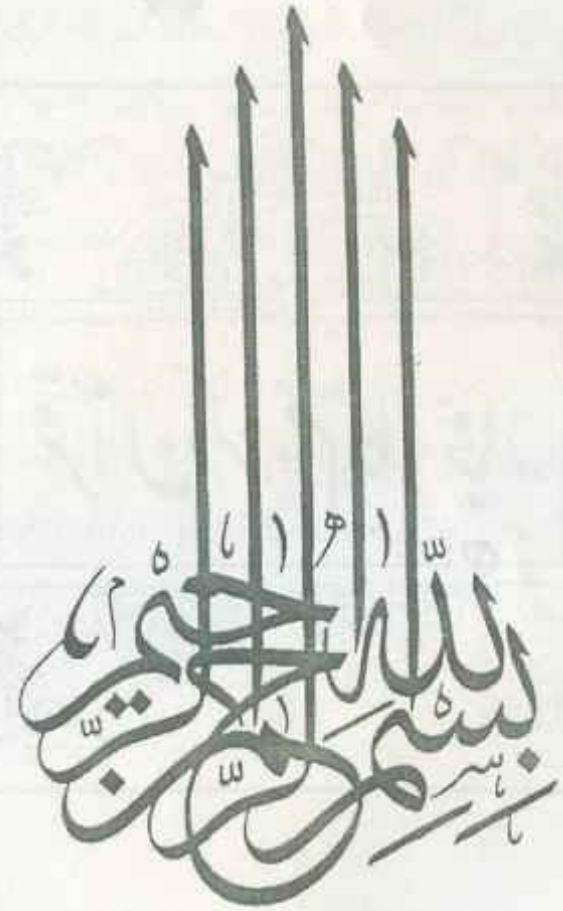
سُبْحَانَکَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّامَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ٥
نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ،
وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ
فَلَامُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِیَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ
لَاشَرِیْکَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا، وَسَنَدَنَا، وَحَبِیْبَنَا،
وَشَفِیْعَنَا، وَرَحْمَتَنَا، وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ. ﴿ ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا فمنهم ظالم
لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابقٌ بالخیرات باذن اللّٰه، ذٰلک
هو الفضل الکبیر ٥ جنّٰت عدن یدخلونها یحلون فیها من أساور من
ذهبٍ ولؤلؤاً ولباسهم فیها حریرٌ ٥ قالوا الحمد للّٰه الّذی أذهب عنّا
الحزن انّ ربّنا لغفورٌ شکورٌ ٥ الذی أحلنا دار المقامة من فضله،
لا یمسنا فیها نصبٌ ولا یمسنا فیها لغوبٌ ٥ ﴾ [سورة فاطر/ ۳۲ تا ۳۵]

قابلِ صد احترام علماءِ کرام، حفاظِ عظام اور دین سے محبت رکھنے والے غیرت مند مسلمان بھائیو!

یہ چند طلباءِ کرام کی دستار بندی کی تقریب ہے، اس لیے قرآن کریم کے بارے میں چند باتیں عرض کرونگا۔

قرآن کریم کی خوبیاں:

ہم سب کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ جتنی آسمانی یا انسانی کتابیں ہیں اُن سب کی سردار قرآن کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسی خوبیاں رکھی ہیں کہ وہ کسی دوسری کتاب میں نہیں۔ قرآن کریم کی یہ خوبیاں کیا ہیں؟

پہلی خوبی، صفتِ کلام:

سب سے پہلی صفت جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں رکھی ہے اور وہ کسی دوسری آسمانی کتاب میں نہیں، وہ یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی باتیں ہیں اور یہ اللہ کا کلام ہے۔ دیگر آسمانی کتابیں بے شک اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتابیں تھیں، مگر وہ اللہ تعالیٰ کی باتیں نہ تھیں اس لیے ان کو کلام کی بجائے کتاب کہتے ہیں۔ جبکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام بھی ہے اور کتاب بھی۔ وہ دیگر آسمانی کتابیں بیک وقت یکجا اور اکٹھے طور پر زمانہ کی مناسبت سے پتھر یا لکڑی کے تختوں پر لکھی ہوئی نبی کو دے دی جاتیں لیکن قرآن کریم ان کی طرح ایک ہی مرتبہ لکھا ہوا نازل نہیں ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے پیغمبر ﷺ کے درمیان ۲۲ سال ۲ مہینے اور ۲۲ دن جاری رہنے والی باتیں ہیں۔ ان میں سے ۱۲ سال، ۵ ماہ اور ۱۳ دن مکہ مکرمہ کے ہیں، جبکہ ۹ سال، ۹ ماہ اور ۹ دن مدینہ منورہ کے ہیں۔

کبھی یہ باتیں براہ راست ہوتیں اور کبھی فرشتوں اور حضرت جبرائیلؑ کی وساطت سے۔ جب یہ باتیں نازل ہوتیں تو سردارِ دو جہاں ﷺ صحابہ کرام سے فرماتے کہ ان کو لکھ لو۔ کتاب ''مکتوب''، یعنی لکھی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔ تو قرآن مجید پہلے کلام ہے پھر کتاب۔ یہ بقیہ آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔

چنانچہ اگر کوئی چاہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی باتیں اپنے کانوں سے سن لوں یا اللہ کی باتیں خود اپنی زبان سے پڑھ لوں، تو یہ صرف قرآن کریم کی تلاوت سے ممکن ہے۔ سورۃ فاتحہ سے سورۃ الناس تک سارا قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

دوسری خوبی، صفتِ معجزہ:

دوسری صفت جو دیگر کتابوں میں نہیں ہے اور صرف قرآن کریم کا خاصہ ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ سب آسمانی کتابیں، جن کی تعداد ایک سو تین (۱۰۳) ہے، ان میں سے سو (۱۰۰) صحیفے جبکہ تین (۳) بڑی کتابیں تھیں۔ یہ ان پیغمبروں کے لیے زندگی گزارنے کا طریقہ اور دستور العمل ہوتا تھا۔ ان میں عقائد، اعمال اور اخلاق کا بیان تو ہوتا تھا، مگر یہ معجزہ نہ تھیں۔ اُن انبیاء کے معجزے اس کے علاوہ دیگر چیزیں ہوتیں تھیں۔

حضرت موسیٰ پر توراۃ نازل ہوئی لیکن ان کا معجزہ توراۃ نہ تھا۔ ان کا معجزہ یہ تھا کہ بغل میں ہاتھ رکھ کر نکالتے تو وہ روشن ہو جاتا اور اپنی لاٹھی کو میدان میں پھینکتے تو اس سے اژدہا بن جاتا۔

حضرت عیسیٰؑ کو انجیل شریف عطا کی گئی لیکن یہ اُنکا معجزہ نہ تھا۔ ان کا معجزہ یہ تھا کہ آپؑ نے زندگی بھر میں چار مردوں کو زندہ کیا تھا۔ اندھوں کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تو ان کو

شفا ملتی۔ ابرص کے مریضوں پر ہاتھ پھیرتے تو وہ شفایاب ہوجاتے۔ یہ معجزے تھے، لیکن انکی کتاب انجیل معجزہ نہ تھی۔

حضرت داؤدؑ کو اللہ تعالیٰ نے زبور شریف دی، لیکن یہ ان کا معجزہ نہ تھا۔ ان کا معجزہ یہ تھا کہ وہ ذکر کرتے یا تلاوت کرتے تو پرند، چرند، درخت، پودے اور پہاڑ سب انکے ساتھ ذکر کرتے۔ یٰجبال اوّبی معه والطّیر [سورۃ سبا/ ۱۰]. اسی طرح ان کا ایک معجزہ یہ تھا کہ لوہا ان کے ہاتھوں میں نرم ہوجاتا تھا اور وہ اس سے زرہ بناتے۔ زبور ان کا معجزہ نہ تھا۔ وہ صرف قانون اور دستور العمل تھا۔

ہماری کتاب قرآن کریم ہمارے لیے دستور العمل بھی ہے اور عقائد، اعمال اور اخلاق کا بیان بھی، لیکن ساتھ ہی یہ حضور ﷺ کا ایک بہت بڑا معجزہ بھی ہے۔ چنانچہ یہ دعوت بھی ہے اور حجت بھی۔ دعویٰ بھی ہے اور دلیل بھی۔ دستور العمل بھی ہے اور پیارے پیغمبر ﷺ کا معجزہ بھی۔ اگر کوئی جاننا چاہے کہ یہ قرآن کریم کیوں برحق ہے؟ تو خود قرآن کریم اس بات کی دلیل ہے کہ میں حق کتاب ہوں۔ "آفتاب آمد دلیل آفتاب"

آپ ﷺ کے معجزات کی تعداد:

ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ کے کتنے معجزے ہیں؟ اس پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ حافظ سیوطیؒ نے الخصائص الکبریٰ کے نام سے کتاب لکھی ہے، جس میں ایک ہزار (۱۰۰۰) معجزوں کو جمع کیا ہے۔ امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ کے نام سے کتاب لکھی ہے اسمیں انہوں نے بارہ سو (۱۲۰۰) معجزات کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ علامہ نوویؒ کی کتاب

المواهب اللدنیه اور اس پر قسطلانیؒ کی شرح ہے، اسمیں تین ہزار (۳۰۰۰) معجزات کا ذکر ہے۔

ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کے معجزات کی تعداد تین ہزار (۳۰۰۰) سے بھی زیادہ ہے۔ ان معجزات میں سب سے بڑا معجزہ جو واضح اور روشن، اب تک موجود ہے اور قیامت تک باقی رہے گی وہ قرآن شریف ہے۔

معجزہ کی تعریف:

معجزہ کس کو کہتے ہیں؟ یہ بھی ایک سوال ہے جسے میں آپ کو آپ ہی کے زبان میں سمجھائے دیتا ہوں۔ "معجزه هغه خيز نه وائي چه هغه دخدائے کار وی او مخلوق د وسه بهر وی" (اللہ کا فعل، جو مخلوق کے بس میں نہ ہو)

اس دنیا میں آپ نظر دوڑائیں، تو دو قسم کی چیزیں نظر آئیں گی۔ ایک وہ چیزیں جو انسانی مصنوعات ہیں جیسے کار، مکان، راکٹ، کمپیوٹر، بم، ایٹم بم وغیرہ۔ دوسری وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں سب اللہ کو ماننے والے یہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ خوبصورت اور روشن، چمکتا ہوا سورج ہے، یہ مسکراتے ہوئے خوبصورت تارے، یہ خوبصورت اور حسین چاند، یہ درخت، یہ دریا، یہ آبشاریں، یہ رنگا رنگ پھول، یہ انسان، یہ جانور، سب اس میں داخل ہیں۔

ان دو قسم کی چیزوں کے فرق کو اگر جان لیا جائے تو یہی معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزیں کس کو کہتے ہیں اور مخلوق جو ایجاد کرتی ہے وہ کیا ہیں؟ اگرچہ یہ تمام مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور توفیق ہی سے کوئی چیز بناتے ہیں اور درحقیقت خالق وہی ایک ہی ہے

لیکن بظاہر چونکہ یہ چیزیں انسان کے ہنر سے بنتی ہیں اس لیے ان کو انسان کی پیدا
کہا جاتا ہے۔

ہماری اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزیں ان کو کہتے ہیں جو انسا
وسعت سے باہر ہوں۔ اس سورج کی طرح دوسرا سورج کوئی بھی نہیں بنا سکتا۔ اس
چاند کی طرح چاند، درخت کی طرح درخت، حیوان کی طرح حیوان، کوئی نہیں بنا سکتا۔
کہ انسان کی تیار کردہ چیزیں وہ ہوتی ہیں جن کا انسان مقابلہ کر سکے مثلاً اگر یہ ما
(MIKE) پاکستان بنا سکتا ہے، تو جاپان والے کہتے ہیں کہ ہم اس سے خوبصورت ما
بنا سکتے ہیں، یا اگر ایک موٹر کار برطانیہ میں تیار ہوتا ہے تو جاپان اس سے اچھی موٹر کار بنا
ہے۔ اگر روس راکٹ بنائے تو امریکہ کہتا ہے کہ یہ ہم بھی بنا سکتے ہیں۔ تو انسان کی بنائی
چیز کا مقابلہ ہو سکتا ہے جبکہ اللہ کی بنائی ہوئی چیز کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ جس چیز کا مقابلہ کو
کر سکے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز ہوتی ہے اور یہی معجزہ ہوتا ہے یعنی "عاجز کرنے
بات" یا "عاجز کرنے والی چیز" اور جو چیز عاجز کرنے والی نہ ہو وہ معجزہ نہیں ہوتا۔

قرآن کیوں معجزہ ہے؟:

اب آیئے قرآن کریم کا مشاہدہ کر لیں کہ یہ معجزہ ہے تو کیوں اور کیسے؟ اگر ہم
کریں کہ اس کے اوراق معجزہ ہیں تو یہ غلط ہوگا۔ اس لیے کہ اس ورق کی طرح اوراق
سکتے ہیں بلکہ اس سے کئی گنا بہتر کاغذ والی کتابیں اور اچھی چھپائی والی کتابیں دیکھنے میں
ہیں۔ اچھا تو یہ مان لیا کہ یہ معجزہ نہیں، تو پھر کیا اس کی بائنڈنگ (جلد) معجزہ ہوگی؟ نہیں
بھی معجزہ نہیں۔ یہ بھی انسانی کام ہے۔ تو کیا یہ سیاہی اور روشنائی معجزہ ہوگی؟ نہیں، یہ

انسان کی بنائی ہوئی ہیں، اور انسان کی بنائی ہوئی چیز معجزہ نہیں ہو سکتی۔

قرآن کی خوبیاں:

قرآن کریم کی کچھ صفات اور خوبیاں ہیں جو معجزہ ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسی
ہیں جو ہم مدارس میں کتابوں کے اندر طلبہ کو پڑھاتے ہیں اور کچھ ایسی ہیں، جن کو عام لوگ
بھی سمجھتے ہیں۔ آپ کو وہ عام باتیں بتلاتا ہوں۔

قرآن کا محفوظ ہونا:

پہلی صفتِ اعجاز اس کا "محفوظ ہونا" ہے۔ دنیا میں کوئی کتاب اپنی اصلی حالت
میں محفوظ نہیں۔ کوئی کتاب کسی کو یاد نہیں اور نہ کوئی یاد رکھ سکتا ہے۔ ہم سب پٹھان ہیں کسی کو
خوشحال خان بابا کا کلام یاد نہیں، کسی کو دیوانِ رحمان بابا، علی خان بابا، یا دیوانِ حافظ الپوری
یاد نہیں۔ ہماری اپنی مادری زبان ہے اور اشعار کا یاد کرنا آسان بھی ہوتا ہے مگر کسی کو یاد
نہیں۔

انجیل شریف قرآن کریم سے چھ سو دس (۶۱۰) سال پہلے نازل ہوئی۔
ستاون (۵۷) ملکوں پر اس کی حکومت ہے اور عیسائی اس کی ترویج پر بے تحاشا رقم خرچ
کرتے ہیں۔ صرف واشنگٹن سٹی میں ۲۵ دسمبر کو ہر سال انجیل کے دو لاکھ نسخے مفت تقسیم کیے
جاتے ہیں اور پاکستان بھر میں لاکھوں نسخے تقسیم ہوتے ہیں۔ حد سے زیادہ اُسکی خدمت کی
جاتی ہے لیکن پوری دنیا میں تلاش کریں تو آپکو انجیل کا کوئی حافظ نہیں ملے گا۔

چار مشہور اور ایک غیر معروف انجیل:

عام طور پر چار انجیلیں مشہور ہیں: (۱) لوقا (۲) یوحنا (۳) مرقس (۴) شمعون۔

میرے پاس یہ چاروں ہیں۔لیکن ان کے علاوہ ایک اور انجیل بھی ہے "انجیل برنا
"، جس کو یہ مخفی رکھتے ہیں، میرے پاس وہ بھی موجود ہے۔ان پانچوں کو جمع کر دیا جا
قرآن کریم کے دس پاروں کے مساوی بھی نہیں لیکن اس کا کوئی حافظ نہیں۔ میں
المقدس میں اُس مقام پر گیا جہاں حضرت عیسیٰؑ کی فرضی قبر انہوں نے بنائی ہے۔ ہمارا
ہے کہ وہ خود تو آسمانوں پر اُٹھائے گئے ہیں لیکن ان کی جگہ جس شخص کو پھانسی پر چڑھایا گ
اس کی قبر موجود ہے۔ اس قبر کے اردگرد عیسائی پادری چکر لگاتے رہتے ہیں۔ایک ہاتھ
انجیل اور دوسرے میں شمع اُٹھائے انجیل پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

فقہ حنفی کا مسئلہ:

ہماری فقہ حنفی کا مسئلہ ہے کہ امام نماز میں قرآن مجید کو ہاتھ میں لے کر اس
تلاوت نہیں کرسکتا، اس لیے کہ یہ یہود اور عیسائیوں کا عمل ہے۔ان کو اپنی کتاب
نہیں، لہذا اپنی عبادتوں میں بھی اس کو دیکھ کر تلاوت کرتے ہیں۔ مسلمان اس طرح کا
نہیں کریں گے۔ وہ اس طرح قبر کے اردگرد چکر کاٹتے اور کتاب پڑھتے ہیں۔

دنیا میں حفاظ کی تعداد:

ہمارے قرآن کے کتنے زیادہ حفاظ ہیں۔یہ اس کا معجزہ ہے۔اتنی
کتاب، جسکو حفظ کرنا لوہے کے چنے چبانے سے بھی زیادہ سخت ہے۔یہ ان کو پتہ چلا
جنہوں نے اس کو حفظ کرلیا ہو۔

دنیا میں کتنے حفاظ ہیں؟ تو ایک اندازے کے مطابق دو کروڑ کے لگ بھگ
کرام ہیں۔مرد، عورت، چھوٹے بچے اور بچیاں، آدمی کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔چھو

چھوٹے بچے اور بچیاں- یہ آج کے محفل میں ہمارے یہ چھوٹے بھائی، جنہوں نے قرآن یاد
کیا ہے- یہ قرآن کے معنی کو کیا جانتے ہیں۔اس کو تو علماء کرام ہی جانتے ہیں۔اب ایک
زبان، جو آدمی کی سمجھ میں بھی نہ آئے، وہ اس کی اپنی مادری زبان بھی نہ ہو اور اس میں سب
متشابہات بھی ہوں۔مثلاً کتنی مرتبہ قرآن پاک میں "ان الذین آمنوا" آیا
ہے "ویقولون متیٰ ھذا الوعد ان کنتم صٰدقین" کتنی جگہ آتا ہے؟ عام لوگوں کو تو
صرف سورہ یٰسٓ میں یاد ہوتا ہے حالانکہ یہ مختلف جگہوں میں آیا ہے، اب اس کو کیسے یاد کیا
جائے؟...... تو یہ ایک معجزہ ہے۔

پنجاب میں جہلم کے علاقہ میں جائیں تو وہاں بہت سی عورتیں حافظات
ہیں۔ ہندوستان سے مشرق کی جانب دو مسلمان ملک ہیں: انڈونیشیا اور ملائیشیا، وہاں جتنے
بھی نیک لوگوں کے گھر ہیں ہر گھر میں حافظہ ہے اور عرب مما لک میں ایک ملک ہے جسکا نام
موریطانیہ ہے۔ مجھے وہاں کے علماء نے بتایا کہ ہمارے گھروں میں ہر پانچ عورتوں میں
سے تین حافظات ہیں بلکہ ایک عالم نے تو بتایا کہ قرآن تو کہنا ہی کیا، ہماری عورتوں کو تو
قاموس بھی یاد ہوتی ہے۔قاموس عربی لغت کی مشکل ترین کتاب ہے۔یہ قرآن کریم کا
معجزہ ہے۔

ایک انگریز کا قرآن کریم کو دنیا سے ختم کرنے کی ناکام کوشش:

انگریز جب شروع میں ہندوستان آئے، تو ایک انگریز قرآن خریدتا، جمع کرتا اور
رات کو خفیہ سمندر میں ڈال دیتا۔اس کے ایک مسلمان دوست نے سوچا کہ یہ ہماری کتاب
کے ساتھ کرتا کیا ہے کہ اتنی مقدار میں خریدتا رہتا ہے۔تو اس سے جا کر معلوم کیا کہ تم اتنی

کتابوں سے کیا کرتے ہو۔ اس نے بات ٹالنی چاہی مگر اس نے نہیں چھوڑا اور اصرار کرتا رہا آخر کار اُس انگریز نے کہا کہ میں تمہیں اس شرط پر بتلادونگا کہ کسی کو نہیں بتاؤ گے۔ پھر کہا کہ میں اس کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس کو لے کر سمندر میں ڈال دیتا ہوں۔ وہ مسلمان ہنس پڑا کہ اللہ کے بندے یہ کیا بیوقوفوں کا کام شروع کر رکھا ہے۔ اگر سب قرآن بھی خرید کر سمندر میں ڈال دوگے تو ہزاروں، لاکھوں مرد و خواتین کو قرآن زبانی یاد ہے۔ ان کے سینوں کا کیا کروگے۔ پھر لکھ دیا جائے گا۔ اس نے کہا: اچھا یہ کسی کو یاد بھی ہے؟ کہا: ہاں۔ اس پر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

ایک استاد کا واقعہ:

چھوٹے چھوٹے بچے، چھوٹی چھوٹی بچیاں چھ، ساڑھے چھ سال کی، ان کو قرآن مجید زبانی یاد ہوتا ہے۔ مدینہ منورہ میں ہمارے استاد تھے انہوں نے سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا تھا اور انہوں نے کہا کہ ایک جماعت نے مجھ سے امتحان لینا چاہا مگر میں نے ایک حرف بھی غلط نہ پڑھا اور واقعی ان کا حافظہ بہت تیز تھا۔ میں نے آج تک ان کی طرح کا حافظہ کسی کا نہیں دیکھا۔

قرآن کے خادم مالدار یا غریب:

دوسری عجیب بات یہ ہے کہ ان بچوں کو دیکھو، ان میں کسی ارباب یا لیڈر کا بچہ نہیں ہوگا۔ سب غریب اور مسکین لوگوں کے بچے ہیں۔ اسمیں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ ہے کہ انجیل کی خدمت کیلئے تو بڑے بڑے بادشاہ اور بڑی بڑی سلطنتیں ہیں جبکہ قرآن کی خدمت کے لیے ہم آپ جیسے کمزور اور غریب مسلمان۔ اس میں حکمت کیا ہے؟

بیت اللہ شریف کو بے آب وگیاہ زمین میں بنانے کی حکمت:

ایک مثال سے آپ کو سمجھاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کو ایسی جگہ میں بنایا ہے کہ وہ بالکل بے آب وگیاہ جگہ ہے۔ یہ موجودہ آبادی حضرت ابراھیم علیہ السلام کے دور سے چلی آرہی ہے۔ میں نے حضرت ابراھیمؑ کا گاؤں دیکھا ہے۔ فلسطین کا وہ علاقہ جو آج کل یہود کے قبضہ میں ہے، وہاں ایک خوبصورت شہر ہے جسکا نام ''خلیل الرحمٰن'' ہے یہودی اس کو ''حبرون'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ انگور، انجیر، آلو بخارے اور مختلف پھلوں کے باغات کا شہر ہے۔ وہاں ایسے انجیر ہیں جو پشاور والوں نے دیکھے بھی نہیں ہونگے، بڑے بڑے، سفید و زرد، شہد کی طرح میٹھے ہوتے ہیں۔ وہاں بس سٹاپ پر رُکیں، تو بچیاں اور عورتیں ٹوکریوں میں انگور لیے سامنے آجاتے ہیں۔

اس طرح کے خوبصورت اور سرسبز ملک سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اُٹھا کر بھیجا کہ جا کر اس خشک اور بے آب وگیاہ سرزمین میں میرا گھر بنادو۔ مکہ مکرمہ کے ان خشک پہاڑوں میں جہاں صرف کالی چٹانیں ہی ہیں اور کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپکو بار بار اس کی زیارت نصیب فرمائے۔ آمین۔

تینتیس سال قبل ریاض سے مدینہ منورہ کا سفر:

میں ایک مرتبہ ریاض سے مدینہ منورہ جارہا تھا۔ یہ ۳۳ سال پہلے کی بات ہے اس وقت سڑکیں نہیں بنی تھیں۔ بسیں صحراؤں میں کچے راستوں پر چلتی تھیں اور بعض دفعہ بسیں گم بھی ہوجاتی تھیں اس لیے کہ راستے میں انسان کا کوئی نام ونشان نہیں ہوتا تھا۔ کوئی گاؤں یا شہر نہ تھا، پانی کا ملنا محال تھا۔ اگر بس میں تیل ختم ہوجاتا تو گاڑی وہی رکی رہ جاتی

اور لوگ بھوک، پیاس سے مرجاتے اور ہوا اُڑ اُڑ کر ان کو ریت میں ہی دفن کر دیتی۔ کا
لوگ اور بہت سی بستیں گم ہوگئی تھیں۔ اس کے بعد پھر ہر بس کو جانے کی اجازت نہیں
جاتی تھی۔

ریاض سے مدینہ منورہ تک ۱۰۰۰ میل سے زیادہ کا سفر تھا۔ ہمیں راستے میں صرف
تین جگہیں پڑاؤ کرنے کے لیے ملیں۔ ایک عفیف، دوسرا دوآدم اور تیسرا اسویداء۔ تھوڑی
آبادی ہوا کرتی تھی۔ کچھ پینے کا پانی مل جاتا اور کچھ لوگ پٹرول بیچ رہے ہو
تھے۔ کھانے کو چند سبزیاں اور صرف اونٹ کا گوشت ملتا۔ تو جب اس صدی میں وہاں کی
حالت تھی، تو چودہ سو سال پہلے اس کی کیا حالت ہوتی ہوگی؟

شاہ عبدالعزیز السعود کا گھر:

آجکل سعودی عرب میں جو بادشاہ برسر اقتدار ہے میں اس کے والد کے گھر گیا
ہوں جس کی چار دیواری کو مٹی کا لیپ دیا گیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل وہاں تیل دریافت ہوا، جس
وجہ سے وہ مالدار ہوئے، ورنہ ہمارا پاکستانی سکہ ان کے ریال سے قیمتی تھا۔

ایسے ملک میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کو بنایا۔ پشاور میں کیوں نہیں بنایا
جہاں بھی بنایا ہوتا، ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری میں وہاں پہنچ جاتے۔ اسمیں راز کیا تھا
تو ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر بیت اللہ سرسبز زمین
ہوتا۔ وہاں باغات، نہریں اور پھلوں کے درخت ہوتے اور کوئی وہاں جاتا تو پتہ نہ چلتا کہ
یہ اس علاقے کی سیر کے لیے آیا ہے یا اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی
اس اعتراض سے اپنے گھر کو پاک کر دیا۔

قرآن شریف کے خادم:

تو اسی طرح قرآن شریف کا معاملہ بھی ہے اگر اس کی وجہ سے دنیا کے عہدے ملتے
اور بادشاہ اور خوانین کے بچے اس کو یاد کرتے۔ بڑی بڑی تنخواہیں ملتیں تو سب ایک
دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بچوں کو حفظ کے لیے داخل کرتے۔ پھر یہ معلوم نہ ہوتا کہ یہ لوگ
اللہ کی رضا کے لیے بچوں سے حفظ کروا رہے ہیں یا دنیاوی اغراض کے لئے؟ اس لیے اللہ
تعالیٰ نے دنیاوی اغراض سے اپنی کتاب کو محفوظ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ بادشاہوں میں قرآن
مجید کے حافظ بہت کم گزرے ہیں۔ آجکل تو بالکل ہی نہیں۔ پرانے زمانے کے
بادشاہوں میں بعض حفاظ گزرے ہیں۔

چند حفاظ بادشاہ:

سعودی عرب کے بادشاہ شاہ فیصل (مرحوم) حافظ قرآن تھے۔ گیارہ سال کی عمر
میں قرآن حفظ کیا تھا اور الجزائر کے صدر گزرے ہیں ''حواری بومدین'' اُس کی داڑھی بالکل
نہ تھی اور کوٹ پتلون میں ملبوس ہوا کرتا تھا لیکن حافظ قرآن تھا۔

اس کے علاوہ عموماً سب غریب، مسکین لوگوں کے بچے ہی اس کو یاد کرتے ہیں۔
آپ کی تسلی کے لیے عرض ہے کہ بہت سے لوگوں کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اگر میں
بچے کو قرآن یاد کراؤں گا تو یہ روٹی کہاں سے کھائے گا۔ یہ سب نواب اور خوانین جو سکولوں
میں اپنے بچے داخل کراتے ہیں، یہ کس لیے؟ ظاہر ہے صرف پیٹ کے لیے۔ اسکے علاوہ
تو اور کوئی مقصد نہیں۔ ڈاکٹر بن جائے اور زیادہ پیسے کما کر لائے یا انجینئر یا ایگریکلچر آفیسر بنے
اور زیادہ دولت کمائے۔ فرض کریں کہ زیادہ کما کر لایا تو کیا ہوا؟ خوراک زیادہ کھائے

گا۔خوبصورت گھر بنائے گا۔خوبصورت گاڑی میں بیٹھے گا۔اگر یہ اغراض پورے ہوگئے تو پھر کیا ہوگا؟ کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ میرا یہ بچہ مسلمان بھی ہوگا یا نہیں......؟اس کا عمل کیسے ہوگا......؟اس کا عقیدہ اور اخلاق کیسے ہونگے......؟

قرآن، دنیا کی عزت بھی ہے:

لوگ بچوں کے پیٹ کی فکر تو کرتے ہیں لیکن انکے دین کی فکر نہیں کرتے۔ان لوگوں کو صرف دنیا کی فکر کھائے جاتی ہے۔سکول و کالج صرف دنیا کمانے کیلئے بنائے گئے ہیں۔تو آپ کے لیے کہتا ہوں کہ اس میں رزق کی وسعت بھی ہے۔اگرچہ یہ آدمی کا مطمح نظر نہیں ہوتا اور نہ ہونا چاہئے لیکن حضور پاک ﷺ کی حدیث ہے، بخاری شریف کی روایت ہے:" من لم یتغن بالقرآن فلیس منا "۔اس حدیث شریف کے کئی معانی ہیں۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس نے قرآن کریم کی نعمت پر اپنے آپ کو غنی نہ سمجھا وہ ہم میں سے نہیں۔تمہیں اللہ نے قرآن مجید دیا اور تم پھر بھی خود کو غنی نہیں سمجھتے۔یہ مالداری کیا چیز ہے؟ ہم لوگ تو بہت سے پیسوں اور بہت سے ظاہری چمک دمک کو مالداری سمجھتے ہیں، حالانکہ غنٰی اور مالداری درحقیقت دل کی خوشی اور طمأنینت کو کہتے ہیں۔" تونگری بدل است نہ بمال "۔اگر ایک آدمی کے بہت سے کارخانے اور باغات ہوں لیکن وہ پریشان ہو تو اُس سے اِس کا کیا فائدہ......؟

ایک بڑے نواب کے بیٹے کا ذلت آمیز واقعہ:

صوبہ سرحد کے ایک گورنر تھے۔شاید ابھی بھی زندہ ہوں گے، وہ بہت بڑے نواب ہیں۔مردان میں ان کے اسی گاؤں ہیں لیکن اس کا بیٹا امریکہ میں ہیروئن پوڈر کی خرید و

فروخت میں گرفتار ہوا اور پندرہ سال کے لیے قید ہوا۔مجھے ایک ساتھی نے بتایا کہ میں نے اس لڑکے سے کہا کہ اورنگزیب خان! آپ کی تو اتنی قیمتی جائیداد ہے کہ صرف دس جریب بھی فروخت کردیں اور زندگی بھر کھاتے رہیں تو پھر بھی ختم نہ ہو، تم کیوں ہیروئن بیچتے ہو؟ وہ کہنے لگا: کہ ہم بھی اپنے لیے سیر آٹا کماتے ہیں۔

راحت اور چین دین میں ہے، دنیا میں نہیں:

یہ قاعدہ ہے کہ دنیا کا بھوکا کبھی دنیا سے سیر نہیں ہوتا۔ہمیں قرآن کریم کی دولت سے جو سکون واطمینان حاصل ہے، خدا کی قسم! وہ کسی دولتمند کو حاصل نہیں۔تکبر کی شکل میں نہیں کہتا، تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہتا ہوں۔اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ لوگ بہت پریشان رہتے ہیں۔ساری رات حساب کرتے رہتے ہیں ان کو نیند ہی نہیں آتی۔نیند کی گولیاں کھاتے ہیں۔ایسی دولت کے ساتھ کیا کروگے کہ غسل خانے میں جاتے ہوئے بھی ساتھ موبائل لیجاتے ہیں۔ان سے تو آپ کی زندگی میں سکون زیادہ ہے۔اگر آپکا بچہ نیک ہو اور اس کے ساتھ دس روپے بھی جیب میں ہوں تو وہ اس کے لیے بہت ہیں اور اگر بدچلن ہو تو سو روپے ملنے پر بھی ناراض ہوگا۔یہ سکون اور دل کی خوشی قرآن کریم کی تعلیم میں ہے۔اگر آدمی کا اللہ تعالیٰ کی ذات اور قیامت کے دن پر یقین ہو، جو قرآن سکھاتا ہے۔تو اس کو دنیا کی زندگی کھیل تماشہ نظر آئے گی اور جو کچھ اللہ نے دیا ہوتا ہے وہ اُسی پر راضی ہوگا، اور جس کا یہ عقیدہ نہ ہو تو اس کی زندگی اجیرن ہوگی۔پاکستان میں ان لیڈروں کے جھگڑے کس بات پر ہیں؟ افغانستان کے حکمران کس بات پر لڑ جھگڑ رہے ہیں؟ قسم سے کہتا ہوں کہ یہ سب صرف پیٹ کی خاطر ہے۔اگر ان کا آخرت پر یقین ہوتا اور یہ یقین ہوتا کہ کل قیامت کے دن اللہ

تعالیٰ ہم سے پوچھے گا، تو کوئی امارت خود قبول نہ کرتا اس لیے کہ امارت تو بہت بڑی مصیبت ہے۔ کوئی خود اپنے سر غم نہیں لینا چاہتا۔ حضور پاک ﷺ سے جس نے امارت چاہی تو آپ ﷺ نے منع فرمایا لیکن بات یہ ہے کہ ان لوگوں کیساتھ آخرت کی فکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہونے کا ڈر نہیں۔ اگرچہ یقین ہے لیکن اتنا کمزور کہ وہ ان پر اثر انداز نہیں ہو رہا۔

''سکھ مسلمان'' کا دلچسپ واقعہ:

اس سے متعلق ایک واقعہ یاد آیا۔ ہندوستان کے ایک عالم سے سنا کہ وہ بچپن میں -جبکہ پاکستان اور ہندوستان اکٹھے تھے- والد صاحب کے ساتھ امرتسر گیا ہوا تھا۔ جب وہاں سے واپس جا رہے تھے تو چونکہ اس زمانے میں گاڑیاں کم ہوا کرتی تھیں اس لیے پیدل جا رہے تھے۔ میں (حضرت شیخ) خود بھی ہندوستان گیا ہوں۔ وہاں گاڑیاں بہت کم ہوتی ہیں۔ دہلی جیسے بڑے شہر میں پشاور جتنی گاڑیاں بھی نہیں ہوں گی۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم پیدل جا رہے تھے، اتنے میں شام ہوگئی اور سورج ڈھلنے لگا اور گاؤں بھی کافی دور تھا۔ مجھے والد صاحب کہنے لگے کہ چلو اگر دیر ہوگئی اور گاؤں نہیں پہنچ سکے، تو راستے پر ایک گاؤں میں ''سکھ مسلمان'' کا گھر ہے وہاں رات گزار لینگے۔

میں نے پوچھا: اباجان سکھ مسلمان کا کیا مطلب؟ فرمایا: یہ تو خدا ہی جانے، مگر لوگ اس کو ''سکھ مسلمان'' ہی کہتے ہیں۔ ہم وہاں پہنچے تو دیکھا اس گاؤں میں ایک بہت بڑا حجرہ تھا۔ وہاں داخل ہوئے تو سامنے ایک سکھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی لمبی داڑھی اور بڑی پگڑی تھی۔ ہمیں دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ تو مسلمان علماء ہیں۔ ہمیں بہت عزت اور احترام کیساتھ ٹھکانہ

دیا، کھانا کھلایا۔ جب صبح ہم رخصت ہونے لگے تو والد صاحب نے پوچھا کہ سردار جی۔ وہاں سکھوں کو سردار جی کہتے ہیں جس طرح ہم پٹھانوں کو خان کہا جاتا ہے اگر ان کے گھر میں گدھا بھی نہ ہو تو پھر بھی وہاں ان کو خان کہتے ہیں۔ آپ سکھ ہیں یا مسلمان؟ اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا کہ میں سکھ ہوں۔ پھر والد صاحب نے پوچھا کہ آپ کو ''سکھ مسلمان'' کیوں کہا جاتا ہے؟ کہنے لگا: قرآن مجید کی وجہ سے۔ واقعہ کچھ یوں پیش آیا کہ میں اس گاؤں میں رہ رہا تھا مگر غریب تھا۔ محنت مشقت سے روزی کماتا تھا۔ میرا ایک مسلمان پڑوسی تھا ہم دونوں اکٹھے مزدوری کرنے جایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ کہنے لگا میں تو بڑی مصیبت میں ہوں کیونکہ کمائی کم ہے اور خرچ زیادہ، اس لیے میں دوسرے گاؤں جانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا میں بھی آپ کے ہمراہ وہاں آجاؤں گا۔ تم جا کر جگہ تلاش کرلو۔ وہ چلا گیا اور سامان کے ساتھ اپنے کمرے کا دروازہ بھی لے گیا۔ چونکہ گھر کا دروازہ تو پہلے ہی سے نہیں تھا، اس لیے ایک دن میری بیوی اُس کے گھر گئی اور کمرے کے اندر جھانکا، تو دیکھا کہ طاقچہ میں کوئی چیز پڑی ہوئی ہے۔ عورتیں چونکہ بزدل ہوا کرتی ہیں اور ڈرا کرتی ہیں اس لیے وہ جلدی جلدی گھر واپس آکر مجھ سے کہنے لگی کہ ہمارے پڑوسیوں سے تو کوئی چیز رہ گئی ہے۔ میں نے جا کر دیکھا تو بوسیدہ کپڑے میں مٹی اور گرد سے اٹی ہوئی ایک کتاب ہے۔ میں نے جب اُسے پاک صاف کر کے دیکھا تو وہ قرآن مجید تھا۔

یہ دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا اور بیوی سے کہا کہ یہ تو مسلمانوں کی مذہبی کتاب ہے۔ یہ اس سے کیسے رہ گئی ہے؟ گھر آکر اس کو خوب پاک صاف کیا چوما اور بیوی سے کہا کہ اگر کوئی رومال ہو تو جا کر لاؤ، اس میں باندھ لیتے ہیں۔ اس احترام اور تعظیم کی وجہ سے

میرے دل میں خوشی اور فرحت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ گویا خوشی کی ایک ہوا چلی اور دل اتنا خو
و مطمئن ہوا کہ میں اس کو بیان نہیں کرسکتا۔ بیوی بچے بھی میری طرح بہت خوش ہوئے۔ گ
میں ایک نحیف اور کمزور سی گائے تھی جو پاؤ، ڈیڑھ پاؤ دودھ دیتی تھی۔ اُس رات کو اُس
بھی دو ڈھائی کلو دودھ دیا۔ بیوی کہنے لگی یہ کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا یہ اس کتاب کی برک
ہے۔ ﴿من كان يريد الحيوة الدنيا وزينتها نوف اليهم أعمالهم فيها، وهم
فيها لا يبخسون ٥﴾ [سورة هود /١٥]. جب کوئی کافر نیک عمل کرتا ہے تو اس کو د
میں ہی اس کی جزا دے دی جاتی ہے۔

وہ سکھ کہنے لگا کہ پھر جب بھی میں کوئی کام کرنے جاتا تو اس مبارک کتاب کو چوم
گھر سے نکلتا۔ پھر جلد ہی مزدوری بھی مل جاتی۔ میں نے اتنی مزدوری کرلی، اتنا کچھ کمایا ک
اس گاؤں کی ساری زمین میں نے خریدلی۔ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں یہ اس کتاب ک
برکت ہے۔ میری برادری کے لوگوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ مجھے ''سکھ مسلمان'' کہہ ک
پکارنے لگے۔ پھر والد صاحب نے کہا: ہمیں وہ قرآن کریم دکھادو۔ سکھ لوگوں میں پر
کا رواج نہیں، اس لیے وہ ہمیں گھر کے اندر لے گیا۔ جا کر دیکھا تو وہاں خوبصورت رحل او
خوبصورت غلافوں کے اندر قرآن کریم کو چھپا کر رکھا تھا۔ ہمارے اُستاد صاحب کے وال
صاحب نے بھی اس کو چوما اور کہا کہ یہ تو بہت پرانا نسخہ ہے یہ مجھے دے دو، میں تجھے
قرآن کریم دے دونگا۔ وہ کہنے لگا نہیں، میں اس نسخہ کو بدلنا نہیں چاہتا۔

سکھ اور مسلمان:

جب ایک سکھ جسکا اس پر ایمان بھی نہیں، صرف احترام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ن

اس کی دنیا بنادی۔ تو مسلمان، جو اس پر ایمان بھی رکھتا ہے۔ اس کو دنیا میں کیسے محروم رکھے
گا؟ اور دنیا ہے کیا چیز؟ اس لیے دل میں کبھی بھی یہ کھٹکا نہ لاؤ کہ میرا بیٹا علم دین حاصل کرکے
کیا کھائے گا؟ آپ کے بیٹے کو خدا تعالیٰ ایک دولت نصیب فرمائیں گے، دل کا غنی اور
سکون واطمینان۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ودیعت کر رکھی ہیں۔ تو اعجاز
قرآن کی پہلی دلیل اس کا محفوظ ہونا ہے۔

قرآن کریم کے رسم الخط کے محفوظ ہونے کے چند نمونے:

آپ بسم اللہ میں یہ بؔ اور سؔ کو دیکھ رہے ہیں جو آپس میں ملے ہوئے ہیں یہ قاعدہ
کے موافق نہیں قاعدہ کے مطابق بؔ اور سؔ کے درمیان الف ہے، لیکن چونکہ حضور ﷺ کے
زمانہ میں بؔ اور سؔ اکٹھے لکھے گئے تھے اس لیے یہ قیامت تک ایسے ہی رہیں گے۔ قرآن کی
ایک اور سورت ''اقراء باسم ربک الذی خلق'' میں الفؔ لکھا گیا تھا اس لیے وہاں
لکھا ہوا ہوگا۔

اس سؔ میں دو دانت ہیں اگر کوئی اس طرح نہیں لکھتا تو یہ غلط ہوگا، اس لیے کہ
آپ ﷺ کے زمانہ میں یہ اسی طرح لکھے گئے ہیں۔ مؔ میں سوراخ بنا ہوا ہے۔ اسی طرح
اللہ کے نام کے آخر ہؔ میں دائرہ سا ہے، رحمٰن کے مؔ میں خالی جگہ ہے، اسی طرح رحیم
کے مؔ میں بھی، اگر کوئی اس طرح نہ لکھے تو وہ غلط ہوگا۔ رحمٰن میں مؔ اور نؔ اکٹھے لکھے جاتے
ہیں۔ ماؔ نہیں لکھا جاتا کیونکہ یہ سب کچھ آپ ﷺ کے زمانہ سے ایسے ہی لکھے گئے
ہیں۔ سورۃ بقرۃ میں حضرت ابراھیم کا نام آیا ہے جسکے نیچے نقطے نہیں لکھے جاتے، صرف کھڑی
زیر ہے جبکہ باقی سب جگہ قرآن میں اس کے نیچے نقطے ہیں۔ ایک ہی نام ہے جو ایک جگہ

ایک طرح سے جبکہ دوسری جگہ دوسری طرح سے لکھا ہوا ملے گا۔

''مالِ ھذا الکتاب ''میں ''مال'' کی طرح مال لکھا گیا ہے حالانکہ لام جارہ ھذا کیساتھ لکھا جانا چاہیے تھا (یعنی یوں ہونا چاہیے تھا ''مالھذا الکتاب '') لیکن چونکہ حضور ﷺ کے زمانہ سے اسی طرح لکھا گیا ہے۔ اسلئے یہ ویسے ہی لکھا جائے گا۔

اعجاز قرآن کی دوسری نشانی:

اعجاز قرآنی کی دوسری نشانی بتاتا چلوں، جس کو آپ بھی سمجھتے ہیں۔ یہ اس قرآن مجید کی خوش الحانی ہے۔ ابھی اس چھوٹے سے بچے کی تلاوت آپ نے سن لی۔ اللہ کی قسم! ایک طرف ایک خوش آواز قاری تلاوت کرے اور پھر وہی قاری نعت بھی پڑھے۔ حالانکہ نعت ہماری اپنی زبان میں ہو، ہم اس کو سمجھ بھی رہے ہوں، لیکن قرآن کریم میں جو ردھم اور ساز ہے، جو ترنم، خوش آوازی اور مزہ ہے وہ نعت میں کہاں۔

قرآن کریم کی تلاوت سُن کر فرانس کے ایک موسیقار گروپ کا مسلمان ہونا:

مدینہ منورہ میں ہمارے ایک استاد صاحب تھے۔ وہ فرانس سے ایک ماہ کے لیے آیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کلاس میں انہوں نے ہمیں سنایا کہ آج کل پیرس میں گلوکاروں اور موسیقاروں کا ایک گروپ مسلمان ہوا ہے۔ میں نے اخبار میں یہ خبر پڑھی، تو حیران رہ گیا کہ کہاں فرانس، کہاں موسیقار اور کہاں اُن کا مسلمان ہونا؟ ان یورپی ممالک میں فرانس اتنا بے حیا ملک ہے کہ راستوں اور گلیوں میں مرد عورت اس طرح باتیں اور حرکتیں کر رہے ہوتے ہیں گویا یہ مرغیاں ہیں، یا گدھے، کتے اور بلیاں ہیں۔ یہ لوگ بالکل انسانیت اور حیا سے عاری درختوں کے نیچے جگہ جگہ پارکوں میں اور سڑکوں کے کنارے پڑے رہتے ہیں۔

ایسے گندے معاشرے کے موسیقار کیسے ہونگے؟ آپ خود اندازہ کرسکتے ہیں۔

تو استاد محترم نے کہا کہ مجھے تعجب ہوا اور اخبار سے ایڈریس لکھ لیا کہ میں ان سے بھی ملنا چاہتا ہوں کہ یہ کیسے مسلمان ہوئے ہیں۔ میں اس ایڈریس کے مطابق ان کے دفتر پہنچا اور ان کے ساتھ ملاقات کی پھر میں نے ان سے پوچھا کہ میں ایک بات معلوم کرنے کے لیے آپکے پاس آیا ہوں اور وہ یہ کہ آپ کے بارے میں اخبارات میں چھپا ہے کہ آپ لوگ مسلمان ہوئے ہیں آیا یہ خبر درست ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ: ہاں! ہم مسلمان ہوئے ہیں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کیسے؟ کیا کوئی تبلیغی جماعت آپ کے پاس آئی تھی؟ انہوں نے کہا کہ نہیں! ہم تو تبلیغ اور تبلیغ والوں کو نہیں جانتے۔ میں نے پوچھا: کہ پھر کسی کتاب کا مطالعہ کیا ہے؟ یا کہیں اسلامی دنیا کا دورہ کیا ہے؟ اصل وجہ بتائیں۔

وہ کہنے لگے کہ ہم قرآن مجید کے سننے سے مسلمان ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کیسے؟ وہ کہنے لگے کہ ایک دن ہم نے اپنا ریڈیو آن (ON) کیا تو اچانک ایک اسٹیشن سے لگ گئی وہاں قرآن مجید کی تلاوت ہو رہی تھی۔ ہم نے اس کو کان لگا کر سننا شروع کیا تو اس میں ایک عجیب لطف تھا۔ ہم نے کیسٹیں منگوائیں اور اسے سننا شروع کیا۔ اسے سمجھتے تو نہ تھے لیکن بہت مزہ آتا تھا۔ پھر ہم نے سوچا کہ اس تلاوت کو موسیقی کی سُروں اور ساز کے موافق ڈھال دیں۔ تو ہم نے بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ اس وقت دنیا میں اٹھائیس سو (۲۸۰۰) زبانیں بولی جاتی ہیں۔ وہ کہنے لگے جس زبان میں کوئی گیت یا غزل گائے، ہم اس کو ساز میں تبدیل کرسکتے ہیں۔ چاہے اُس زبان کو ہم سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں۔ قرآن کریم کا مزا سب سے زیادہ اور عجیب تھا لیکن وہ ساز میں نہیں بدل رہا تھا (حضرت شاہ ولی اللہ

نے الفوز الکبیر میں لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کی ہر زبان میں موسیقی کے قواعد وضوابط ہیں جسکے
اشعار میں لطف پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں کسی زبان کے اشعار کے قواعد وضوابط کی رعایت نہیں
پھر بھی اس کے پڑھنے اور سننے میں انتہائی لطف ہے۔ (ذاکر حسن) ہمیں یقین ہوگیا کہ یہ انسان
باتیں نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ وہ اس فن کے ماہر تھے اس لیے آسانی سے یہ بات
گئے۔

خروشیف کا قاری عبدالباسط سے قرآن سن کر رُو پڑنا:

ایک مرتبہ میں سعودی عرب میں تھا۔ اُس وقت مصر کے روس کے ساتھ روابط
تھے اور روس ایک ایسا بے وفا ملک ہے کہ جس نے بھی اُسکے ساتھ دوستی کی اس کو پہلے
کیا۔ افغانستان اُن کا بہت دوست ملک تھا تو اُس کو خوب برباد کیا۔ ابھی تک انکی بر
جاری ہے۔ اسی طرح مصر کی ان کیساتھ دوستی تھی تو اس کو بھی برباد کیا۔ ان دنوں مصر کا
''جمال عبدالناصر'' تھا اور روس کا وزیر اعظم خروشیف۔ ایک دفعہ روس سے
آدمیوں کا وفد مصر کے دورہ پر آیا تھا، وزیر اعظم بھی ساتھ تھا (یہ واقعہ مجھے مشہور قاری
عبدالباسط نے سنایا وہ لاہور بھی آئے تھے اور یہاں بھی، ایک مجلس میں انہوں نے یہ
سنایا تھا کہ) مصری حکومت نے ان کی دعوت کی اور میں بھی اس دعوت میں شریک تھا۔
کھانا کھایا گیا تو جمال ناصر نے خروشیف سے کہا کہ آپ کی اجازت ہو تو ہم آپکو ایک
سنانا چاہتے ہیں۔

روس وغیرہ ممالک میں کھانے کے بعد ساز گانے کی مجلس ہوا کرتی ہے۔
خیال تھا کہ شاید کوئی مشہور گویا گانا سنائے گا۔ جمال ناصر نے قاری عبدالباسط کو اشارہ

تلاوت شروع کرو۔ قاری صاحب نے کہا کہ مجھے پہلے سے کچھ معلوم نہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ
یہ تو کافر لوگ ہیں یہ قرآن کیا سنیں گے۔

بہر حال میں کھڑا ہوگیا اور سورہ طٰہٰ شروع کی ﴿ طٰهٰ ٥ ما انزلنا عليك
القران لتشقىٰ ٥ الا تذكرة لمن يخشىٰ .... الخ ﴾ میں نے دل میں کہا کہ آج
ان کو قرآن کا مزا دکھاؤں۔ پھر اس طرح مزے سے پڑھنا شروع کیا کہ خود مجھے بھی رونا
آ گیا۔ چند آیات ہی پڑھی تھیں کہ میری ہچکی بندھ گئی اور آگے نہ پڑھ سکا۔ دیکھا تو جمال ناصر
بھی رو رہا تھا اور خروشیف بھی۔ جمال ناصر نے خروشیف سے کہا کہ ہماری تو یہ مذہبی کتاب
ہے۔ ہم اس کے معانی کو سمجھتے ہیں اس لیے رو دیے۔ آپ کیوں روئے؟ اس نے کہا کہ اس
طرح کا کلام میں نے کبھی نہیں سنا۔ آپ کو متاثر دیکھا تو مجھے بھی بے اختیار متاثر کر گیا۔ یہ مزہ
آپکو کسی کتاب میں نہیں ملے گا۔

اعجاز کی تیسری نشانی، اس کے لامتناہی علوم:

تیسری صفت یہ ہے کہ دنیا جہاں کی کسی کتاب میں اتنا علم نہیں جتنا قرآن شریف
میں ہے۔ یہ بھی قرآن پاک کا اعجاز ہے۔ قرآن کریم میں کتنے علوم ہیں؟ اور کتنے مسائل
ہیں؟

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے الفوز الکبیر میں آسانی کی خاطر بیان کیا ہے
کہ قرآن میں کل پانچ علوم ہیں: علم المخاصمہ، علم الاحکام، اور تذکیرات ثلاثہ۔ جلال الدین
سیوطیؒ نے الاتقان میں لکھا ہے کہ اس میں اسی (٨٠) علوم ہیں اور ہر علم کے تحت اتنے اتنے
مسائل ہیں۔ شیخ ابوبکر بن العربیؒ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ستر ہزار (٧٠٠٠٠) علوم ہیں

اور ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ قرآن مجید میں اس سے بھی زیادہ علوم ہیں لیکن ہر
نے اپنے اپنے علم کے مطابق لکھا ہے۔

قرآن کریم سے مستنبط مسائل:

قرآن کریم سے کتنے مسائل کا استخراج ہوا ہے؟ تو فقہ حنفی میں بارہ لاکھ
ہزار (۱۲۷۰۰۰۰) مسائل ہیں۔ یہ قرآن کریم، حدیث اور اقوال ائمہ سے مستنبط ہیں
"جمیع ما یقوله الائمه شرح للسنة، وجمیع ما یقوله السنة
للقرآن" صرف فقہ حنفی کے اتنے مسائل ہیں کہ اگر آپ اس کو دیکھنا چاہتے ہیں، تو
دیکھنا مشکل ہے۔ ان کے ایک شاگرد امام محمدؒ کی چھ کتابیں ہیں: جامع صغیر، جامع
زیادات، مبسوط، سیر صغیر اور سیر کبیر۔ صرف مبسوط آجکل سولہ (۱۶) جلدوں میں موجود
جسے مجھ جیسا کمزور آدمی تو اُٹھا بھی نہیں سکتا اور ان کے زمانہ کے دوسرے فقہاء نے ایک
مسائل مستنبط کیے ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

آپ کے دل میں شبہ آئے گا کہ قرآن کریم کی تو چند معلوم آیات ہیں۔
ساتھ موجود نسخے میں چھ ہزار، چھ سو، بتیس (۶۶۳۲) آیات ہیں۔ اس سے اتنے
کیسے مستنبط ہو سکتے ہیں......؟

تو اس کا جواب دو صحابہ کرام سے سن لو۔ ایک ہیں حضرت علی المرتضیٰؓ۔ آپ
منبر پر سوال کیا گیا جو بخاری میں مروی ہے۔ آپؓ عجیب وغریب مسائل اور باتیں
فرمایا کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں شیعہ لوگ پیدا ہوئے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ مسائل

اِن کو حضور ﷺ نے سکھائے ہیں کسی اور کو نہیں سکھائے ہیں۔ جب آپؓ سے کسی نے پوچھا، تو
آپؓ نے فرمایا: نہیں! افهم اوتی رجل فی کتاب الله، یہ تو اللہ نے اپنی کتاب کا فہم دیا
ہے۔ جس کے ذریعہ قرآن سے مسئلہ معلوم کر لیتا ہوں۔

حضرت ابن عباسؓ کا فہم قرآن:

دوسرے صحابی حضرت ابن عباسؓ ہیں۔ جو حضور پاک ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں
اور آپ ﷺ کی وفات کے وقت انکی عمر صرف بارہ (۱۲) برس تھی۔ ایک دن آپ ﷺ
حضرت میمونہؓ کے گھر میں تھے اور حضرت میمونہؓ، ابن عباسؓ کی خالہ ہیں۔ آپ ﷺ رفع
حاجت کرنے گئے تو انہوں نے لوٹا بھر کر سامنے رکھ دیا۔ جب آپ ﷺ باہر نکلے تو پوچھا یہ
کس نے رکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس بچے نے۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے قریب
کیا، گلے لگایا اور دعا دی (غالباً اس وقت آپ کی عمر بارہ سال سے بھی کم تھی۔ ذاکر حسن) اللهم
علمه الکتاب والحکمة. یا اللہ اس کو اپنی کتاب کا علم دے دے اور دین کی سمجھ عطا کر۔

ہر مسئلہ قرآن سے معلوم کر سکتا ہوں:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی دعا کی برکت ہے کہ میرے جوتے
کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کا حل بھی میں قرآن کریم سے معلوم کر لیتا ہوں۔ میری اونٹنی کا مہار
ٹوٹ جائے تو میں اس کا علاج بھی قرآن سے معلوم کرتا ہوں۔ مجھ سے کوئی جس بات کا
سوال بھی کرے تو میں جواب قرآن سے دے سکتا ہوں۔

کسی نے کہا: آپ ﷺ کی عمر قرآن کریم سے معلوم کر سکتے ہو کہ وہ تریسٹھ (۶۳)
برس تھی۔ بظاہر تو یہ قرآن کریم میں نہیں ہے لیکن آپؓ نے فرمایا کہ ہاں! یہ سورۃ تغابن سے

معلوم کیا ہے۔ ایک مرتبہ تلاوت کر رہا تھا کہ اس سورت کے نام کی طرف توجہ گئی۔ تـغـابُـن کہتے ہیں نقصان، غم اور ماتم کو۔ ﴿ذٰلک یومُ التغابُن ﴾ یہ غم کا دن ہوگا۔ نقصان، ماتم اور زیاں کا دن ہوگا۔

میں نے سوچا کہ اس سورت کو غم کے دن کا نام کیوں دیا گیا؟ پھر میں نے سوچا کہ ماتم تو تب کیا جاتا ہے جب پہلے کوئی مصیبت پیش آئی ہو۔ اس لیے اس سے پہلی والی سورت دیکھ لوں کہ وہاں کونسی مصیبت کا تذکرہ ہے۔ اس سے پہلے سورہ منافقون ہے۔ جب سورہ تغابن کو دیکھا تو یہ چونسٹھ (۶۴) نمبر کی سورۃ ہے میں نے سوچا کہ چونسٹھ واں سال اُمت میں غم کا سال ہوگا۔ سورہ منافقون کے آخر میں یہ آیت ہے۔ ﴿ولن یؤخر اللّٰہ نفساً اذاجآء اجلھا واللّٰہ خبیر بما تعملون o ﴾[سورۃ المنافقون/ ۱۱] میں سمجھ گیا کہ یہ تو اس عظیم ہستی کی طرف اشارہ ہے، جو تریسٹھ سال کی عمر میں اجل کا سامنا کرے گی۔ یہ ''الا فھم اوتی رجل فی کتاب اللّٰہ'' ہے۔

قرآن کریم سے حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کو معلوم کرنا:

ایک مجلس میں کسی نے پوچھا: حضرت! آپؒ قرآن کریم سے امیر معاویہؓ کی حکومت کو معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ بادشاہ بنیں گے۔ یہ تو بعد کے واقعات ہیں۔ وہ ۴۰ھ میں بادشاہ بنے تھے۔ فرمایا: میں نے معلوم کیا ہے کہ ان کو بادشاہی ملے گی۔ ابھی تک وہ بادشاہ بنے بھی نہ تھے۔ پوچھا وہ کیسے؟

فرمایا سورہ اسراء سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ جب عادل خلیفہ حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اور وہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں۔ یاد رکھو! حضرت عثمان کیساتھ حضرت حسینؓ سے بڑا

ظلم ہوا لیکن حضرت حسینؓ کی تشہیر شیعہ لوگ کرتے ہیں اور حضرت عثمانؓ کی تشہیر نہیں ہوئی۔ ان کے نام کی پارٹی نہیں۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ جو پارٹی بناتے ہیں وہ کیا کچھ نہیں کرتے۔ لیڈر کو خوب پروان چڑھاتے ہیں۔ امام انقلاب، رہبر شریعت وطریقت یعنی عام آدمی بھی انذر سے انذر گل بن جاتا ہے (انذر پشتو میں انجیر کو کہتے ہیں۔ نام صرف انذر ہوتا ہے، اس کو بڑھاتے چڑھاتے اس کے نام کے ساتھ گل لگا دیتے ہیں۔ تو انذر گل بن جاتا ہے۔ انجیر کا پھول آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ انجیر کے پھول کے نظر نہ آنے کی وجہ سے عجیب وغریب انسان کو انذر گل کہتے ہیں۔ حالانکہ علم نباتات Botony کے مطابق انجیر کا پھل پھول ہی ہوتا ہے لیکن یہ ہمیشہ پھل کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ذاکر حسن) یقیناً وہ ہمارے سردار ہیں، شہید ہیں لیکن حضرت عثمانؓ کیساتھ اُن سے بھی زیادہ ظلم ہوا ہے۔ حضرت حسینؓ تو میدان جنگ میں نکلے اور میدان جنگ میں دوسروں کو قتل کیا جاتا ہے یا خود شہید ہو جاتا ہے، جبکہ حضرت عثمانؓ تو اپنے گھر میں مصلے پر بیٹھے تلاوت میں مشغول تھے کہ ظالموں نے گھر کے پیچھے سے سوراخ کیا اور آکر قرآن کے اوپر ذبح کر دیا۔ وہ قرآن کریم آپؓ کے خون سے خون آلودہ، روس کے عجائب گھر میں آج بھی پڑا ہوا ہے۔ پہلے پارے کی آخری آیات تلاوت کر رہے تھے ﴿فسیکفیکھم اللّٰہ وھو السمیع العلیم o صبغۃ اللّٰہ ومن أحسن من اللّٰہ صبغۃً ونحن لہ عبدون o ﴾[سورۃ البقرۃ/ ۱۳۸]. اب بھی یہ محفوظ پڑا ہوا ہے۔ آپؓ کی بی بی دوڑتی ہوئی آئی اور خنجر کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کی تو ان کی انگلیاں بھی کاٹ ڈالیں۔

یہ ظلم اس ظلم سے زیادہ ہے۔ جو تلوار آپؓ کی موت پر نیام سے باہر نکلی وہ قیامت

تک واپس نیام میں نہیں جائے گی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد
حضرت علیؓ ومعاویہؓ آئے اور دونوں دعویدار تھے۔ میں ایک مرتبہ تلاوت کر رہا تھا مجھے اس
سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ غلبہ پائیں گے۔ ﴿ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ
سُلطٰناً، فلا یُسرفْ فی القتل انہ کان منصوراً٥﴾[سورۃ الاسراء /۳۳] جو ظلم
سے مارا جائے، میں اس کے قریب ولی کو سلطنت وغلبہ دونگا۔ آیت کا اصل معنی دوسرا ہے
لیکن آپؓ نے اس سے یہ معلوم کیا کہ حضرت عثمانؓ شہید مظلوم ہیں اور ان کے قریبی رشتہ دار
حضرت معاویہؓ ہیں۔ اس لیے سلطنت ان کو ملے گی۔ اسی طرح سے ہوا اور ان کو بادشاہت
مل گئی۔ امن وامان سے بادشاہی کی اور ہمارا صوبہ سرحد بھی انہوں نے فتح کیا تھا۔

حضرت سنان بن سلمہ بن محبقؓ کی فتح پشاور:

پشاور حضرت سنان بن سلمہؓ بن محبق نے فتح کیا تھا۔ پشاور شہر سے شمال کی طرف
اصحابؒ بابا کے نام سے ان کی قبر مشہور ہے۔ ان کو حضرت معاویہؓ نے ہی بھیجا تھا۔ بنوں اور
ڈیرہ اسماعیل خان پہلے فتح ہو چکے تھے۔ پھر بغاوت پھیل گئی ۴۵ھ میں، تو خوست اور
پکتیا کے راستے مسلمان مجاہدین آئے، بنوں اور ڈیرہ کے اس جانب خوشحال گڑھ کا علاقہ فتح
کیا، پھر کوہاٹ اور پشاور کا علاقہ فتح کیا۔ پشاور کا پرانا نام ہے "بدھیا" یعنی بدھ پرست
لوگوں کا شہر۔ پھر اس کا نام "پیشہ ور" ہوا یعنی تاجروں کی جگہ۔ پھر سوات، دیر، باجوڑ کے
علاقے والے سب لوگ مشرک اور بت پرست تھے۔ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ مٹہ کے
کے علاقہ میں جنگ ہوئی، جسمیں انکے ۳۴ ساتھی شہید ہوئے۔ ایک یہ صحابیؓ اور دوسرے ان
کے دیگر ساتھی ہیں۔ یہ سب ایک ہی جگہ مدفون ہیں۔ حضرت معاویہؓ کا ہم پر یہ عظیم احسان

ہے اس لیے کہ پشاور حضور ﷺ کی وفات سے ۳۵ سال بعد ان کے دور میں فتح ہوا۔

قرآن کریم میں گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کی طرف اشارہ:

یہ قرآن مجید کے اشارے ہیں۔ ہمارے ایک استاد سے کسی نے پوچھا کہ حضرت
ان گاڑیوں اور جہازوں کی طرف بھی کوئی اشارہ قرآن میں ہے؟ فرمایا: ہاں! کیوں نہیں
ارشاد ہے ﴿ والخیل والبغال والحمیر لتر کبوھا وزینۃ، ویخلق ما لا
تعلمون٥ ﴾[سورۃ النحل /۸] اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا
کیے ہیں اور ایسی چیزیں پیدا کرے گا جو تم نہیں جانتے۔ تو جانوروں میں تو کوئی نیا جانور پیدا
نہیں ہوا۔ لہذا انہیں نت نئی گاڑیوں کی طرف اشارہ ہے۔

قرآن کریم کی بعض مفصل تفاسیر:

یہ قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ قرآن کے علوم کی کوئی انتہا نہیں۔ قرآن کریم کی جو
تفاسیر لکھی جا چکی ہیں، تو سو (۱۰۰) جلدوں والی تفاسیر تو کئی ساری ہیں۔ امام طحاویؒ نے
سو (۱۰۰) جلدوں میں تفسیر لکھی ہے۔ امام غزالیؒ نے یاقوت التاویل فی اسرار
التنزیل کے نام سے تفسیر لکھی ہے جو پانچ سو (۵۰۰) جلدوں میں ہے۔

امام ابن العربیؒ نے "حدائق ذات بھجۃ" کے نام سے ایک
ہزار (۱۰۰۰) جلدوں میں تفسیر لکھی ہے۔ ۵ جلدیں صرف بسم اللہ کے معنی پر لکھی گئی ہیں اور
بیس جلدیں سورہ فاتحہ پر۔ قرآن شریف کے ایک صفحہ پر ایک عالم پچیس (۲۵) جلدیں لکھتا
ہے تو اس کے علوم کا حساب خود لگائیے۔ ایک تفسیر ہے "الاستغناء"، ایک ہزار (۱۰۰۰)
جلدوں میں ہے۔ ایک تفسیر ہے تفسیر علوی، یہ بھی ایک ہزار (۱۰۰۰) جلدوں میں ہے۔ شیخ

محمد بن عبدالوھاب نے دولاکھ (۲۰۰۰۰۰) اشعار میں قرآن کا ترجمہ لکھا ہے۔

توراۃ کی مفصل ترین تفسیر:

توراۃ کی ایک تفسیر ہے طالموت، یہ نو (۹) جلدوں میں ہے اور اس کی شرح ہے ''مصناح''، یہ تیئیس (۲۳) جلدوں میں ہے۔ اس سے بڑی شرح کوئی نہیں جبکہ قرآن کریم کی ۱۰۰۰ جلدوں میں کئی تفاسیر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے علوم کا کوئی اندازہ نہیں اس لیے کہ اس کے بھیجنے والی وہ ذات ہے جس کے علوم لامتناھی ہیں۔ (انزلهٗ بعلمه اللہ نے اس کو اپنی علم کے مطابق نازل کیا ہے۔ ذاکر حسن) ہر آدمی اپنے علم کے مطابق کتاب لکھتا ہے اور قرآن کے بھیجنے والے کے علوم لامتناھی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے علوم بھی لامتناھی ہیں اور یہی اس کے معجزہ ہونے کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قرآن پر ہمیں اور آپ کو عمل کرنے کی توفیق بخشے اور جن بچوں نے قرآن حفظ کیا اللہ تعالیٰ ان کو علماء بھی بنادے اور اس مدرسہ کو آباد رکھے اور ہدایت واصلاح کا ذریعہ بنائے۔

سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العالمین.

سیرت کے جلسے

اور اِن کے تین بڑے مقاصد

سُبْحَانَکَ لَاعِلْمَ لَنَااِلَّامَاعَلَّمْتَنَااِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ٥

نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِیَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا، وَسَنَدَنَا، وَحَبِیْبَنَا، وَشَفِیْعَنَا، وَرَحْمَتَنَا، وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصّٰلحون ٥ ان فی هٰذا لبلٰغاً لقوم عابدین ٥ وما ارسلنک الا رحمةً للعالمین ٥

[سورة الأنبياء /۱۰۷]

صدق اللہ مولنا العظیم.

درود شریف پڑھیئے:

اللھم صل علیٰ سیدنا ونبینا محمد وعلیٰ اٰل سیدنا ونبینا محمد وبارک وسلم علیہ.

محترم صدر مجلس اور میرے قابل قدر بھائیو اور دوستو!

اس مجلس میں مجھ سے پہلے میرے بزرگ اور علماء کرام حضور اکرم ﷺ کی سیرت مطہرہ پر مختلف زاویوں سے مفصل بیانات کر چکے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ان دنوں مسلمانوں کے اکثر ممالک میں حضور پاک ﷺ کی سیرت مطہرہ کے سلسلہ میں، اس طرح کے مبارک اجتماعات منعقد ہوتے رہتے ہیں، جس طرح آج آپ کا یہ مبارک اجتماع ہے۔

ان اجتماعات کے بنیادی تین مقاصد ہوتے ہیں۔ آپ ان تینوں مقاصد کو مدنظر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ یہ تینوں مقاصد کماحقہ پورے فرمائے۔

پہلا بنیادی مقصد:

پہلا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ ہر مسلمان اپنے پیغمبر ﷺ کی مختصر تاریخ اور اہم معلومات سے باخبر ہو جائے۔ ایک مسلمان، جو اپنے آپ کو پیغمبر ﷺ کا ایک اُمتی شمار کرتا ہو، لیکن ان کے نام ونسب، ان کے ملک اور ان کی زندگی کے حالات کا علم نہ رکھتا ہو تو یہ کیسا اُمتی ہوگا؟ اگر اس سے کوئی پوچھے کہ آپ کس نبی کے امتی ہیں؟ تو اس کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ یہ تو شکر ہے کہ کافی

حد تک سکول وکالج اور اس طرح کے اجتماعات میں حضور پاک ﷺ کی سیرت مطہرہ کے تذکرے ہوتے ہیں جس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔

کچھ زمانہ پہلے تو حضور پاک ﷺ کے بارے میں لوگ بہت کم جانتے تھے۔ اس لیے ان جلسوں کا کم از کم یہ فائدہ تو ہوتا ہے کہ ایک مسلمان اپنے پیغمبر ﷺ کے نام ونسب اور مختصر حالات زندگی سے باخبر ہو جاتا ہے۔

آپ ﷺ کے بارے میں ایک سینئر وکیل کا عجیب سوال:

آج سے تقریباً پچیس (۲۵) سال قبل میں مدینہ منورہ میں تھا۔ ہمارے علاقہ کا ایک وکیل حج کرنے آیا تھا، وہ بار ایٹ لاء تھا۔ میرے ساتھ حرم شریف میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا کہ آپ سے ایک بات پوچھنی ہے۔ میں نے کہا: پوچھ لو۔ وہ کہنے لگا کہ کیا "حضور ﷺ اکبر بادشاہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے؟" میں نے سوچا شاید یہ مذاق کر رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا تم نے یہ کیسا سوال کیا؟ کہنے لگا کہ سچ مچ پوچھ رہا ہوں، کیا حضور پاک ﷺ اکبر کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے؟ میں نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون. تمہیں اپنے پیغمبر ﷺ کے بارے میں اتنا علم بھی نہیں حالانکہ تم اتنے قابل انسان ہو، LLB کیا ہوا ہے، کالج پڑھ چکے ہو اور اتنی تعلیم حاصل کی ہے۔ کہنے لگا کہ اگر سچی بات یہ ہے کہ میں نے ایبٹ آباد کے ایک مشن سکول وکالج میں پڑھا ہے۔ انہوں نے کورس میں ہمیں آپ ﷺ کی سیرت نہیں پڑھائی۔ وہاں تو ہم نے چرچل، ماوزے تنگ، کارل مارکس اور ڈیگال کی تاریخیں یاد کی ہیں۔ میں نے کہا: یہ آپ کا قصور نہیں۔ یہ آپ کے والدین کا قصور ہے کہ آپ اس حد تک پہنچے کہ وکیل تو بن گئے لیکن آپ کو اپنے نبی ﷺ کے متعلق معلومات نہیں اور حج کے لیے آئے ہو۔ اکبر بادشاہ کا شمار تو مسلمان

بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ تو پیغمبر ﷺ اُمتی کے زمانہ میں کیسے پیدا ہوا؟ لاحول ولاقوۃ
............اتنی لاعلمی!

حضور ﷺ کے متعلق BA کے بعض طلباء کی معلومات:

۵۶ء میں میں لاہور میں پڑھتا تھا۔ اُس زمانہ میں لاہور کے ایک کالج میں B.A کے پرچے میں ایک عام سوال کے تحت یہ پوچھا گیا تھا کہ اپنے پیغمبر ﷺ کے متعلق معلومات لکھیں۔ بہت سے لڑکوں نے تو صحیح جواب بھی لکھا لیکن بعض نے یہ بھی لکھا کہ "حضور ﷺ مکہ مکرمہ کے ایک بہت بڑے چودھری کے بیٹے تھے۔ وہاں کے ہائی سکول سے میٹرک پاس کیا اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے آکسفورڈ یونیورسٹی گئے، وہاں سے ڈگری حاصل کرکے اپنے وطن آئے، اور قوم کے لیڈر بن گئے" بعض نے یہ بھی لکھا کہ "وہ کشمیر میں مدفون ہیں"۔ پھر اخبارات میں تبصرہ آیا، کہ B.A کا اسٹوڈنٹ نوجوان ہوتا ہے مگر اس کو اپنے پیغمبر ﷺ کے متعلق اتنی معلومات بھی نہیں۔ شکر ہے ابھی کافی حد تک اصلاح ہو چکی ہے اور اس قسم کے اجتماعات سے ان شاء اللہ مزید اصلاح ہوگی۔

آپ ﷺ کی سیرت سے آگہی:

ان اجتماعات کا اولین مقصد یہی ہوتا ہے کہ اپنے پیغمبر ﷺ کے مختصر حالات کا علم ہو سکے۔ اس لیے کہ ہر آدمی تو مدارس میں داخلہ نہیں لے سکتا۔ یہ دکاندار بھائی، یا دیگر تاجر پیشہ لوگ اپنی مصروفیات کی وجہ سے مدارس میں تو نہیں پڑھ سکتے، لیکن اس طرح کے اجتماعات میں شرکت کرکے یا مساجد میں بیٹھ کر، یا تبلیغ والوں کے ساتھ تعلق رکھ کر، یا نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر یہ باتیں سیکھ سکتے ہیں۔ تو پہلا مقصد یہ ہے کہ اپنے پیغمبر ﷺ کی کچھ نہ کچھ تاریخ یاد کرلی

جائے۔

دوسرا بڑا مقصد:

دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی پیغمبر ﷺ کے واقعات، معجزات اور کارنامے سنتا ہے تو اس کے ذریعے اُس کے دل میں آپ ﷺ کی عظمت اور محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت بڑھتی ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک نفسیاتی بات ہے کہ جس کے کارنامے آدمی سنتا ہے، دل میں اُس سے محبت بڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہمارے پیغمبر ﷺ سے بڑھ کر کوئی ہستی نہیں۔ اُنکے برابر کارنامے اور کسی کے نہیں۔ اُن کے معجزات کے برابر معجزات کسی اور پیغمبر کے نہیں اور جب کسی پیغمبر کے کارنامے اُن سے زیادہ نہیں تو دنیا میں کوئی اور لیڈر یا شخصیت آپ سے بڑھ کر کیا کارنامہ دکھائے گا؟ اس عظمت کو دل میں بٹھانے سے محبت پیدا ہوتی ہے اور جتنی پیغمبر ﷺ سے محبت پیدا ہوتی ہے، اُتنی ہی دوسروں کی محبت دل سے نکلتی ہے۔ پھر نہ کوئی کارل مارکس کی تعریف کرے گا، نہ ماوزے تنگ کی، نہ خروشیف کی، اور نہ ہی کسی اور کی۔ وہ سوچے گا کہ دنیا کی اس عظیم ہستی کے کارنامے جس نے پوری دنیا میں انقلاب برپا کیا۔ لوگوں کے عقائد تبدیل ہوئے۔ اعمال، اخلاق اور پوری زندگی تبدیل ہوئی تو اس شخصیت کے بعد دنیا میں کوئی اور شخصیت نہیں کہ جو حضور پاک ﷺ جیسا پاکیزہ انقلاب لاسکتا ہو۔ ان جلسوں کی برکت سے لوگوں کے دلوں سے خود بخود دوسرے خیالات نکل جاتے ہیں۔

آپ ﷺ کے بارے میں ایک غیر مسلم مصنف کا تجزیہ:

ایک امریکی انگریز نے کتاب لکھی ہے "The hunderd men" (سو بڑے آدمی)۔ اُس نے اپنے خیال میں پوری دنیا کی تاریخ میں سے سو آدمیوں کا انتخاب کیا ہے کہ یہ

سب سے بڑے آدمی ہیں اور ان سے بڑھ کر کوئی آدمی دنیا میں نہیں گزرا۔ ان میں سے گیارہ
پیغمبروں کا تذکرہ کیا ہے۔ (یہ ایک دشمن کا تجزیہ ہے)۔ کچھ انقلابی بادشاہوں کا اور کچھ دوسرے
نامور لوگوں کا۔ اس کتاب کے شروع میں سب سے پہلے ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ کا تذکرہ
ہے، جبکہ چوتھے نمبر پر حضرت عیسیٰؑ کا اور چودہویں نمبر پر حضرت عمرؓ کا۔

آپ ﷺ کا پہلا نمبر کیوں؟ :

مصنف کتاب کے مقدمے میں لکھتا ہے کہ میں تو امریکا میں ہوں اور امریکہ کے اکثر
لوگ عیسائی ہیں، اس لیے اکثر لوگ میری کتاب کو دیکھ کر کہیں گے کہ تم نے ہمارے پیغمبر حضرت
عیسیٰؑ کو چوتھے نمبر پر، اور مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو پہلے نمبر پر ذکر کیا ہے، یہ کیوں؟ اس
شبہ اور اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے جس کو میں جھٹلا نہیں سکتا اس لیے مسلمانوں
کے پیغمبر ﷺ کو پہلے نمبر پر ذکر کر رہا ہوں۔

پہلی وجہ:

مصنف لکھتا ہے کہ ”اے عیسائیو! میں تم سے چند باتیں پوچھتا ہوں۔ مسلمانوں کے
پیغمبر ﷺ کی تاریخ تو محفوظ ہے جبکہ دنیا میں کسی اور پیغمبرؑ کی تاریخ محفوظ نہیں۔ کسی پیغمبرؑ کا شہر محفوظ
نہیں، زبان محفوظ نہیں، کتاب اصلی شکل میں موجود نہیں۔ وہ پیغمبرؑ جسکے سب پہلو محفوظ ہوں وہ
صرف مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ ہیں۔ دنیا میں کسی پیغمبر ﷺ کی قبر محفوظ نہیں“ شام اور لبنان وغیرہ
کے اکثر مزارات پر میں (حضرت شیخؒ) گیا ہوں۔ لبنان میں حضرت نوحؑ مدفون ہیں۔ شام میں
حضرت موسیٰؑ وغیرہ مدفون ہیں۔ فلسطین میں حضرت عیسیٰؑ کی فرضی قبر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ بھی
فلسطین میں ہیں، لیکن کسی پیغمبرؑ کے متعلق یقینی بات نہیں کہی جاسکتی کہ یہ اسی کی قبر ہے کیونکہ بہت

سے ادوار اور انقلابات گزرے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کی فرضی قبر.......:

حضرت عیسیٰؑ کی جو فرضی قبر بنائی گئی ہے، عجیب بات یہ ہے کہ قبر اچھی طرح سے بنائی
ہے حالانکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مریمؑ قبرستان میں پھر رہی تھی ایک قبر کو دیکھا جو کھلی ہوئی
تھی، کہنے لگیں کہ شاید یہ میرے بیٹے کی قبر ہے۔ اس دوران بادل میں سے وہ نمودار ہوئے
اور فرمایا کہ ماں ہاں! یہ میری ہی قبر ہے اور میں اوپر آسمان پر چڑھا ہوں قیامت کے قریب پھر
آونگا...... یہ سب فرضی قصے ہیں۔

ایک پادری سے گفتگو:

میں خود بیت المقدس گیا ہوں۔ وہاں پر ایک بڑا اگر جا گھر ہے جسمیں یہ فرضی قبر بنی ہوئی
ہے۔ وہاں کے پادری کیساتھ بات چیت کی ہے۔ ایک پادری سے میں نے پوچھا کہ: کیا یہ
حقیقت میں ان کی قبر ہے؟ چونکہ پوری دنیا کے لوگ اسی خیال سے آتے ہیں اس لیے سر کے
اشارے سے کہنے لگے کہ ”ہاں“۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہوا تھا؟ کہنے لگا: ان کو یہودیوں
نے مار ڈالا تھا۔ پھر یہاں دفن کیے گئے۔ تین دن قبر میں رہے پھر اُٹھا لیے گئے اور اپنے والد کے
ساتھ عرش معلیٰ پر بائیں جانب بیٹھ گئے۔ میں نے کہا کہ اب اس خالی قبر کے ساتھ کیا کرتے
ہو، جب وہ اس میں موجود ہی نہیں۔

آپ ﷺ کی قبر سے متعلق ہمارا عقیدہ:

دنیا میں کسی پیغمبرؑ کی قبر معلوم نہیں۔ ہمارے پیغمبر ﷺ کی قبر مبارک معلوم ہے۔ ہمارے
قرآن کا یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ ”یہ مدینہ منورہ میں جو مدفون ہیں یہ ہمارے پیغمبر ﷺ نہیں

"یا" "وہ کسی اور جگہ مدفون ہیں" تو اس سے وہ کافر ہوگیا، اس لیے کہ ایک یقینی چیز میں شک کر رہا ہے۔ ہمارے پیغمبر ﷺ کا شہر اسی طرح سے آباد چلا آ رہا ہے۔ ہمارے پیغمبر ﷺ کی زبان، عربی اس وقت تیرہ (۱۳) ممالک کی سرکاری زبان ہے اور اقوام متحدہ میں، جن چھ زبانوں میں بات ہوتی ہے ان میں سے ایک عربی بھی ہے اور یہ سب مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے۔ تو وہی عربی زبان اب تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی۔

کرسمس ڈے کی تاریخی حیثیت:

امریکی مصنف کا قصہ آپکو سنا رہا تھا۔ وہ کہتا ہے "کہ دنیا میں کسی نبی کی تاریخ محفوظ نہیں اگر محفوظ ہے، تو صرف مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ کی تاریخ۔ سال کے آخر میں دسمبر میں عیسائی بڑا دن مناتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ ۲۵ دسمبر کو حضرت عیسیٰؑ دنیا میں تشریف لاتے ہیں لیکن، کیا اُنکی یہ بات صحیح ہے؟ نہیں، یہ سب فرضی باتیں ہیں۔ عیسائی خود کہتے ہیں کہ ہم اٹکل پر چلتے ہیں۔

سن عیسوی کے آغاز میں چھ ماہ کا فرق ہے۔ پہلے عیسائی کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ فروری میں پیدا ہوئے تھے۔ کوئی کہتا کہ مارچ میں، لیکن اکثر کہتے کہ ستمبر میں پیدا ہوئے ہیں۔ روس کی جانب ایک ملک تھا وہاں کے باشندے سورج کی عبادت کیا کرتے تھے۔ جب وہ عیسائی بنے تو وہ پہلے سے ۲۵ دسمبر کو عبادت اور خوشی کا دن مناتے تھے۔ وہ سرد ممالک تھے، ۲۱، ۲۲ دسمبر کو سورج واپس لوٹتا ہے تو جب ۲۵ دسمبر ہوتا تو وہ کہتے کہ سورج واپس ہوگیا اس لیے اب خوشی منائی ہے۔ یہ لوگ سورج کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ۲۵ دسمبر کا یہ دن انہوں نے اسی طرح منانا شروع کیا تھا تو یہ دن عیسائیوں میں اتنا مشہور ہوا کہ عیسائی لوگ اب یہ دن حضرت عیسیٰؑ کی یوم ولادت

کے طور پر مناتے ہیں۔ یہ سب اٹکل پچو باتیں ہیں۔

تو دنیا میں کسی نبی کی تاریخ محفوظ نہیں۔ سوائے پیغمبر ﷺ کی مبارک سیرت کے۔

دوسری وجہ:

وہ لکھتا ہے کہ "مسلمانوں کا پیغمبر ﷺ، پیغمبر بھی تھا اور بادشاہ بھی۔ اُس نے دنیا کو ایک نظام دیا ہے جبکہ حضرت عیسیٰؑ پیغمبر تھے لیکن بادشاہ نہیں تھے۔ وہ درویشی کی زندگی گزارتے تھے۔ ہر وقت تبلیغ کی فکر میں گھومتے تھے۔ انکے پاس دو چادریں ہوتیں، ایک کو لپیٹ لیتے اور ایک کی لنگی باندھ لیتے۔ اسکے علاوہ ایک کوزہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ایک لکڑی کی کنگھی۔ ایک دن دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھوں میں پانی لے کر سر اور چہرے پر ڈال رہا ہے۔ سوچنے لگے کہ جب ہاتھ سے لوٹے کا کام لیا جا سکتا ہے تو لوٹے کی کیا ضرورت؟ لہٰذا اُس کو بھی پھینک دیا۔ پھر ایک دن کسی کو دیکھا کہ اُس نے ہاتھ کی انگلیوں سے سر اور داڑھی کے بالوں میں کنگھی کی۔ اس کو دیکھ کر آپؑ نے کنگھی بھی پھینک دی۔ عیسیٰؑ نے اس طرح درویشی کی زندگی گزاری۔ جبکہ ہمارے پیغمبر ﷺ پیغمبر بھی تھے، اور بادشاہ بھی۔ ان کی وفات کے وقت تقریباً دس لاکھ مربع میل کا رقبہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔

پھر صرف یہ نہیں بلکہ آپ کے سات شاگرد (صحابہؓ) بھی بادشاہ بنے: (۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ (۲) حضرت عمر فاروقؓ (۳) حضرت عثمان غنیؓ (۴) حضرت علی المرتضیٰؓ (۵) حضرت امیر معاویہؓ (۶) حضرت حسنؓ (۷) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ بعد میں ان کے شاگرد بادشاہ ہوئے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰؑ نہ خود بادشاہ بنے نہ ان کے شاگرد، نہ ان کے شاگردوں کے شاگرد۔

پہلی عیسائی حکومت دنیا میں ۳۲۵ء کو بنی ہے یعنی ۳۲۵ سال بعد عیسائیوں کی حکومت بنی، جبکہ اسلام کی پہلی حکومت ہمارے پیغمبر ﷺ کے زمانے میں بنی۔ ہمارے پیغمبر ﷺ بادشاہ بھی تھے، اور پیغمبر بھی۔ مصنف موصوف لکھتا ہے کہ جب مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ نے بادشاہی کی ہے تو اُن کے اُمتی اس سے بادشاہی بھی سیکھ سکتے ہیں۔ اے عیسائیو! تمہارے سامنے جب نمونہ نہیں تو تم کس سے سیکھو گے؟

مسلمان بادشاہوں کو نصیحت:

ابھی میرے محترم بھائی نے آپ سے یہ بات عرض کی کہ ہم اپنے مسلمان صدور (بادشاہوں) سے ہمیشہ یہ کہتے چلے آرہے ہیں کہ تم اِن انگریزوں، ہندوؤں یا روس والوں کی پیروی نہ کرو، ان کیساتھ تو نمونہ نہیں، جبکہ ہمارے ساتھ نمونہ موجود ہے اس لیے اُس نمونہ کی تابعداری کرو۔ انگریز روزانہ نیا قانون بناتے ہیں اور پھر وہی قانون توڑ بھی دیتے ہیں یا اُس میں تبدیلی لاتے رہتے ہیں۔ جبکہ ہمارے بنیادی قوانین میں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں اگر تبدیلی آتی بھی ہے تو وہ انتظامی امور میں۔ عقائد، حدود اور بنیادی قانون میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔

تیسری وجہ:

امریکی مصنف لکھتا ہے کہ "مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ نے گیارہ شادیاں کی ہیں، اُس کے بچے بھی تھے۔ گھر والے، عزیز، رشتہ دار اور پڑوسی بھی تھے، جبکہ حضرت عیسیٰؑ نے شادی نہیں کی تھی۔ اُن کا گھر تھا نہ بچے۔ اس لیے مسلمان تو اپنے پیغمبر ﷺ سے شادی کا طریقہ سیکھ سکتے ہیں، پڑوسیوں کے حقوق بھی سیکھ سکتے ہیں لیکن عیسائی اپنے پیغمبرؑ سے یہ سب کچھ نہیں سیکھ سکتے۔ اسی طرح دنیا میں مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ نے جہاد کیا ہے۔ ۲۷ غزوات میں خود لڑ

چکے ہیں، جبکہ ۵۴ سرایا ان کے علاوہ بھیجے ہیں۔ تقریباً یہ ۸۰ یا ۸۱ جہاد اور معرکے آپ ﷺ کے وقت میں ہوئے۔ ہجرت کے بعد دس سالوں میں تقریباً ہر دو ماہ کے اندر ایک جہاد ہوا ہے، جبکہ حضرت عیسیٰؑ نے جہاد بالکل نہیں کیا۔ اس لیے عیسائی ان سے یہ طریقہ بھی نہیں سیکھ سکتے۔

تنبیہ!:

یاد رکھو! یہ حضرت عیسیٰؑ کی کمزوری نہیں اور نہ ہی میرا مقصد اُن کی کمزوریاں بیان کرنا ہے۔ وہ اپنے زمانہ میں ہدایت کا نمونہ تھے۔ اُس وقت جو کچھ ضروری تھا وہ سب کمالات اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو دیئے تھے، لیکن ہمارے پیغمبر ﷺ کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے سب زمانوں اور سب ملکوں کے لیے بھیجا ہے۔ آپ کو سب کے لیے نمونہ بنانا تھا اس لیے انکے اندر ہر صفت مکمل طور پر رکھی گئی تھی تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ "فلاں عمل میں ہمارے لیے کوئی نمونہ نہیں"۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہ بھی بنایا، عام آدمی بھی، عالم بھی تھے، مجاہد بھی اور گھر بار والے بھی تھے، فوج کے نگران بھی، ہر کسی کے لیے ان کی زندگی میں تعلیمات ہیں۔ تو آپؐ کے ان کارناموں کو سن کر آپ ﷺ کی عظمت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔

تیسرا مقصد:

ان اجتماعات کا تیسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کے اندر جتنی کسی کی محبت بڑھتی ہے اُتنی ہی اس کے لیے اُس کے طور طریقوں پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس لیے کہ آدمی کی جس سے محبت پیدا ہوتی ہے تو اسکی شکل، اس کی پگڑی، اس کے کپڑے اور اس کی داڑھی وغیرہ کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس پر فخر محسوس کرتا ہے۔ پھر اس کا اُٹھنا بیٹھنا، گفتار و کردار، غرض سب کچھ اس کے لیے پسندیدہ ہو جاتا ہے اور بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ انسان کی جتنی محبت بڑھتی

ہے اتنی ہی اس کے لیے اس کے طور طریقوں پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ معجزہ ہمارے اندر بھی موجزن فرمائے۔

پیغمبر دنیا میں کیوں آتے ہیں؟:

پھر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر کے لیے دنیا میں آنے کی کیا ضرورت ہوتی ہے؟ اس لیے کہ نئی روشنی کے دلدادہ لوگ جو روس، کارل مارکس یا چین کے ماوزے تنگ یا کسی اور لیڈر سے متاثر ہوتے ہیں تو ان کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ انسان تو خود عقلمند اور دانا ہے۔ اسے پیغمبروں کی کیا ضرورت؟

تحقیقی جواب:

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے علاوہ، انسان کو سمجھنے کے لیے دو اور قوتیں بھی عطا فرمائی ہیں لیکن اس کی یہ دونوں قوتیں کمزور ہیں۔ پہلی طاقت، حواس خمسہ ہے یعنی آنکھ، کان، ناک، زبان اور چھونے کی طاقت۔ یہ علم کا پہلا راستہ ہے جو ہر انسان کو دیا گیا ہے۔ اگر آنکھ نہ ہوتی تو انسان، اندھیرا یا اُجالا، نشیب و فراز کیسے معلوم کرتا؟ اسی طرح کانوں سے یہ سنتا ہے، اگر کان نہ ہوتے تو یہ آواز اور اس کی صفات کیسے معلوم کرتا؟ اگر ناک نہ ہوتی تو خوشبو یا بدبو کا ادراک کیسے کرتا؟ اگر ہاتھ میں چھونے کی طاقت نہ ہوتی تو کسی چیز کا گرم یا سرد، نرم یا سخت ہونا کیسے معلوم ہوتا؟ یہ علم کے راستے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو ودیعت فرمائے ہیں۔

انسان اور دیگر حیوانات کے حواس کا دلچسپ موازنہ :

اگر غور کیا جائے تو یہ قوتیں ان جانوروں میں بھی موجود ہیں بلکہ اُن میں سے کئی سے اس طاقت میں بڑھ کر ہیں۔ ہم تقریباً ایک میل تک دیکھ سکتے ہیں جبکہ چیل تین میل اور

میں اُڑ کر بھی نیچے زمین پر پڑی ہوئی مردار چیزیں دیکھ لیتی ہے۔ گنے کے کھیت کے بالکل درمیان، یا پہاڑوں اور ٹیلوں کے بالکل وسط میں بھی کوئی مردار چیز پڑی ہو، تو چیلیں اس کے گرد جمع ہو جاتی ہیں۔ آپ حیران رہ جائیں گے کہ ان کو ٹیلی فون پر کسی نے بلایا، یا وائرلس پر؟

رات کی تاریکی میں چوہے، چمگادڑ، گیدڑ، کتے اور بلی وغیرہ مختلف جانور پھرتے رہتے ہیں جبکہ ہم بجلی یا ٹارچ کے بغیر نہیں چل سکتے۔ معلوم ہوا کہ ان کے آنکھوں کی قوت ہم سے زیادہ ہے۔ ہم انسانوں کی آنکھیں انکی بہ نسبت کمزور ہوتی ہیں۔ ہم اپنی آنکھوں کا علاج معالجہ کرتے ہیں اور عینک بھی استعمال کرتے ہیں لیکن جانورں کو کبھی کسی نے عینک استعمال کرتے نہیں دیکھا ہوگا۔ کسی نے گیدڑ یا بیل کو آنکھوں پر عینک لگائے نہیں دیکھا ہوگا۔

چچڑی کے سننے کی طاقت:

اسی طرح جانوروں کے کانوں کی طاقت ہم سے زیادہ ہے ہم ایک میل تک آواز بمشکل سنتے ہیں جبکہ کتا چھ میل تک کی آواز سنتا ہے۔ چچڑی کے متعلق مشہور ہے کہ "فلانٌ اسمع من قراد" فلاں چچڑی سے بھی زیادہ سننے والا ہے۔ یہ ۴۵ میل تک اونٹوں کے آنے کی آواز سنتی ہے۔

پرانے عرب کے ڈاکو اس کے ذریعے قافلوں کا پتہ لگاتے کہ وہ کس جانب سے آرہے ہیں۔ وہ اپنے پاس چچڑی رکھتے، چچڑی جس طرف چلنا شروع کرتی تو یہ بھی اُسی طرف چل پڑتے۔ ہمارے کان اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ۴۵ چچڑیاں اس میں آسانی سے سما سکتی ہیں لیکن ان کانوں میں ایک چچڑی کے برابر سننے کی طاقت نہیں۔

سونگھنے کی طاقت چیونٹی کی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر کمرے کے کسی کونے میں شیرینی رکھی ہو، تو آپ اس کو معلوم نہیں کر سکتے، جبکہ چیونٹیوں کی قطار اس طرف لگ جاتی ہے۔

امریکیوں کا کٹمل کی قوت شامہ سے جنگ میں استفادہ:

ایک دفعہ ویتنام میں امریکہ اور ویتنام کے درمیان جنگ تھی۔ ویتنام والے گوریلا جنگ لڑ رہے تھے وہ کسی غار یا درخت کی اوٹ میں یا کسی اور خفیہ جگہ بیٹھے ہوتے تھے اور جب فوج گزرتی تو ان کو دھماکے سے اڑا دیتے۔ امریکہ بہت تنگ آ گیا تھا۔ آخر کار وہ مجبور ہوئے تو گوریلا کو معلوم کرنے کے لیے انہوں نے کٹمل پر تجربہ کیا۔ کٹمل میں اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت رکھی ہے کہ وہ دور سے انسان کی بو معلوم کر کے اُس طرف چلنے لگتا ہے، اور اس خوشی میں اس کی ناک سے ایک مخصوص آواز نکلتی ہے۔ تو امریکی کٹمل پال کر ان کے ساتھ چھوٹی سی مشین لگا لیتے اور جنگل میں پھینک دیتے۔ وہ خون کی ہوس میں انسان کے پیچھے چلتے اور ناک سے آوازیں نکالتے۔ مشین کے ذریعے وہ آواز فوج تک پہنچتی اور وہ اس جگہ پہنچ کر اس گوریلا انسان سے نمٹ لیتے۔ یاد رہے کہ ایک کٹمل ۵۰۰ سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔

انسان کو محدود حواس دینے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت:

ان باتوں کو سن کر آپ کے دل میں کہیں یہ وسوسہ پیدا نہ ہو کہ خدا تعالیٰ نے جانوروں کو ہم سے زیادہ قوت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جتنی طاقت دی ہے یہی ہمارے لیے مناسب ہے۔ اگر ہمارے حواس کی طاقت اس سے زیادہ ہوتی تو زندگی گذارنا مشکل ہوتا مثلاً اگر آدمی آنکھ کے ذریعے نوالے میں جراثیم معلوم کر سکتا تو وہ کیسے اُس کو کھاتا؟ ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ مچھر نسوار پر بیٹھ کر اُس سے بارہ لاکھ جراثیم اُٹھا لیتا ہے۔ پھر اگر یہ مچھر کھانے پر بیٹھ کر یہ سارے جراثیم وہاں چھوڑ دے اور ہم اسے دیکھ لیں تو کوئی کھانا نہ کھا سکیں۔ اُلٹیاں آنی شروع ہو جائیں۔ اگر ہماری ناک کے سونگھنے کی طاقت اتنی ہوتی کہ دور تک ہم سونگھ سکتے تو ہمارے دماغ خراب

ہو جاتے۔ اس لیے کہ ہم سب گندگیوں کی بو ہر وقت سونگھتے رہتے۔ اگر کان اس سے زیادہ تیز سننے لگتے تو صرف اخیر کے علاقہ کی آوازیں ہم کو سونے نہ دیتی۔ بچوں اور جانوروں کی آوازیں سن سن کر ہم دیوانے ہو جاتے۔

اس لیے ہم کو ہمارے مناسب طاقت دی گئی ہے اور جانوروں پر بادشاہی بھی ہم ہی کو دی گئی ہے۔ ان مضبوط حواس والے جانوروں کو بھی ہم پکڑ لیتے ہیں۔ یہ کیسے؟

عقل کی طاقت اور اس کے کرشمے:

یہ اس لیے کہ ہمیں ایک اور طاقت بھی دی گئی ہے، جو جانوروں کے پاس نہیں ہے اور یہ طاقت عقل کی روشنی ہے۔ ہم عقل کے ذریعے شیر اور چیتے کو پکڑ لیتے ہیں اور ہاتھی کو بھی محکوم بنا لیتے ہیں یہ عقل کے ذریعے ممکن ہے۔ عقل کی یہ طاقت انسان کے ساتھ مخصوص ہے جانور کے ساتھ نہیں۔

اگر عقل کے بغیر صرف ایک چیتا بھی ہاتھوں سے پکڑنا چاہیں، تو آپ پورے خیبر ایجنسی والے بھی اُس کو پکڑ نہ سکیں گے اور چیتا تو بڑی بات ہے، ایک اونٹ یا ایک بیل اگر دیوانہ ہو جائے اور شوخی شروع کر دے، تو کوئی اس کو قابو نہیں کر سکتا۔ مگر عقل کے ذریعے آپ رسی یا لاٹھی لے کر اُس کو ایک بند کمرے کے اندر ہانکیں، تو وہ خود بخود پکڑا جاتا ہے۔

چیتے کو پکڑنے کا گر:

چیتے کو پکڑنے کے لیے ایک پنجرے میں بکری یا دنبہ باندھ دیا جاتا ہے۔ جب چیتا دور سے اس کو دیکھتا ہے تو خوش ہو کر اس کی طرف لپک آتا ہے۔ اب اُس کی آنکھ تو یہ دیکھ رہی ہے کہ یہاں بکری یا دنبہ ہے اور یہ اس کی بو تو سونگتا ہے لیکن چونکہ اس کے ساتھ عقل نہیں اس لیے یہ

نہیں سوچ سکتا کہ ”میں روزانہ شکار کے لیے مارا مارا پھرتا ہوں، آج کسی نے میرے لیے کیوں پنجرے میں اتنی اچھی خوراک رکھ دی ہے۔ یہ ضرور کوئی سازش ہے۔“ جب وہ پنجرے میں گھستا ہے تو پیچھے سے دروازہ خود بخود بند ہو جاتا ہے اور یوں وہ پھنس کر رہ جاتا ہے۔ صرف عقل ہی کی وجہ سے یہ ممکن ہے کہ ہم اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ عقل انسان کے ساتھ بڑی طاقت ہے۔

عقل بھی ناقص......:

لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ عقل بھی ناقص ہے، اس میں بھی خامیاں موجود ہیں اور یہ بھی انسان کو مکمل راستہ نہیں دکھا سکتی۔ عقل کی ان خامیوں کو دور کرنے کے لیے خدا تعالیٰ پیغمبروں کو بھیجتا ہے۔

عقل میں کیا نقصانات ہیں؟

یوں تو بہت ہیں لیکن میں آپ کو ایسا نقصان بتاتا ہوں جس کو آپ بھی اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔

عقل کا رواج سے متاثر ہونے کا واقعہ:

ایک خامی یہ ہے کہ عام آدمی کی عقل ہمیشہ گاؤں کے رواج کے پیچھے چلتی ہے۔ رواج سے متاثر ہوتی ہے۔ دنیا کے یہ ہندو اور سکھ اپنے رواج کی وجہ سے گمراہ ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ میں ہندوستان گیا تھا۔ وہاں میں ایک شہر سے دوسرے شہر بس میں جا رہا تھا۔ میرے ساتھ مردان کا ایک ساتھی بھی تھا۔ وہ بس میں پیچھے بیٹھ گیا اور میں آگے۔ میرے ساتھ کالج کے دو ہندو لڑکے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنا تعارف کیا اور پھر کہنے لگے کہ اگر ہم آپ سے چند سوال کریں تو آپ ناراض تو نہ ہوں گے؟ میں نے کہا: اگر انسانیت کی باتیں ہوں تو پوچھ لو۔ اُن میں سے ایک نے کہا:

آپ کے قرآن صاحب میں کیا ہے؟ اُس نے صرف قرآن کا نام سنا تھا۔ میں نے دل میں سوچا ان کو کیا سناؤں کہ یہ سمجھ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے سترھویں پارے کی ایک آیت دل میں ڈال دی۔ میں نے کہا: ہمارے قرآن میں یہ ہے: ﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ، اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ، وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾ [سورۃ الحج /۷۳]

اے لوگو! آپ کے سمجھنے کے لیے ایک مثال بیان کی جاتی ہے کہ جن چیزوں کو تم خدا سمجھتے ہو اگر یہ جمع ہو جائیں تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، اور مکھی پیدا کرنا تو دور کی بات ہے، اگر کوئی مکھی اُن پر بیٹھ جائے تو یہ بُت اس کو بھگا بھی نہیں سکتے۔ کیا یہ خدا بن سکتے ہیں؟ میں نے ان طلباء سے کہا کہ ”تم بھی ناراض نہ ہونا، جب آپ خود اپنے ہاتھوں سے بت بناتے ہیں اور ان کو نام بھی دیتے ہیں کہ یہ ہنومان جی ہے، یہ منا دیو جی ہے، یہ پاربتی جی، لاٹو والی، بیروالی، رام چندر جی، گوتم بدھ، مہاتما بدھ وغیرہ وغیرہ۔ (اِن ہندوؤں کے تین کروڑ خدا ہیں) پھر اُن پر دودھ، دہی اور گھی وغیرہ چھڑکتے ہو جس کی وجہ سے اُن پر مکھیاں وغیرہ آ کے بیٹھتی ہیں۔ تو وہ اپنے آپ سے مکھی تک نہیں اُڑا سکتے، جبکہ آپ اُس کو رام رام کر کے اُس سے اولاد اور دولت طلب کرتے ہیں“۔ وہ خاموش ہو گئے۔ پھر میں نے کہا کہ ”گائے سب جانوروں میں احمق جانور ہے، کتا بھی اس سے عقلمند ہے۔ اگر کتے کا چھوٹا بچہ پالا جائے اور اس کو کھلایا پلایا جائے۔ تو وہ آپ کی حفاظت کرے گا اور آپ کے ساتھ محبت کرے گا۔ دوست دشمن کی تمیز رکھتا ہے، جبکہ گائے کو سال کے بارہ مہینے گھاس ڈالتے رہو یہ نہ گھر کی چوکیداری کر سکتی ہے نہ کوئی اور کام کرتی ہے، اگر قصاب کے حوالے کی جائے تو اس کے ساتھ بھی چل دیتی ہے۔ اس احمق جانور کو بھی تم لوگوں نے خدا بنا رکھا ہے اور

گائے کی ذبح کو حرام کہتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ ہماری پرا تما ہے اور خدا کا اوتار ہے"۔ ان میں سے
ایک طالب علم کہنے لگا کہ اگر سچ بلواتے ہو تو ہمارا دین کچھ بھی نہیں۔ صرف باپ، دادا کا رواج رہ
گیا ہے اسی کے پیچھے چل رہے ہیں۔ یاد رکھو! کالج آدمی کو ہدایت نہیں دے سکتا۔ یہ نہ سمجھو کہ ہم
نے B.A یا M.A کر لیا ہے یہ کافی ہے۔ پاکستان کی بہ نسبت ہندوستان میں کالج اور تعلیم
زیادہ ہے۔ موٹر، زمین، بنگلہ آدمی کو ہدایت نہیں دے سکتے۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے:

صدارت، وزارت یا دولت آدمی کو ہدایت نہیں دے سکتے۔ ہدایت اللہ تعالیٰ اور اس
کے نبی ﷺ کا دامن تھامنے میں ہے۔ اگر کالجوں اور یونیورسٹیوں سے ہدایت ملتی تو ہندوؤں
کی یہ تعلیم یافتہ اولاد ہدایت یافتہ ہوتی۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ عقل رواج سے متاثر ہوتی ہے۔ سکھ لوگوں کی شکل وصورت آپ
نے دیکھی ہوگی۔ یہ لوگ جلال آباد میں بہت زیادہ ہیں۔ یہ اتنے جنگلی ہوتے ہیں کہ بدن کا کوئی
بال تک نہیں کاٹتے۔ داڑھی کو کسی دھاگے کے ذریعہ لپیٹ اور سمیٹ لیتے ہیں اور سر کے بالوں کو
پگڑی میں چھپا کر رکھتے ہیں۔ ورنہ اگر یہ پگڑی اُتار لیں تو بالکل جنگلی نظر آئیں گے۔ بغلوں کے
بال پاؤں تک جبکہ شرمگاہ کے بال پنڈلیوں تک پہنچے ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے ان کو ننگا دیکھ لیا تو
حیران ہو جائے گا کہ یہ تو واقعی جنگلی انسان ہے۔

وزیّن لهم الشيطن أعملهم فصدهم عن السبيل فهم لايهتدون ٥ [سورۃ
النمل / ۲۴]. یہ وہ رواج ہیں جو آدمی کے عقل کو متاثر کر لیتے ہیں۔ سکھوں میں عقل نہیں
ہوتی۔ یہ بہت بے وقوف ہوتے ہیں۔ کیا انہوں نے کالج نہیں پڑھا؟ یا ان کے ساتھ دولت نہیں

ہوتی؟ یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر عقل انسان کی ہدایت کے لیے کافی نہیں۔

عیسائیوں کا عقیدہ کفارہ:

یہ انگریز جن کو تم عقلمند اور ہوشیار سمجھتے ہو یہ نرے جانور ہیں۔ اس وقت عیسائیوں کی
اکتالیس (۴۱) حکومتیں ہیں اور ہر حکومت کے جھنڈے پر صلیب (✝) کا نشان ہے۔ یہ
کراس (CROSS) ان کا ایک عقیدہ ہے جس کو کفّارے کا عقیدہ کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گناہوں سے پاک کرنا چاہا۔ چونکہ ان سب انسانوں کو جہنم میں ڈالنا اُس
کے رحم کے خلاف ہے اور سزا نہ دینا انصاف کے خلاف، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے لاڈلے بیٹے
حضرت عیسیٰؑ کو دشمنوں کے ذریعے قتل کرا کے، ان پر جہنم میں تین دن گزارے اور یہ سب لوگوں کی
گناہ کے بدلے کفارہ ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

گناہ ایک کرے، سزا دوسرے کو ملے:

یہ مفروضہ دنیا کا کوئی عقلمند مان سکتا ہے کہ گناہ ایک کرے اور سزا دوسرے کو ملے؟ کبھی
آپ نے خیبر ایجنسی میں اس طرح کا کوئی فیصلہ کیا ہے کہ مسجد سے کوئی بدمعاش یا نشئی جوتے
چرائے اور آپ جا کر مسجد کے امام صاحب کو مارنا شروع کر دیں؟ کوئی بھی اس طرح نہیں کر سکتا۔
یہی مثال ان کے اس عقیدہ کی ہے کہ گناہ ہم کریں اور اُس کی سزا حضرت عیسیٰؑ کو ملے۔ انا للہ
وانا الیہ راجعون. یہ ان عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔

یہاں پشاور اور ٹیکسلا وغیرہ میں عیسائیوں کے مشنری سکول اور ہسپتال ہیں۔ یہ کیوں
یہاں آئے ہیں اور پیسہ لگا رہے ہیں؟ ان کی پرچی پر لکھا ہوتا ہے کہ "تم بھی یہ عقیدہ بنا لو کہ
حضرت عیسیٰؑ ہمارے گناہوں کی پاداش میں سُولی پر چڑھائے گئے تھے اور جب یہ عقیدہ رکھو گے تو

کامیاب ہو جاؤ گے"

اگر عقل نوع انسانی کو صحیح راہ دکھلا سکتی تو یہ لوگ ہدایت یافتہ ہوتے۔ رواجی زندگی بسر کرتے ہیں۔ بہت سے مسلمان بھی اپنے رسم و رواج کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ پگڑی جو ہم باندھتے ہیں، مبارک عمل ہے اور آپ ﷺ کی سنت ہے۔ ہم اس کے قائل ہیں لیکن بہت بڑی پگڑی باندھنا، یہ رواج ہے۔ (پگڑی بڑی ہو یا چھوٹی، ہری ہو یا سیاہ اس میں رواج سے نکلنے کے لیے اتباع سنت کی نیت رکھنا ضروری ہے۔ ذاکر حسن)

پچیس گز کی پگڑی:

ہمارے ساتھ بلوچستان کا ایک طالبعلم تھا وہ پچیس گز کی پگڑی باندھتا تھا اور وہ بھی کلف شدہ۔ ۲۵ گز کی پگڑی باندھ کر تو آدمی اس طرح لگتا ہے جیسے کسی زمیندار کے سر پر بڑی گٹھڑی ہو۔ میں اس کو اکثر کہتا کہ کم بخت! تم بس کو کیسے چڑھا کرتے ہو؟ تو کہنے لگتا: میں پہلے پگڑی کو اندر کرتا ہوں پھر خود چڑھ جاتا ہوں۔ یہ بھی ایک رواج ہے۔ ایک بار کہنے لگا کہ اس پگڑی سے تو خان عبدالغفار خان صاحب کو بھی دھوکہ لگا تھا۔ وہ کوئٹہ شہر آیا ہوا تھا وہاں ایک جلسہ ہو رہا تھا، میں بھی اس جلسے میں شریک ہو گیا۔ میں نے یہ پگڑی باندھ رکھی تھی۔ خان صاحب کی مجھ پر نظر پڑی تو سوچا شاید یہ اس علاقے کا بڑا سردار ہے۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اس سردار کو بلا کر میرے ساتھ بٹھا دو۔

آفریقہ کے لوگوں کا بیہمانہ رواج:

اگر کبھی آپ حج کرنے چلے گئے، تو وہاں آفریقہ کے مسلمانوں کو دیکھ لو گے کہ ان کے چہروں پر داغ کے لمبے لمبے سیدھے، ترچھے یا کراس کی طرح نشان ہوتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ

ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ جس روز بچہ پیدا ہو جاتا ہے، ہم نے پہلے سے اس کے لیے لوہے کی سلاخیں گرم کی ہوتی ہیں، اُس کے ذریعے اس کے چہرے کو داغتے ہیں جس سے اس کا چہرہ زخمی ہو جاتا ہے بعد میں آہستہ آہستہ یہ زخم بھر جاتے ہیں لیکن نشانات ساری عمر قائم رہتے ہیں اور یہ سب اس لیے تاکہ قوموں کے درمیان اس کی پہچان آسان ہو اور اس کے حلالی یا حرامی ہونے کا بھی پتہ چلے۔

یہ کیسی بیوقوفی ہے۔ یہ سب ان کا رواج ہے۔ اپنے قوموں کی شناخت اس کے ذریعے سے کرتے ہیں۔

پٹھانوں کا رواج:

ہم پٹھانوں میں رواج ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو یہ حلوہ پکاتے ہیں۔ بعض علاقوں میں تو کباب پکاتے ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ یہ کیوں؟ کہنے لگے کہ اس مردے نے نزع کی سختیاں برداشت کی ہیں جس سے منہ کا ذائقہ خراب ہو گیا ہے اس لیے کباب کے ذریعے سے وہ درست ہو جاتا ہے۔ یاد رکھیں! مردے کو ہر چیز کا ثواب پہنچتا ہے۔ چاہے حلوہ پکائیں، کباب پکائیں یا کوئی اور چیز پکائیں لیکن کسی چیز کو بالخصوص مقرر کرنا اور اسکی پابندی کرنا، ہماری شریعت اس کے خلاف ہے۔ جتنی بھی وسعت ہو اور جب بھی وسعت ہو جائے تو خیرات کرلو۔ یہ لوگ جو خصوصیت کے قائل ہیں یہ اپنے لیے زندگی مشکل بنا رہے ہیں۔

غصے اور وہم سے بھی عقل متاثر ہوتی ہے (میڈیکل کالج کے سٹوڈنٹ کا دلچسپ واقعہ):

یاد رکھو! کہ صرف عقل انسان کو راستہ نہیں دکھا سکتی۔ اسی طرح غصے اور وہم کے وقت بھی عقل کام نہیں کرتی۔ مجھے خیبر میڈیکل کالج پشاور کے ایک لڑکے نے بتایا کہ جو لاش لاوارث ہوتی

ہے اس پر میڈیکل کے اسٹوڈنٹ تجربے کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک لڑکا ایک مردے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا تو ایک دوسرے لڑکے نے کہا کہ ''کمبخت! اسے زیادہ مت چھیڑو، ورنہ کہیں یہ اُٹھ کر بیٹھ نہ جائے''۔ یہ ایک وہم کی بات تھی۔ وہ چھیڑنے والا لڑکا ہنسا، کہ مردہ بھی کہیں زندہ ہوا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ کیوں نہیں ہوا؟ کیا تم بالکل نہیں ڈرتے؟! اگر ایسا ہی ہے تو کیا تم رات کو اکیلے یہاں آسکتے ہو؟ اس نے جواب دیا: کیوں نہیں۔ تو طالب علم نے کہا کہ اچھا تو شرط لگاؤ، مگر یہ کیسے معلوم ہوگا کہ تم رات یہاں آئے تھے۔ ایسا کرتے ہیں کہ ہم تمہیں ایک چیز بطور نشانی دیدینگے تم وہ چیز مردہ کے ساتھ رکھو گے۔ اس شریر طالبعلم نے حامی بھرلی۔

جب رات ہوئی تو اُن دو لڑکوں نے اِسے ٹافیاں دیں کہ یہ اُس مردے کے منہ پر رکھ آؤ۔ مگر شرط یہ ہوگی کہ لائٹ نہیں جلاؤ گے۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ اب یہ طالب علم اُس اسٹور کی طرف گیا جہاں مردہ پڑا ہوا تھا اور وہ دونوں لڑکے دوسرے راستے سے وہاں گئے اور اُس مردے کو ہٹا کر خود اسکی جگہ پر ایک لڑکا لیٹ گیا اور وہی مردے والی چادر اپنے اوپر ڈال دی۔ اب جب وہ پہلا لڑکا مردے کے قریب پہنچا تو اسکے دل میں پہلے تو یہ خیال گزرا کہ کہیں یہ مردہ اُٹھ کر بیٹھ نہ جائے۔ لیکن پھر سوچا کہ یہ تو مردہ ہے، کیسے اُٹھے گا؟ چنانچہ اسکے قریب ہوا اور دور سے ہی ایک ٹافی اس کے منہ میں پھینک دی۔ چونکہ وہاں تو زندہ لڑکا لیٹا ہوا تھا اس لیے اس نے کہا ''ایک ٹافی اور بھی'' یہ سنتے ہی لڑکا گھبرا گیا، اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ فوراً دوسرے ساتھیوں نے آکر اسکو اُٹھایا اور ہاتھ پاؤں مل کر اسے ہوش میں لے آئے۔

یہ سب کچھ وہم کی وجہ سے ہوا۔ وہم ایسی چیز ہے کہ دن کو آدمی قبرستان میں سے گزرتا رہتا ہے، لیکن رات کو اُسی راستے سے نہیں گزر سکتا۔ یہ بھی وہم کی بات ہے۔ عقل انسان کو ''صراط

مستقیم'' نہیں دکھا سکتی۔ دنیا میں کتنے عقلمند موجود ہیں کوئی کیا کہہ رہا ہے، کوئی کیا، اور نظریہ کے اعتبار سے جدا جدا ہیں۔ اس لیے اللہ پاک نے پیغمبر اور انبیاءؑ کو بھیجا اور پھر ان کے آخر میں سب کے سردار حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

پیغمبر کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا:

عزیز بھائیو! پیغمبر ﷺ وہ ذات اور ہستی ہوتی ہے جو رواج سے متاثر نہیں ہوتی۔ وہ رسم ورواج کو بدل دیتے ہیں۔ وہ وہم وخیال سے متاثر نہیں ہوتے۔ غصہ اور شہوت سے مغلوب نہیں ہوتے۔ وہ کسی کی دولت سے مرعوب نہیں ہوتے۔ وہ کسی کی حکومت اور دولت کی پرواہ نہیں رکھتے۔ اگر پیغمبر تشریف نہ لاتے تو اچھے برے کی تمیز کون کراتا؟ مثلاً آپ داڑھی منڈانے کو خوبصورتی کا معیار کہتے ہیں اور میں داڑھی رکھنے کو، اب ہم کو اس میں اچھے برے کی تمیز کون کراتا؟ آپ اپنی رائے کو درست جانتے ہیں اور میں اپنی رائے کو۔

ہندو کہتے ہیں کہ گائے خدا ہے جبکہ ہم کہتے ہیں کہ گائے خدا نہیں۔ تو یہ فیصلہ کون کرائے گا؟ پھر کارل مارکس کہتا ہے کہ انسان شروع سے ہی انسان ہے جبکہ ڈارون کا نظریہ اس سے مخالف ہے اس کا فیصلہ کون کریگا؟

اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے ہیں۔ پیغمبر اور ان کی تعلیمات وہ روشنی ہے جس سے انسان کو ہدایت ملتی ہے۔ اگر پیغمبرؑ نہ ہوتے تو انسان نہ حواس سے راستہ معلوم کر سکتا تھا، نہ اپنی عقل سے۔ پیغمبرؑ انسان کو عقیدہ، اخلاق اور زندگی کا وہ نظام سکھاتے ہیں جو انسان اپنی سوچ سمجھ سے معلوم نہیں کر سکتے۔ اگر میں ان دوسرے باطل نظاموں کے بارے میں آپ کو بتاؤں تو حیران رہ جاؤ گے کہ یہ لوگ کس لعنت میں مبتلا ہیں۔ ایک بات کر کے اپنا بیان ختم کرتا ہوں۔

صوبہ سرحد میں اسلام:

حضور ﷺ کی وفات کے ۳۵ برس بعد صوبہ سرحد تک اسلام پہنچا ہے۔ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں پشاور فتح ہوا ہے ۴۵ھ میں۔ جبکہ کابل ۲۵ھ کو حضرت عثمان کے دور میں عبدالرحمن بن سمرہؓ نے فتح کیا۔ اس زمانہ کے شہداء اب بھی وہاں موجود ہیں۔ پھر حضرت علی ومعاویہؓ کے اختلافات کے زمانہ میں فتوحات رک گئیں۔

۴۰ھ میں حضرت معاویہؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپؓ نے ہندوستان کے سرحدات کو فتح کرنے کے لیے فوج بھیجی، یہ فوج خوست اور پکتیا کے راستہ سے ہوتی ہوئی یہاں پہنچی اور کوہاٹ، بنوں، ڈیرہ اسماعیل خان، خوشحال گڑھ کو فتح کیا۔ یہاں دوبارہ بغاوت شروع ہوئی تو انہوں نے ایک گورنر کو پیغام بھیجا کہ ایک بہادر جرنیل بھیج دیں۔ اس نے ایک صحابی حضرت سنان بن سلمہؓ بن محبق کو بھیجا اور انہوں نے دوبارہ اس علاقہ پر قبضہ کر کے پشاور کو بھی فتح کرلیا۔ یہ صحابی (حضرت سنانؓ) آپ ﷺ کے زمانہ میں کمسن تھے جبکہ ان کے والد بڑے درجے کے صحابی ہیں۔

پشاور کا نام اُس وقت بدھیا تھا، پھر پیشہ آور ہوا۔ سوات، باجوڑ اور دیر کے لوگ جو بت پرست تھے، انہوں نے فوج اکٹھی کی اور مٹے جٹے (جو پشاور سے دس میل دور ہے) کے قریب جنگ لڑی اور یہ صحابی بمع دیگر ساتھیوں کے اس جنگ میں شہید ہوئے۔ اصحاب باباؒ یہی صحابیؓ ہیں۔ پھر چارسدہ (پشلاورئی) وغیرہ فتح ہوا۔

مقصد کلام:

یہ سب کچھ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے ۳۵ سال بعد بھی جہاد جاری تھا اور صحابہؓ نے فتوحات کا سلسلہ پشاور تک پہنچایا اور لوگوں کی زندگیاں بدل دیں۔ اس وقت نہ تو

ریڈیو تھا، نہ گاڑیاں اور نہ ہوائی جہاز، لیکن اتنی تیز رفتار فتوحات ہوئیں۔

ایک ہندو سیرت نگار کی حق گوئی:

ایک ہندو مؤرخ ہے جس نے آپ ﷺ کی تاریخ لکھی ہے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ "اے لوگو! ایک انسان مکہ میں پیدا ہوا۔ ایسا شہر جہاں نہ تو سکول تھے، نہ کالج، نہ مدرسہ، نہ کوئی اور ثقافتی مرکز لیکن وہ چند سالوں میں ایک ایسا منظم اور مضبوط جماعت تیار کرتا ہے جو ہندوستان اور دیوارِ چین تک فتوحات حاصل کرتا ہے۔ اگر یہ ان کی حقانیت کے لیے ایک دلیل اور معجزہ نہ ہو تو آخر دلیل اور معجزہ اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے؟"

وہ لوگ جن پر یہ روشن خیال ہنستے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں کہ یہ مُلا اور صوفی لوگ تھے، انہوں نے یہ ملک کیسے فتح کیے تھے۔ آج کے یہ لوگ جنہوں نے فرانس یا انگلینڈ سے تعلیم حاصل کی ہے ان سے تو ملک واپس چھین لیے گئے لوگ ان پر ہنستے ہیں اس لیے کہ یہ پیغمبر ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے والے نہیں۔

"آج مسلمان ذلیل کیوں ہیں؟" (مسلمانوں کے جرگہ سے ایک انگریز کا سوال):

انگریزوں کے زمانہ میں ہمارے ملک کا ایک جرگہ انگلینڈ گیا تھا۔ ایک انگریز نے ان سے کہا کہ یہ کیا وجہ ہے کہ ہم جب تمہارے اکابر کی تاریخ پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام سن کر بھی ہمارے اسلاف کانپ جاتے، حالانکہ وہ گنتی کے اعتبار سے کم تھے، اسلحہ بھی ان کے ساتھ کم ہوتا تھا، جبکہ ہماری اصطلاح میں وہ مہذب بھی نہ تھے لیکن ہمارے اکابر ان سے ڈرتے تھے۔ اور ایک تم ہو اور موجودہ سب مسلمان کہ ہم سے زیادہ اچھی طرح انگریزی بول سکتے ہو۔ کوٹ پتلون اور ٹائی ہم سے اچھی باندھتے ہو، لیکن اس کے باوجود تم ہمیں بال سے بھی زیادہ حقیر

نظر آتے ہو۔ یہ کیوں؟

اُس جرگے میں ایک عقلمند آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ تم ہمارے اکابر سے اس لیے ڈرتے تھے کہ ان کی تہذیب، ان کی زبان، ان کا رہن سہن اپنا تھا اور آپ کی ثقافت اپنی تھی۔ وہ تمہیں دشمن کی نظر سے دیکھتے تھے اور تم اُن کو۔ جبکہ ہم نے تو آپ کی زبان آپ کی شکل، آپکا لباس، آپکا قانون اور آپکی تہذیب کو اپنایا ہے۔ (ہمارے علاقے میں جاگیردار اور خان ہوتے ہیں۔ صرف دس جریب زمین کے مالک ہونگے لیکن جب وہ ولیمہ کا پروگرام کرتے ہیں تو کھڑے ہوکر کھانا کھلاتے ہیں۔ اے انسان نما جانورو! یہ تو تم انگریزوں کی نقل کررہے ہو) اور قاعدہ ہے کہ نقال سے کوئی نہیں ڈرتا۔ جب تک ہم ذہنی طور پر غلام رہیں گے، انکی نقل اتاریں گے اور اس عظیم روشنی (اسلام) سے ہدایت حاصل نہیں کریں گے۔ تب تک اسی طرح ذلیل رہیں گے، نہ ہمارے پیچھے کوئی چلے گا اور نہ ہماری عزت ہوگی۔

اور جو شخص اپنے دین، اپنی تہذیب اور اپنے لباس پر فخر کریگا۔ اس سے لوگ ڈریں گے، وہ غیرتمند ہوگا اور اس کا رعب ودبدبہ بھی قائم ہوگا۔

یہی عزت اللہ تعالیٰ ہمارے ان بڑوں کو بھی عطا کرے۔ ہم اپنی اس قوم کے خیرخواہ ہیں۔ صدر کے بھی، وزراء کے بھی اور لیڈروں کے بھی۔ ان سب کی خیرخواہی اسی میں ہے کہ آپ ﷺ کے مبارک طریقوں کو اپنائیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو بھی ہدایت نصیب فرمائے اور ہم، آپ کو بھی۔ آمین، ثم آمین

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علیٰ المرسلین
والحمد للہ رب العالمین۔

دنیا کی حرص ومحبت

سُبْحَانَکَ لَاعِلْمَ لَنَااِلَّامَاعَلَّمْتَنَااِنَّکَ اَنْتَ العَلِیْمُ الْحَکِیْم ٥

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِاَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا،مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ،وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ،وَنَشْھَدُاَنْ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ،وَنَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا، وَسَنَدَنَا، وَحَبِیْبَنَا، وَشَفِیْعَنَا،وَرَحْمَتَنَا،وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًاعَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم. ﴿ کلّا بل تحبون العاجلة ٥ وتذرون الاخرة٥ ﴾[سورة القیامة / ۲۰،۲۱]

صدق اللّٰہ مولٰنا العظیم.

درود شریف پڑھیے:

اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا،ونبینامحمدٍ،وعلیٰ اٰل سیدنا ونبینامحمدٍ،اللّٰھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمدٍ وسلم

علیہ.

میرے قابل قدر بزرگو اور محترم دوستو بھائیو!

پچھلے جمعہ کو میں نے اخلاق کے سلسلہ میں بیان شروع کیا تھا۔ آج ایک خلق کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ خصلت دنیا کی حرص اور محبت ہے۔ یہ بہت بُری خصلت ہے۔ اس کے مقابلہ میں دنیا کی نسبت آخرت سے محبت اور دنیا سے بے رغبتی ایک بہت ہی اچھی اور نیک خصلت ہے۔ لیکن پہلے سمجھ لیجیے کہ دنیا کس کو کہتے ہیں اور دنیا کی محبت کسے کہتے ہیں، جو نقصان دہ چیز ہے۔

دنیا کسے کہتے ہیں......؟:

دنیا اس چیز کو کہتے ہیں ''جو آدمی کو اللہ اور اس کے رسول کی یاد سے غافل کردے''، جسکی وجہ سے انسان نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ عبادات سے رہ جاتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں کسب اور کمائی کو دنیا نہیں کہتے۔ نوکری اور زمینداری کو دنیا نہیں کہا جاتا۔ یہ تو ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے، جیسے نماز پڑھنا انسان پر فرض ہے اسی طرح سے اپنے لیے حلال روزی کمانا بھی فرض ہے۔ خواہ وہ نوکری کی شکل میں ہو، زمینداری کی شکل میں ہو، تجارت کی شکل میں ہو یا کسی صنعت وحرفت کی شکل میں۔ کوئی نہ کوئی کسب اپنانا تو ضروری ہے، اس لیے کہ سید الکائنات ﷺ ایک حدیث شریف میں فرماتے ہیں ''طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ'' اللہ تعالیٰ کے فرائض کے بعد حلال روزی کمانا دوسرے نمبر پر فرض ہے، لیکن دنیا کی محبت اچھی نہیں اور دنیا کی محبت کو ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ نے ہر گناہ کی جڑ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے'' حب الدنیا رأس کل خطیئۃ''۔

دنیا کی محبت کیا چیز ہے......؟:

اب دنیا کی محبت کیا چیز ہے؟ تو دنیا کی محبت اس کو کہتے ہیں کہ آدمی اپنے کام کاج کے اندر اتنا مصروف ہو جائے کہ اُس سے نماز، زکوۃ، روزہ، حج اور اچھے اخلاق چھوٹ جائیں اور دن رات دیوانوں کی طرح سرگردان رہے۔ شریعت مطہرہ اس کو پسند نہیں کرتی۔ دنیا کا کام کرو لیکن آخرت کو بھی مت بھولو۔ دنیا کا کام کرو لیکن یہ بھی سوچو کہ جس طرح سے دنیا کی چند روزہ زندگی کے لیے محنت کررہا ہوں، اسی طرح آخرت کے لیے بھی محنت کرنی چاہئے کہ وہ تو لامتناہی زندگی ہے۔ دنیا کیلئے دنیا کی زندگی کی مناسب کام کرو اور آخرت کے لیے آخرت کی زندگی کے مناسب محنت کرو۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال ہوتا ہے کہ جو ملنگ (درویش) ہو، مقبروں میں اُٹھتا بیٹھتا ہو، اور وہیں رہائش پذیر ہو، بوسیدہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہو، تو یہ بڑا خدا رسیدہ بندہ ہوتا ہے۔ یہ سراسر غلط خیال ہے۔ یا یہ کہ جس کیساتھ بنگلہ ہو، موٹر کار ہو، یہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے۔ یہ بھی غلط نظریہ ہے۔ اللہ کا قرب اور بُعد دل کیساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اگر کوئی ملنگ دنیا کی غرض سے وہاں بیٹھا لوگوں سے پیسوں کا سوال کرتا ہو، چرس اور گانجہ پیتا ہو؛ تو یہ دُنیا جہاں کا منحوس ترین انسان ہے۔ اس کی دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد ہے۔

اسکے مقابلہ میں وہ آدمی جو بنگلہ میں رہتا ہو، لیکن اللہ کو ہر وقت یاد رکھتا ہو۔ اللہ کے انعامات کا شکر ادا کرتا ہو، نماز پڑھتا ہو، زکوۃ ادا کرتا ہو، روزے رکھنے کا پابند ہو، حج کی

ادائیگی کے لیے جاتا ہو، تکبر نہ کرتا ہو، تو یہ اللہ تعالیٰ کا دوست اور ولی ہے۔ پھٹے پرانے کپڑوں سے کوئی اللہ کا قرب حاصل کرسکتا ہے اور نہ ہی بنگلوں اور موٹر کاروں سے اللہ سے دوری پیدا ہوتی ہے۔ یہ دوری اور قرب سب آدمی کے عقیدہ، عمل اور اخلاق و کردار سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم لوگوں کا یہ خیال ہے کہ صحابہ کرامؓ سب فقیر تھے۔ یہ بجا ہے کہ ان میں فقراء بہت تھے، اور وہ اس لیے کہ اس زمانہ میں کسب کے اسباب اتنے نہ تھے لیکن پھر بھی ان میں سے مالدار بھی بہت تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی وصیت:

ایک صحابیؓ ہیں حضرت زبیرؓ، احادیث میں ان کا تذکرہ بھی آیا ہے۔ ''حدیث وصیۃ زبیرؓ'' ایک مشہور حدیث ہے، جو اُن کی وصیۃ کے بارے میں ہے۔ آپؓ نے وفات کے وقت اپنے بیٹے کو بلا کر وصیت کی تھی کہ میرے ذمے لوگوں کا قرض ہے۔ میرے مرنے کے بعد میری جائیداد، دوکانیں اور مکانات فروخت کردو اور قرض ادا کردو۔ اگر قرض ادا نہ ہوا تو میرے مولیٰ (اللہ جل جلالہ) سے امداد مانگو اور اگر قرض پورا ادا ہوجائے اور پھر بھی کچھ بچ جائے تو اسمیں سے تیسرا حصہ اللہ کی راہ میں خیرات کردو اور باقی دو حصے ورثا میں تقسیم کردو۔

بخاری شریف میں اس روایت کا ذکر آیا ہے۔ آپؓ کے پندرہ گھر تھے اور کچھ زمین اور جائیداد بھی تھی۔ آپؓ کے بڑے بیٹے عبداللہؓ نے وصیت کے مطابق یہ سب کچھ فروخت کیا، اُس وقت اس سے پانچ کروڑ اٹھانوے لاکھ (۵۹۸۰۰۰۰۰) کی رقم بن گئی۔ اُس وقت کے اتنے پیسوں سے آج کے اربوں کھربوں روپے بنتے ہیں۔ آپؓ

پر قرض بائیس لاکھ (۲۲۰۰۰۰۰) کا تھا، وہ ادا کردیا گیا۔ پھر تیسرا حصہ وصیت کے مطابق خیرات کردیا گیا۔

اس کے بیان سے میرا مقصد یہ ہے کہ یہ اتنے مبارک صحابیؓ ہیں کہ دنیا میں ان کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی تھی۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ لیکن دنیا بھی خوب رکھتے تھے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کا مال و دولت:

ایک اور صحابیؓ ہیں جن کا نام حضرت طلحہؓ ہے۔ آپؓ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپؓ کے پاس بھی تجارت کے لیے چاندی اور سونا ہوا کرتا تھا۔ کبھی کبھار چاندی پر زنگ لگ جاتا ہے، تو جب اُس پر زنگ لگتا، آپؓ اُس کو باہر دھوپ میں رکھتے اور اس پر سے گدھوں کو دوڑاتے، تاکہ زنگ اُتر جائے۔ اندازہ لگائیں کہ ان کے پاس کتنی چاندی تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ:

حضرت عثمانؓ تو بہت ہی مشہور صحابیؓ ہیں۔ پٹھان اُنہیں عثمان غنیؓ کہا کرتے ہیں۔ یہ ''غنی'' کا لقب ان کی کوئی مخصوص صفت نہیں تھی۔ یہ تو ویسے ہی اُردو اور پشتو زبانوں میں اُن کیلئے خاص طور سے بولا جاتا ہے۔ ان کی مخصوص صفت تو ''ذوالنورین'' ہے۔ اُن کو ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا کرو۔ ''حضرت عثمان ذوالنورینؓ''، یعنی حضرت عثمانؓ، دو نوروں والے۔ نورین سے مراد آپ ﷺ کی دو بیٹیاں ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کی ایک بیٹی انکی نکاح میں تھی۔ وہ جب فوت ہوئیں تو پھر آپ ﷺ نے دوسری بیٹی ان کے نکاح میں دے دی۔ پھر وہ بھی فوت ہوگئیں۔ دنیا میں آپؓ کے علاوہ ایسا کوئی شخص نہیں گزرا جس کے پاس پیغمبر کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے نکاح میں رہی ہوں۔

سونے کے دانت:

آپؓ نے سونے کے دانت لگائے ہوئے تھے۔ شریعت میں کسی دانت کے ٹوٹ جانے کے بعد سونے کے مصنوعی دانت بنوا کر رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح سونے یا چاندی کی میخ دانتوں میں ٹھونکنا یا ٹوٹے ہوئے دانت کو سونے کا کور (غلاف) چڑھانا جائز ہے۔

مسجد نبوی ﷺ کی پختہ تعمیر:

آپؓ بہت مالدار تھے۔ حضور پاک ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی مٹی سے بنی ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے زمانہ میں بھی مسجد نبوی ﷺ مٹی کی بنی ہوئی تھی۔ جس کو ہر چار، پانچ سال بعد نئے سرے سے تعمیر کیا جاتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں فرمایا کہ میں یہ مسجد اپنے پیسوں سے بنواتا ہوں۔ یہ ہمیشہ کیلئے تو کچی نہیں رہے گی۔ ابھی اسلام کا دائرہ پھیل چکا ہے۔ باہر سے لوگ مدینہ منورہ آتے ہیں۔ جب وہ آکر دیکھتے ہیں کہ انکے گھر تو پکی اینٹوں سے بنے ہوئے ہیں اور مسجد مٹی کی ہے۔ تو کہیں اس خیال سے ان کے دلوں میں ہتک کا پہلو نہ نکل آئے اور شریعت مطہرہ کا یہ مسئلہ بھی ہے کہ جس گاؤں کی آبادیاں پکی ہو جائیں تو مسجدیں بھی پکی بنانی پڑیں گی تاکہ لوگوں کے دل میں کراہت اور ہتک محسوس نہ ہو۔

تو حضرت عثمانؓ نے اپنے پیسوں سے پکی مسجد بنوائی۔ اُس زمانہ میں آپ نے اٹلی سے منقش پتھر منگوائے اور برما، رنگون سے ساگوان کی لکڑی منگوائی۔ ساگوان ایک بہت ہی قیمتی لکڑی ہے۔ پہلے ۱۲۰۰ روپے پر فٹ ملا کرتی تھی ابھی معلوم نہیں کہ کیا قیمت ہے۔ حضرت عثمانؓ نے حضور ﷺ کی مسجد پختہ بنوائی، تختوں کو سونے کے پانی سے سنہرا رنگ دیا جبکہ

ستونوں کے نچلے حصہ کو بھی سونے کا پانی چڑھایا۔ بہت سے صحابہؓ ان کے اس کام سے ناراض تھے، اس لیے کہ ان کو تو آپ ﷺ کی مسجد کے نقشہ سے محبت تھی۔ مگر آپؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور پاک ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ فرماتے ہیں ”جو محبت واخلاص کیساتھ خوبصورت مسجد بنائے گا میں اُس کے لیے اسی طرح محبت کیساتھ جنت میں خوبصورت گھر بنادونگا“، میری خواہش ہے کہ جنت میں میرا گھر خوبصورت ہو اس لیے میں یہ مسجد پختہ اور خوبصورت بنا رہا ہوں۔ اگر حضرت عثمانؓ مالدار نہ ہوتے تو یہ کام کیسے کر سکتے تھے؟ ایک مرتبہ آپؓ نے اپنی بیبیوں کو ایک زمین (باغ) دی، بعد میں وہ زمین بارہ لاکھ میں فروخت ہوئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فکر آخرت:

آپؓ مالدار تھے لیکن دنیا کی محبت دل میں موجود نہ تھی۔ آپؓ قبر کو دیکھ کر رونے لگ جاتے۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپؓ تو اتنے بڑے درجے کے صحابیؓ ہیں، آپ نے جہاد کیے ہیں، آپؓ قبر کو دیکھ کر کیوں رونے لگ جاتے ہیں؟ آپؓ نے فرمایا کہ: قبر آخرت کے مراحل میں سے پہلا مرحلہ ہے، موت کے بعد انسان کو قبر میں ہی جانا ہوتا ہے، اگر یہاں آدمی کامیاب ہو جائے تو بعد کی زندگی میں بھی کامیاب ہوگا اور اگر یہاں عذاب میں مبتلا ہوا تو بعد کی زندگی بھی برباد ہوگی۔

ہم سب بھی مر جائیں گے، بلکہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ وہ تو خوش قسمت ہوگا جو قبر میں دفنا دیا جائے کیونکہ اگر کسی کا جی چاہے یا نہ چاہے قبر میں جانا پڑے گا۔ سب سے پہلے ہماری اپنی اولاد ہی ہمیں قبر تک لے جائے گی۔ تو اتنے بڑے صحابیؓ جو دنیا کے کام کاج بھی

کرتے تھے لیکن ساتھ آخرت کو بھی نہ بھولتے تھے۔

اذان سن کر صحابہ کا طرزِ عمل:

اگر ایک صحابیؓ لوہار ہوتا اور ہتھوڑا اُٹھا کر لوہے پر مارنے کا ارادہ کرتا، لیکن جوں ہی اذان کی آواز کانوں میں گونجتی تو اپنا ہتھوڑا وہیں چھوڑ کر مسجد روانہ ہو جاتا۔ اگر کوئی درزی سوئی لیے کسی کپڑے کو سی رہا ہوتا یا کڑھائی کر رہا ہوتا تو اذان کی آواز سنتے ہی سوئی اسی طرح کپڑے میں چھوڑ کر مسجد روانہ ہو جاتا۔

دنیا کی محبت کا پتہ اُسی وقت چلتا ہے۔ اگر ایسے وقت میں آخرت کا تقاضہ چھوڑ کر دنیا کے کام میں مشغول رہے تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ دل میں دنیا کی محبت ہے اور دنیا کی یہ محبت آدمی کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اگر دین کا تقاضہ سامنے آنے پر کہا جائے، کہ ٹھیک ہے دنیا کیلئے ایک مقرر وقت تھا لیکن اب اللہ کے بلاوے کا وقت آ گیا ہے۔ دنیا کا کام دنیا کی مناسبت سے کرونگا اور آخرت کی جو بڑی زندگی آنے والی ہے، اُس کیلئے اُس کے مناسب کام کرونگا۔

دنیا اور آخرت کی زندگی کی مثال:

امام غزالیؒ کی ایک کتاب ہے ''معارج القدس''، اُس میں انہوں نے دنیا اور آخرت کی زندگی کی ایک مثال لکھی ہے۔ دنیا میں اگر کسی کی زندگی ساٹھ سال ہو جائے، تو اس میں سے تیس سال تو رات کے حساب میں گئے اور تیس سال دن کے حساب میں، تیس سال میں آدمی بے خبر سویا رہا جبکہ باقی تیس سالوں میں کچھ بچپن اور کچھ لڑکپن کا زمانہ ہے جسمیں آدمی بالکل ناسمجھ ہوتا ہے۔ دیوانوں کی مانند کھیلتا، کودتا رہتا ہے۔

سنجیدگی، ہوشیاری اور عقلمندی کا زمانہ تو بس تھوڑا سا ہی ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ بیس سال کا عرصہ ملتا ہے جبکہ آخرت کی زندگی کتنی ہوگی؟ اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔

سورج اور زمین کے مابین فاصلہ:

سورج ہم سے نو کروڑ تیس لاکھ (۹۳۰۰۰۰۰۰) میل دور ہے جبکہ آسمان اس سے بھی بہت اُونچا ہے۔ قطبی ستارہ جو ہمیں بہت چھوٹا سا نظر آتا ہے۔ یہ سورج سے پچاس ہزار گنا بڑا ہے۔ لیکن اتنا دور ہے کہ ہمیں چھوٹا سا نظر آتا ہے اور سورج زمین سے تیرہ لاکھ (۱۳۰۰۰۰۰) گنا بڑا ہے مگر ہمیں ایک پرات جتنا نظر آتا ہے، یا مکئی کی روٹی کے برابر (یعنی گول چھوٹی سی ٹکیہ)۔ آسمان ان سب تاروں سے اوپر ہے۔ سورج، چاند، ستارے سب آسمان کے نیچے اپنے اپنے مدار میں گھومتے رہتے ہیں۔ ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے اس کو نظامِ شمسی کہتے ہیں۔ یہ سب سورج کے اردگرد گھوم رہے ہیں، جبکہ سورج اپنی جگہ پر ساکن ہے۔ صبح کا تارا، شام کا تارا، زمین اور سیارے وغیرہ سب گھومتے رہتے ہیں اور آسمان ان سب کے اوپر ہے۔ تو اندازہ کیجئے کہ زمین اور آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہوگا؟

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ اگر زمین سے لیکر پہلے آسمان تک کی فضا رائی (عربی میں اس کو خردل کہتے ہیں) کے دانوں سے بھر دی جائے اور وہاں سے دوسرے آسمان تک کی فضا، پھر تیسرے آسمان تک کی فضا، غرض ساتویں آسمان تک کی ساری فضا رائی کے دانوں سے بھر دی جائے اور ایک پرندہ مقرر کر دیا جائے کہ وہ سو ارب سال بعد اس سے ایک دانہ کھائے۔ تو اس طرح یہ سب دانے ختم ہو جائیں گے، مگر آخرت کی زندگی کبھی ختم نہ ہوگی۔

وہ لامتناہی زندگی ہے۔ ہم تو بہت بھولے بھالے ہیں، اس لیے کہ ایک طرف
ہمارا آخرت اور موت پر یقین ہے اور اپنی آنکھوں سے حوادث اور اموات بھی دیکھتے رہتے
ہیں۔ یہ قبرستان کن لوگوں سے بھرے پڑے ہیں؟ لیکن دوسری طرف اس کی مناسب فکر
نہیں کرتے۔ دنیا کی محبت آدمی کو حرام کاموں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ لوگ حرام کیوں کماتے
ہیں؟ رشوت کیوں لیتے ہیں؟ یہ اس لیے کہ ان کو دنیا کی حرص لگی ہوئی ہوتی ہے۔ ورنہ جب
اپنی تنخواہ پر گزارہ ہوتا ہو تو چاہیے کہ آدمی ساگ پات، شلجم، آلو وغیرہ کھا کر گزارہ کرے اور
اس کے ساتھ مکئی کی روٹی کھایا کرے۔ تاکہ پیٹ بہت زیادہ سیر نہ ہونے پائے۔ لوگ بچوں
کے لیے ہر قسم کا حرام جمع کرتے ہیں، یاد رکھو! جو بچوں کیلئے حرام مال کما کر لاتے ہیں، ان
کے بچے سب سے پہلے اِن والدین ہی کے لیے وبال اور مصیبت بنتے ہیں۔ بچوں کی
خاطر کیوں اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالتے ہو؟ ان کو اللہ تعالیٰ رزق دے گا، پھر تم کیوں فکر
کرتے ہو؟ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، اس کو یہ خوبصورت آنکھیں اور کان
دیے ہیں، تو کیا اسکی روزی کا انتظام نہیں کیا ہوگا؟ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ:

؎ خدا کو بھول گئے لوگ، فکر روزی میں
خیال رزق کا ہے رازق کا کچھ خیال نہیں

صحابہ کرامؓ تجارت کیا کرتے تھے۔ مال کماتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے
بارے میں اٹھارویں پارہ میں بیان فرمایا ہے کہ ﴿رجال لا تلهيهم تجرة ولا بيع عن
ذكر الله واقام الصّلوة وايتآء الزكوٰة، يخافون يوماً تتقلب فيه القلوب
والأبصر O﴾ [سورۃ النور/۳۷] اللہ تعالیٰ کے وہ اچھے بندے ہیں، جو تجارت اور

بیع اسکی یاد سے غافل نہیں ہوتے اور اقامت صلوٰۃ وایتاء زکوٰۃ سے غافل نہیں اور اس کے
ساتھ اُس دن کی فکر رکھتے ہیں، جو بعد میں آنے والا ہے (یعنی آخرت)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے
ہیں کہ یہ میرے پسندیدہ بندے ہیں اور مجھے محبوب ہیں۔

شریعت میں رہبانیت نہیں:

تو مقصد یہ ہے کہ تجارت کرنا، نوکری کرنا، کسب حلال کرنا، دنیا کا کام کاج
کرنا بری بات نہیں کیونکہ شریعت مطہرہ میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا ممنوع ہے۔ یہ وہ
آدمی کر سکتا ہے جس کے کمانے کا کوئی اور انتظام اور بندوبست ہو مثلاً اس کی جائیداد ہو، جو
کاشت کی جارہی ہو، یا کارخانے ہوں اور اسکو وہاں سے آمدنی آرہی ہو لیکن وہ بھی اپنی
جائیداد یا کارخانے وغیرہ کی نگرانی کرے گا۔ ہاں! دنیا کی محبت شریعت کو پسند نہیں اور دنیا کی
یہ محبت آدمی کے عمل سے معلوم ہو جاتی ہے۔ ورنہ سب سے پہلے تو میں اپنے بارے میں کہہ
دونگا کہ میرے دل میں ذرا برابر بھی دنیا کی محبت نہیں ہے، لیکن ایسا نہیں، یہ انسان کے کردار
سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے۔ ایک آدمی صبح سویرے اُٹھتا ہے اور اُس کیساتھ نماز کی فکر ہوتی
ہے، اللہ کو یاد کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ مسجد جانے کی فکر ہوتی ہے، تو سمجھ لو کہ اس کے دل میں
آخرت کی یاد اور فکر ہے۔ اب یہ نماز پڑھ کر دکان چلا جائے تو کوئی حرج نہیں، اور اگر صبح دیر
سے اُٹھتا ہے اور پھر اُسے نوکری کی فکر لگی ہوتی ہے۔ نماز اور اللہ کے یاد کی فکر نہیں ہوتی یا اُس
لمبی زندگی یعنی روز آخرت کی فکر نہیں ہوتی تو یہ نادان اور دنیا پرست ہے اور اس کے دل میں
دنیا کی محبت جاگزیں ہے، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر گناہ
کی جڑ دنیا کی محبت ہے، اس لیے کہ یہ شخص پھر حلال اور حرام کی تمیز نہیں

کرتا، رشوت، ظلم، دغابازی اور دھوکہ، فریب سے خود کو نہیں روکتا۔

آج کل لوگوں کو کیوں اغوا کیا جارہا ہے اور یہ واردات کیوں زیادہ ہورہے ہیں؟ جس اخبار کو اُٹھا کر دیکھو تو کانوں کو ہاتھ لگانے پر مجبور ہو جاؤ گے، کہ ہر اخبار میں کوئی نئی خبر چھپی ہوتی ہے کہ ”فلاں لڑکے کو سکول سے اغوا کرلیا گیا“، ”فلاں آدمی کو گھر سے اغوا کرلیا گیا“، ”فلاں تاجر کو بھرے بازار سے اغوا کرلیا گیا“، ”کسی کے گھر پر دن دیہاڑے ڈاکہ ڈالا گیا“۔ یہ یہی سود خور، مردار خور، حرام خور اور بدمعاش قسم کے لوگ ہوتے ہیں جن کے دل میں آخرت کی فکر اور ڈر نہیں ہوتی۔ جس کے دل میں آخرت کی فکر موجزن ہوتی ہے وہ یہ کام نہیں کرسکتا۔

دنیا اور آخرت کی زندگی کی ایک اور مثال:

دنیا اور آخرت کے بارے میں ایک اور مثال میں نے اپنے استاد محترم سے سنی ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ اگر ایک آدمی کا لاڈلہ بیٹا اور اُسکی قیمتی مرغی دونوں کنویں میں گر جائیں۔ تو اب صاف ظاہر ہے کہ مرغی کو نکالنا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ وہ سو ڈیڑھ سو روپے کی ہوگی لیکن اس کے پاس وقت اتنا ہے کہ صرف ایک چیز کو ہی زندہ نکال سکتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ مرغی کو نکالے گا یا اپنے بیٹے کو؟ اگر مرغی نکال کر لوگوں سے یہ کہہ دے کہ آخر یہ بھی تو میری ہی ملکیت ہے، اس پر میں نے رقم صرف کی ہے، اس لیے اس کو پہلے نکالا ہے۔ تو عقلمند لوگ اسے کہیں گے کہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے، مگر اس وقت بیٹے کا کنویں سے نکالنا اُس کی بہ نسبت زیادہ ضروری تھا۔

اسی طرح جب آخرت اور دنیا کے کام ایک ہی وقت میں جمع ہو جائیں، اور ان

آپس میں ٹکراؤ پیدا ہو جائے تو آخرت والا کام مقدم رکھیں گے۔ ورنہ ایسی ہی مثال ہوگی، جیسے کوئی بیٹے کو کنویں میں چھوڑ کر مرغی کی فکر کرے۔ مرغی کو بھی نکالنا ہوگا لیکن اس وقت اُس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی اس طرف اشارہ فرماتے ہیں: ﴿کلا بل تحبون العاجلة وتذرون الاخرة﴾ تم دنیا سے تو محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ رکھا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا سے محبت کی مذمت بیان کی ہے، دنیا کے کام کاج کی نہیں۔ اس لیے کہ اس دنیا کی محبت نقصان دہ ہے اور محبت یہی ہے کہ آخرت کا کام، دنیا کے کام کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ حرام حلال کی تمیز نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں نہ رہے، مسلمان کا حق مارے، اُس کا مال چوری کرے یا اُس کے مال پر ڈاکہ ڈالے۔ تو یہ سب کچھ دنیا کی وہ مذموم محبت ہوگی جو تم سب کو لے ڈوبے گی۔ ورنہ جو آدمی اپنے لیے حلال روزی کماتا ہے تو اُس کو اللہ تعالیٰ اچھی زندگی عطا فرماتا ہے۔

دنیا کی دلی محبت کی مثال:

ہمارے بزرگ حضرات ابھی کہتے ہیں کہ دل میں دنیا کی محبت اور تعلق کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دریا ہو اور اس میں کشتی چل رہی ہو۔ کشتی میں لوگ سوار ہوں۔ تو جب تک یہ کشتی پانی پر چلے گی، اور جب تک وہ پانی اس کے اندر داخل نہ ہوا ہو تو یہ کشتی صحیح وسالم رہے گی۔ اور دوسری جانب بڑے آرام سے پہنچ جائے گی، لیکن اگر اس میں سوراخ ہو گیا اور پانی اُمیں داخل ہوا، تو کشتی بھی ڈوب جائے گی اور اس کشتی کے سوار بھی۔

اسی طرح کہا جاتا ہے کہ دنیا کا کام تو کرو لیکن دل کو اس کے اوپر رکھو اور اس کو اللہ کی عطا سمجھو۔ اگر دنیا مل رہی ہو تو اس پر خدا کا شکر ادا کرو اور اگر کبھی تنگی آئے تو صبر کرو۔ یہ

نشیب وفراز تو زندگی میں آتے رہتے ہیں۔ اپنے آپ کو دنیا کے پیچھے پاگل نہ بناؤ۔ ورنہ ہمیشہ کے لیے غیر مطمئن اور مایوس رہو گے۔

خودکشیوں کی وجہ اور اس کی سزا:

لوگ خودکشیاں کیوں کرتے ہیں؟ یہ سب دنیا کی حرص اور محبت کی وجہ سے۔ اسی وجہ سے لوگ ذہنی طور پر پریشان رہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ آخرت اور موت کو یاد کیا کرتے تو کبھی خودکشی کرنے پر آمادہ نہ ہوتے، اس لیے کہ جو آدمی خودکشی کرتا ہے تو بظاہر دنیا کے چند روز کی تکلیف سے چھٹکارا پا جاتا ہے، مگر اصل میں آخرت کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ لوگ میری تعریف کریں گے کہ یہ بہت بہادر تھا اس لیے کہ اس نے خودکشی کر لی، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ ہر آدمی اس پر لعنت بھیجتا ہے کہ: لعین! تم نے تو یہ دنیا بھی گنوا دی اور اپنی عاقبت بھی خراب کر لی۔

سردارِ دوجہاں ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے خودکشی کر لی، اپنے آپ کو پہاڑ سے گرایا، یا چھری سے مار ڈالا، تو یہ قیامت تک اسی عمل میں مبتلا ہوگا۔ پہاڑ پر چڑھے گا اور پھر اُس سے گرایا جائے گا، یا چھری کو اپنے اندر گھونپ کر نکالے گا پھر دوبارہ گھونپے گا اور نکالے گا۔ اسی طرح یہ سلسلہ قیامت تک چلے گا۔ اسی طرح جس نے زہر کھا کر خودکشی کی، تو قیامت تک اس کے ہاتھ میں زہر کا پیالہ ہوگا اور یہ اس سے ایک ایک گھونٹ پیے گا۔ یہ تو اس کے برزخ کا عذاب ہوگا اور آخرت کا معاملہ اس سے الگ ہے۔ یہ یاد رکھیں کہ موت کے بعد زندگی کو برزخی زندگی کہتے ہیں۔ اس زندگی میں آدمی گویا تھانہ (حوالات) میں بند ہوتا ہے، اور اس کے حق میں سزا کا حتمی فیصلہ ابھی آیا نہیں ہوتا۔ تو اس شخص کی تھانہ کی

زندگی بھی برباد ہو گی۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ:

جس آدمی کو آخرت محبوب ہو اور پھر وہ دنیا کا کام کرے تو یہ ایسا ہوگا جیسا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تھے۔ یہ ایک بڑے ولی اللہ اور بزرگ گزرے ہیں۔ ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، کسی آدمی نے چپکے سے آکر عرض کیا کہ: حضرت! آپ کی تجارت کا مال واسباب جس جہاز پر آرہا تھا وہ ڈوب گیا ہے۔ آپؒ نے فرمایا: الحمدللہ۔ کچھ دیر بعد پھر وہی آدمی آکر کہنے لگا کہ حضرت وہ جہاز یا کشتی ڈوبنے سے بچ گئی ہے بھنور میں تو پھنس چکی تھی مگر صحیح سالم نکل آئی۔ آپؒ نے پھر فرمایا: الحمدللہ۔ مجلس برخواست ہوئی تو کسی نے پوچھا: حضرت، یہ کیا ماجرا تھا۔ اس آدمی نے پہلے آپ سے کچھ عرض کیا تو آپ نے ''الحمدللہ'' کہا۔ پھر کچھ دیر بعد آپ سے دوبارہ کچھ عرض کیا تو آپ نے ''الحمدللہ'' کہا۔ آپؒ فرمانے لگے کہ: پہلی مرتبہ اس نے مجھ سے کہا کہ کشتی غرق ہو گئی ہے اور تجارت کی رقم اور مال و دولت سب کچھ ڈوب چکا ہے، میں نے یہ سن کر دل کی طرف توجہ کی کہ میرا دل اس سے پریشان تو نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ کوئی پریشانی نہیں بلکہ مطمئن ہے کہ یہ تو خدا کے فیصلے ہیں۔ اُس کا دیا ہوا مال تھا اس نے لے لیا ہے۔ میں نے دل کے اس اطمینان اور خوشی پر ''الحمدللہ'' کہا، کہ شکر ہے میرے دل کو کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوئی اور پھر جب دوبارہ اطلاع آئی کہ وہ مال بچ گیا ہے تو پھر میں نے دل کی طرف توجہ کی۔ میرے دل میں فرحت، خوشی اور تکبر نہیں آیا تھا۔ میرا اعتقاد تھا کہ اللہ نے میرے مال واسباب کو بچالیا ہوگا اور میرا اللہ دیتا بھی ہے اور لیتا بھی ہے۔ میں نے دوبارہ دل کے اس اطمینان پر ''الحمدللہ'' کہا۔

جس آدمی پر کوئی دنیاوی تکلیف آجائے اور اسکا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان ویقین مضبوط ہو تو یہ مبارک آدمی ہے۔

آپؒ کی طالبعلمی کا عجیب واقعہ:

انہی کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپؒ ابھی طالبعلم تھے۔ اس وقت چونکہ روزی کمانے کے اسباب کم تھے، اس لیے اس وقت ان کے پاس دولت بھی زیادہ نہ تھی۔ عراق میں ایک قصبہ ''گیلان'' کے نام سے آباد تھا۔ آپؒ کا تعلق اس قصبہ سے تھا، اسی لیے آپ کو ''گیلانی'' کہتے ہیں۔ آپؒ وہاں سے بغداد علم حاصل کرنے آتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میرے پاس پیسے نہ تھے، اس لیے میں دجلہ کے کنارے کے ساتھ ساتھ چلتا۔ دریا کے کنارے ایک درخت تھا، جس میں ایک قسم کا جنگلی پھل ہوتا تھا۔ جب میرے پاس پیسے ختم ہوجاتے تو کسی سے بھی سوال نہ کرتا۔ آپؒ نجیب الطرفین سید ہیں، یعنی باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی سیّد ہیں۔ بڑے مرتبے کے ولی اللہ ہیں۔ ہم (پٹھان) لوگ اُن کو ''دیولسمی خوان'' (گیارہویں شریف کے پیر) اور کونے کا پیر کہتے ہیں۔ یہ بڑے بزرگ تھے، مگر انکے بارے میں شرکیہ عقائد رکھنا درست نہیں۔ وہ بے شک اللہ کے بندے تھے، لاڈلے بھی تھے لیکن ان سے مانگنا اور مصیبت میں ان کو پکارنا جائز نہیں۔ جیسے کم عقل، بے وقوف اور احمق لوگ ان کو مدد کیلئے پکارتے ہیں۔ ان کے بس میں آپ کیلئے کوئی خیر وشر نہیں۔ خیر وشر کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی سے سوال کرنے میں شرم محسوس ہوتی تھی اس لیے میں اس درخت کے پاس جا کر اس کا پھل توڑ لیتا اور پتے کھا لیتا۔ اُس وقت آپؒ کی طرح

کچھ اور مسکین اور غربا بھی تھے وہ بھی جا کر وہاں سے کھاتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں وہاں چلا گیا تو دیکھا کہ میرے لیے کچھ نہیں بچا ہے اور سب کچھ مجھ سے پہلے ختم ہوچکا ہے۔ اس لیے بھوکا ہی واپس آیا اور مسجد میں بیٹھ کر سبق پڑھنے لگا۔ بھوک کی وجہ سے آنکھوں پر اندھیرا سا چھا گیا تھا، لیکن میں نے عہد کیا تھا کہ کسی سے کچھ مانگنا نہیں۔ اس دوران ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں خوشبودار کھانے کا خوان تھا۔ وہ آدمی مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ انسان جب بھوکا ہو تو غیر ارادی طور پر کھانے کی طرف ذہن جاتا ہے اور منہ میں پانی بھی آجاتا ہے اس لیے میری توجہ بھی اس کھانے کی طرف لگ گئی۔ اس آدمی نے مجھ سے کہا کہ ''بھائی آؤ میرے ساتھ کھانا کھاؤ'' مگر میں نے صاف انکار کرلیا۔ انہوں نے دوبارہ کہا مگر میں نے پھر انکار کیا۔ میں نے سوچا کہ یہ تو غیرت کے خلاف ہے کہ ایک مرتبہ اس کو گھور کر دیکھا اور اب جا کر اس کے ساتھ بیٹھ جاؤں۔ لیکن آپؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اتنی زیادہ بھوک لگی تھی کہ جب وہ آدمی نوالہ منہ کی طرف اُٹھاتا تو میرا منہ بے ساختہ کھل جاتا۔ وہ میری حالت دیکھ کر سمجھ گیا کہ میں بہت بھوکا ہوں اس لیے اب اس نے مجھے کہا کہ ''تجھے اللہ کے ذات کی قسم، کہ میرے ساتھ کھانا کھالو اور شرم محسوس مت کرو''۔ فرماتے ہیں کہ جب اُس نے قسم دی تو میں مجبوراً جا کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور کھانا کھانے لگا۔ وہ مسافر کہنے لگا کہ بھائی میں کسی دوسری جگہ سے یہاں آیا ہوں۔ ایک عورت نے مجھے آتے ہوئے بارہ اشرفیاں دی تھیں کہ بغداد میں میرا بچہ پڑھتا ہے، یہ رقم اُس تک پہنچا دینا۔ میں نے اس کو بہت تلاش کیا مگر وہ مجھے نہ ملا۔ اس لیے میں نے تھک ہار کر اُس کی بارہ اشرفیوں میں سے آدھے درہم سے یہ کھانا خریدا اور یہاں آگیا۔ آپؒ

فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا آپ کہاں سے آرہے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ گیلان سے۔ میں نے پوچھا کہ: اس لڑکے کا نام کیا بتایا تھا؟ کہنے لگا کہ ''عبدالقادر'' یہ سن کر میں خوش ہوا، اور اُس سے کہا کہ میرا نام عبدالقادر ہے اور میں طلبِ علم میں اپنے گاؤں سے یہاں آیا ہوا ہوں۔ یہ رقم میری والدہ صاحبہ نے ہی میرے لیے بھیجی ہے۔ وہ آدمی بہت خوش ہوا اور مجھے گلے لگایا اور وہ رقم مجھے دے دی۔

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی دنیا کی حرص، طمع، لالچ اور اس کی محبت سے بچا کر ہمارے دلوں میں اپنی محبت اور آخرت کی فکر پیدا فرمادے۔

آمین یا رب العالمین
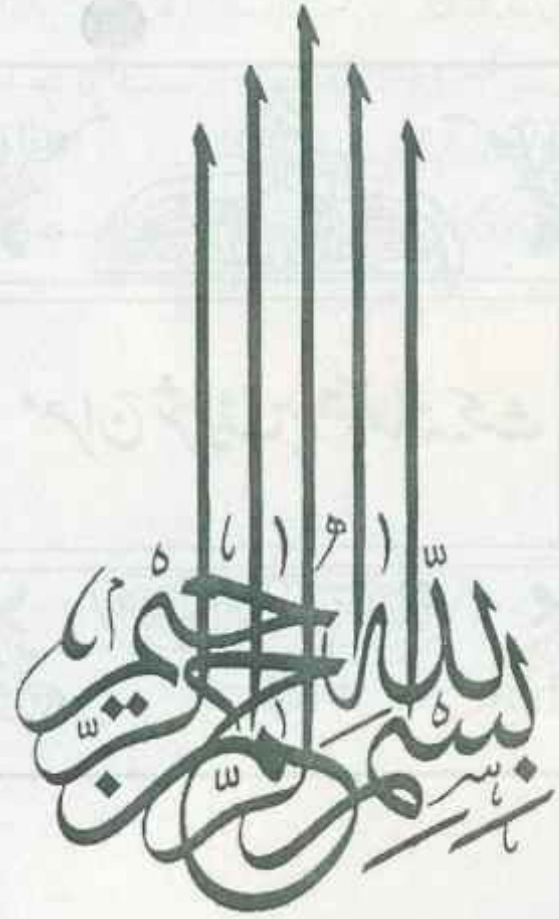
معراج شریف پر متکلمانہ بحث

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین محمدٍ وعلیٰ الہٖ الطیّبین وعلیٰ اصحابہٖ أجمعین.

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم.

محترم، عزیز طلباء ساتھیو!

کل ہم معراج شریف کی حدیث پڑھ چکے ہیں۔اُس پر تاریخی، محدثانہ اور فقہی بحث ہو چکی ہے۔آج اُس پر متکلمانہ بحث کرنی ہے۔

متکلمانہ بحث کا مطلب:

متکلمانہ بحث کا مطلب یہ ہے کہ دشمنان اسلام واقعہ معراج پر کیا اعتراض کرتے ہیں اور علماء اسلام اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔یاد رکھو! یہ باتیں کالجوں میں بھی کام آئیں گی۔کیونکہ وہاں بعض اوقات صرف بے دینی اور شیطانی قسم کی باتیں سکھائی جاتی ہیں، ہدایت کی نہیں۔

کفار واقعہ معراج پر چار اعتراضات کرتے ہیں۔ اب وہ اعتراضات اور ان کے جوابات سن لو۔

پہلا اعتراض:

پہلا اعتراض یہ ہے کہ دنیا میں دو قسم کے فلسفے رائج ہیں: ابرخس کا، اور فیثا غورث کا۔ موجودہ عمومی فلسفہ، فیثا غورث کا فلسفہ ہے۔ امریکہ، روس، چین اور دوسری دنیا اسی پر چل رہی ہے۔ اور ہماری دینی کتابیں، ریاضی، شرح چغمنی، تصریح، مصباح وغیرہ فلسفہ قدیم پر مبنی ہیں، جو فلسفہ ابرخس کہلاتا ہے۔ ابرخس یونانی فلاسفر ہے جو ٦٢٠ (ق،م) میں گزرا ہے۔ یہ فلسفہ یونان سے مسلمانوں نے نقل کیا ہے اور پھر مسلمانوں سے انگریزوں نے سیکھا ہے۔

مسلمانوں میں فلسفہ کی ابتداء کا عجیب واقعہ:

ہارون الرشید نے فلسفہ کے لیے ایک ہال تعمیر کیا تھا جسے ''دار الحکمۃ'' یا ''بیت الحکمۃ'' کہا جاتا تھا۔ اُسمیں مترجمین مقرر کیے گئے تھے۔ جو شخص کوئی کتاب یونانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کرلیتا، تو اُس کتاب کے وزن کے برابر اُس کو سونا دیا جاتا، اور اسکا باعث یہ تھا کہ ہارون الرشید سے کسی نے کہا تھا کہ روم (اٹلی) اور انگریزوں کی مملکت میں اُن کے پاس چند قدیم کتابیں ہیں لیکن انہوں نے وہ محفوظ کررکھی ہیں اور اُن کا دیکھنا بھی ممنوع ہے۔ ان الماریوں پر قفل لگا رہتا ہے۔ ہارون الرشید کا اُن سے اچھا تعلق تھا، اِس لیے اُن سے یہ کتابیں عاریۃً مانگ لیں۔ مملکت روم کے بادشاہ نے اپنے وزراء کو بُلا کر مشورہ کیا کہ مسلمان بادشاہ ہارون الرشید مجھ سے یہ کتابیں عاریتاً مانگ

رہا ہے۔ کیا مشورہ ہے، دے دوں یا نہ دوں؟ اُن میں سے بعض نے کہا کہ یہ قیمتی خزانہ ہے بالکل نہ بھیجیں کہ دشمن اس سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ لیکن بعض نے کہا کہ یہ فلسفہ جس دین کے ساتھ بھی خلط ہوا ہے، اُس کو ضرور نقصان پہنچایا ہے۔ ہم نے بھی اسی لیے یہ کتابیں محفوظ کررکھی ہیں کہ یہ ہمارے دین کو نقصان پہنچانے والی ہیں۔ یہ کتابیں ان کو دے دیں تاکہ ان کے دین کو نقصان پہنچے۔

فیصلہ اس بات پر ہوا کہ ۵۰۰ اونٹوں پر ان کتابوں کو لاد کر بغداد پہنچائیں۔ ہارون الرشید نے دار الحکمۃ میں اس خزانے کو سنبھال کر رکھا اور اسمیں ایک یہودی، ایک عیسائی اور دو مسلمان مترجمین مقرر کیے تاکہ یونانی زبان سے عربی زبان میں اسکا ترجمہ کرلیں۔ ان میں سے ارسطو کی (جسکا اصل نام ارسطاطالیس ہے) بتیس ۳۲ کتابیں عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں۔ اس کے بعد پھر مامون الرشید نے اسکو زیادہ ترقی دی۔

اس فلسفے کا پہلا اثر ''معتزلہ کا وجود'':

اسی فلسفہ کے نتیجہ میں معتزلہ پیدا ہوئے اور پروان چڑھے۔ اس لیے کہ ان کا سب استدلال عقلیات پر تھا اور مامون خود بھی معتزلی ہوگیا۔ قضاۃ بھی سب معتزلی بن گئے، لیکن بدقسمتی سے وہ مذھباً احناف تھے۔ فروع میں احناف اور عقائد میں معتزلہ تھے۔ اسی لیے امام احمدؒ فرماتے تھے کہ ''خدا جانے مامون کیساتھ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کیا معاملہ فرمائیں گے کیونکہ یہ شر سب اس کا پیدا کردہ ہے'' لیکن محدثین پر چونکہ ظاہریت کا غلبہ تھا اس لیے وہ معتزلہ کا جواب اُن کی زبان (فلسفہ) میں نہ کرسکے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور گروہ پیدا کیا جس کو متکلمین کہتے ہیں۔ انہوں نے اس فرقہ زائغہ کا جواب ان کی زبان (فلسفہ) میں

دیا اس لیے متکلمین نے اسلام کو مضبوط کیا ہے۔ محدثین کرام ان کا جواب نہ دے سکے، جبکہ متکلمین بحث و تمحیص سے منہ توڑ جواب دیا۔

علمِ کلام کا مقصد:

علم کلام کا ایجاد فرق باطلہ کی تردید کے لیے ہوا ہے۔ اسی وجہ سے محدثین علم کلام کے مخالف تھے، لیکن حقیقت میں متکلمین نے اس کے ذریعے سے اسلام کی خدمت کی ہے۔ اب یہاں پر چونکہ ہمارا تعلق ایک مسئلہ کیساتھ ہے اس لیے اُس پر بحث کرتے ہیں۔

معتزلہ کی گمراہی کا بنیادی سبب:

معتزلہ کی گمراہی کا بنیادی سبب **تحسین الظن بالعقل** تھا وہ اپنی عقل پر زیادہ اعتماد کرتے تھے، اور نقل (یعنی منقولات) کو عقل کے تابع سمجھتے تھے۔ وہ آیات کریمہ یا احادیث مبارکہ جو اُن کی نظر میں عقل کے خلاف تھیں، انکا یا تو انکار کر لیتے یا ان میں عقلی تاویل کرتے۔ متکلمین نے ان کا تعاقب کیا، اس لیے کہ ہر زمانہ میں جس طرح کا فتنہ ہو، اسی کی زبان میں اسکا جواب دینا ہوتا ہے تا کہ انہی کے دلائل سے اُن کو شکست ہو، اور شکر ہے کہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ: ''**النقل الصحیح لایعارض العقل الصریح**'' یعنی صحیح نقل (قرآن وحدیث) عقل صریح کے مخالف نہیں ہو سکتی۔ البتہ بعض کی عقل اس بات کا ادراک کر سکتی ہے اور بعض کی نہیں۔

''ما فوق العقل'' اور ''خلاف العقل'' میں فرق:

ہمارے دین میں مافوق العقل باتیں تو ہیں لیکن خلاف العقل نہیں۔ خلاف العقل اُس کو کہتے ہیں جو اجتماع نقیضین یا ارتفاع نقیضین کو مستلزم ہوں، اور مافوق العقل وہ ہے جس

تک عقل کی رسائی نہیں ہوتی۔ معجزات سب اسی طرح کے ہیں، اس لیے کہ علم کے تین ذرائع ہیں: ایک حواس خمسہ ہیں، جس کے ذریعے محسوسات معلوم ہوتی ہیں یا ان کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ حواس خمسہ حیوانات میں بھی ہیں بلکہ حیوانات کے حواس اکثر انسانوں کے حواس سے زیادہ کارآمد ہیں۔ جہاں حواس کی رسائی رُک جاتی ہے وہاں عقل کام کرنا شروع کر دیتی ہے۔ منتہاءِ حواس، ابتداءِ عقل ہے۔ عقل حیوانات کے پاس نہیں ہوتی۔ پھر جہاں پر عقل رُک جائے وہاں سے نورِ وحی شروع ہوتی ہے۔

ہماری شریعت میں مافوق العقل باتیں موجود ہیں:

ہماری شریعت میں خلاف العقل باتیں تو نہیں البتہ مافوق العقل باتیں ضرور ہیں۔ دنیا کی مصنوعات میں بہت سی چیزوں تک عادی عقل کی رسائی نہیں۔ موٹر کار کس طرح چلتی ہے؟ ٹیلی ویژن میں تصویر کس طرح دکھائی دیتی ہے؟ یہاں لاؤڈ سپیکر لگے ہیں اِن میں سے آواز آ رہی ہے۔ یہ کیسے آ رہی ہے؟ ہم میں سے اکثر کو کوئی پتہ نہیں۔ البتہ اس کے ماہرین خوب جانتے ہیں۔ اسی طرح معجزات بھی مافوق العقل ہیں لیکن خلاف العقل نہیں۔

بہت سے لوگ کم علمی اور ناسمجھی میں مافوق العقل کو خلاف العقل کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے عذاب قبر نہیں دیکھا، کیسے مان لیں؟ اگر چہ تم نے نہیں دیکھا، مگر جس نے کہا ہے اُس نے تو دیکھا ہے اور علم کے لیے دیکھنا ضروری نہیں۔ آپ نے شرح عقائد میں پڑھا ہے کہ علم کے تین ذرائع ہیں: (۱) حواس خمسہ (۲) عقل صحیح اور (۳) کلام صادق یعنی کلام نبوت۔ متکلمین حضرات ان گمراہوں کا جواب ان کی زبان میں دیتے ہیں۔ محدثین یہ کام نہیں کر سکتے تھے، اس لیے کہ ان کا یہ میدان نہیں تھا، ان کا میدان احادیث کا جمع کرنا

تھا۔اس لیے دلائل عقلیہ کو جمع کرنا یا دلائل عقلیہ کا جواب متکلمین نے دیا ہے۔ یہاں معراج کا مسئلہ زیر بحث ہے۔ معتزلہ کا مذہب جن اصول خمسہ پر مبنی ہے یہ پھر کبھی کسی وقت بتادونگا۔

معتزلہ جسمانی معراجکو نہیں مانتے جبکہ انگریز، ہندو، سکھ اور عیسائی بھی اعتراضات کرتے ہیں۔

مستشرقین اور اسلام کے خلاف اِن کی سرگرمیاں:

جو کافر اسلامی علوم سیکھتے ہیں، اُن کو مستشرقین کہا جاتا ہے۔ ہمارے ان علوم کو وہ مشرقی علوم کہتے ہیں، اس لیے کہ ہمارا علاقہ ان سے مشرق کی طرف واقع ہے۔ مشرق کے علوم جو شخص سیکھتا ہے اس کو مستشرق کہتے ہیں۔ لندن میں ایک دارالعلوم ہے جو شہر سے باہر جنگلات میں بنایا گیا ہے۔ ہر کسی کو وہاں نہیں جانے دیتے۔ وہاں احادیث، فقہ اور کلام پڑھائیں اور وہاں کے پروفیسروں کو عرب اساتذہ جیسا حلیہ بنانا پڑتا ہے۔ پھر یہ لوگ اسلام میں فساد کا ذریعہ بنتے ہیں۔

خلافت عثمانیہ ایک انگریز نے ختم کی تھی جس کا نام لارنس آف عریبیہ تھا۔ اس نے قرآن کریم بھی حفظ کیا ہوا تھا، اور ترکی کے پاسپورٹ پر اسلامی ممالک جاتا رہتا تھا۔ وہ ایسا قرآن پڑھتا تھا کہ جامعہ ازھر نے اُس کو بطور انعام تمغہ دیا تھا۔

پٹھان اقوام پر ایک انگریز کی تحقیق:

ایک اور انگریز نے تو ''تیراہ'' کے علاقہ کی ایک مسجد میں ۱۲ سال تک امامتی بھی کی ہے اور پٹھانوں کی تاریخ ''The Phatans'' لکھی ہے۔

پٹھان کتنی اقوام ہیں؟ اور ان کے کیا کیا مزاج ہیں؟ وہ یہ تحقیق اس لیے کرتا تھا کہ

ان اقوام کو کس طرح زیرنگیں کرنا ہے۔ انکا مزاج کیا ہے۔ اُس نے پٹھانوں کا ایک مزاج یہ بھی معلوم کیا تھا کہ ان کے دلوں میں علماء کرام کا بڑا احترام ہے۔ ان کے دلوں سے یہ محبت نکال دو۔

یہ وہ مستشرقین ہیں جو اسلامی تعلیمات کے خلاف سرگرم عمل ہیں اور ہمارے یہ لیڈر ان سے متاثر ہیں۔ کہتے ہیں کہ ''مُلا کا اسلام نہیں مانتے''۔ بھئی اسلام تو خدا کا ہے ملا کا نہیں۔ اس طرح سے یہ علماء کی تحقیر کرتے ہیں اور اس پروپیگنڈہ سے بعض پارٹیوں کے لیڈر بھی متاثر ہوتے ہیں اور ان کو پیسے بھی ملتے ہیں اس لیے خیال رکھو کہ آپ محافظین اسلام اور علماء دین ہیں۔ دین کی حفاظت اور خدمت تم کروگے، سکول کے ماسٹر تو نہیں بنو گے۔ دکاندار، تاجر اور نہ ہی لیڈر۔ لیڈر سے میری مراد اسلامی جماعتوں کے علاوہ دیگر جماعتوں کے لیڈر ہیں، جو نہ دین جانتے ہیں نہ ہی اس کی خدمت کر سکتے ہیں۔ اس لیے تم ان باتوں کا خیال رکھو۔ میدان میں نکلو گے تو ان باتوں کیساتھ واسطہ پڑے گا۔ یہ تو اجمالی باتیں ہوئیں۔

واقعہ معراج پر مستشرقین انگریزوں کے چار اعتراضات ہیں......

رزق کی فکر نہ کرو، رازق اللہ ہے:

ابھی سے یہ عہد کرو کہ دین کی خدمت کرونگا، روزی کی فکر نہ کرو، روزی خدا تعالیٰ بہت دے گا۔ بہت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسکی مقدار زیادہ ہوگی، بلکہ بہت سے مراد اطمینان والی روزی ہے۔ بالفرض کسی آدمی کے سامنے مختلف انواع کے بہترین کھانے پڑے ہوں، لیکن وہ پریشان ہو تو اُن کھانوں کے ساتھ کیا کرے گا جبکہ ایک زمیندار ساگ

پات، جوار کی روٹی اور کچھ پیاز کھا کر اوپر سے لسی پی لیتا ہے اور درخت کے چھاؤں میں بے فکر زمین پر لیٹ کر سو جاتا ہے۔ یہ ان بڑے نوابوں سے زیادہ مطمئن ہے جو ساری رات حساب کتاب میں جاگ کر گزارتے ہیں اور جب نیند نہیں آتی، تو شراب پی لیتے ہیں یا خواب آور گولیاں کھا لیتے ہیں۔ یہ رزق، رزق نہیں "ایں بیماریست۔"

تبلیغ کی محنت اور ٹھگ پیر:

تبلیغ والے دین کا بہت بڑا کام کرتے ہیں اور کفار کے ممالک میں بھی کفار کو مسلمان کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ان کے ہاتھ پاؤں چوما کرو۔ اب جو پیر ان کی مخالفت کرتا ہے وہ جاہل ہوتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ تو لوگوں کو مجھ سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ پیر صاحب تو یہ چاہتا ہے کہ لوگ میرے پیروں پر گریں اور شکرانے دیا کریں کیونکہ میں ان کو پل صراط پر گزاروں گا اور تبلیغ والے آپ کو نیک عمل اور عبادت کی ترغیب دیتے ہیں اور یہ کہ اپنا یہ علم دوسروں کو بھی سکھاؤ۔ یہ ایک عالمی فکر ہے اور پیروں کی فکر شخصی ہوتی ہے اس لیے کہ ایک پیر آپ کو کچھ کہتا ہے تو دوسرا، تیسرا کچھ اور کہے گا۔ موجودہ پیری مرشدی دنیا کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ آج کل پاکستان میں روپیہ پیسہ یا ڈاکٹروں کے پاس ہے، یا سمگلروں کے پاس، یا پھر ان پیروں کے پاس۔ دین کا کام بھی انہوں نے اپنی ذات پر منحصر کر لیا ہے کہ میری خدمت کرو میں آپکو پل صراط پر گزاروں گا۔ پہلے اپنی فکر تو کر لو۔ اپنے آپ کو بالکل معصوم سمجھتے ہیں۔ اکثر پیروں کی اولاد دینی و اخلاقی لحاظ سے بگڑ جاتی ہے اور آوارہ بن جاتی ہے، اس لیے کہ ان کو حرام کھلاتے ہیں۔ آپ سے کالی مرغی اور سفید مرغی مانگتا ہو، یہ کیسا پیر ہوگا؟

معراج پر مستشرقین کے چار اعتراضات ہیں:

پہلا اعتراض:

پہلا یہ کہ پرانا فلسفہ، جو عربی زبان میں تصریح، شرح چغمنی وغیرہ میں ہے (یہ میں نے پڑھا بھی ہے اور پڑھایا بھی ہے) اس میں یہ ہے کہ آسمان نو ہیں۔ آسمان کو فلک الافلاک اور فلک الأطلس بھی کہتے ہیں، اسمیں تارے نہیں ہیں اور آٹھویں آسمان کو فلک الثوابت کہتے ہیں۔ تارے سب اسی آسمان میں ہیں۔ پھر ساتویں آسمان میں اور اس سے نیچے والے آسمان میں ایک ایک تارا ہے۔ زحل، مشتری، مریخ، شمس، قمر، عطارد اور زہرا۔ سورج چاند کو "نیّرین" کہتے ہیں اور باقی پانچ کو "خمسہ شجرہ"، جبکہ باقی عام تاروں کو ثوابت کہتے ہیں۔ فلک الافلاک ان سب نظاموں کو گھماتا ہے، اور زمین کو مرکز عالم کہتے ہیں۔ ابرخص کہتا ہے کہ سب آسمان فلک تاسع ہیں۔ سورج چوتھے آسمان میں ہے اور پھر ہر آسمان میں مختلف حصے ہیں۔ قمر جس حصہ میں ہے اُس کو "جوزہر" کہتے ہیں اور شمس جس حصہ میں ہے اس کو "خارج المرکز" کہتے ہیں۔ یہ سب آسمان گھوم رہے ہیں اور زمین اپنی جگہ قائم ہے۔ اس حرکت کی وجہ سے ایک آگ پیدا ہوتی ہے جس کی شکل یا کروی ہے یا شبیہ بالکرہ (اہلیلجی) ہے۔ اب اگر اس فلسفہ کو لیا جائے .... (میں دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں تھا شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی کتابوں، بخاری شریف اور ترمذی شریف کا کچھ حصہ میرے پاس ہوتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ تصریح بھی طلبہ کو پڑھایا کرو۔ تو میں نے کہا کہ وہ فلسفہ جنہوں نے بنایا تھا، انہوں نے تو سمندر میں پھینک کر غرق کر دیا ہے۔ اور آپ پھر وہ ہمیں سکھاتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ چلو کوئی بات نہیں یہ ان طلبہ کا شوق ہے۔ تو پھر ایک

سال میں نے پڑھایا تھا۔خود بنانے والوں نے اس کو رد کر دیا ہے۔وہ اب فیثا غورث کے فلسفہ پر چلتے ہیں)............ پرانے فلسفہ میں آسمان کو تو مانتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے ایک طبقہ اور ہے جو''طبقہ زمہریریہ'' کہلاتا ہے۔یہ آگ ہی آگ ہے اور آگ تو جلاتی ہے تو'' آپ ﷺ اس طبقے پر سے کیسے گزرے اور اس آگ نے ان کو جلایا کیوں نہیں؟'' یہ انکا پہلا اعتراض ہے۔

دوسرا اعتراض:

دوسرا اعتراض یہ ہے، کہ اگر فلسفہ جدید کو مان لیا جائے جو فیثا غورث کا ہے تو وہ آسمان کا وجود ہی نہیں مانتے۔کیونکہ یہ کہتے ہیں کہ مرکزِ عالم سورج ہے۔چاند، زمین کے گرد اور زمین، سورج کے گرد گھومتی ہے۔تو زمین کی دو حرکتیں ہیں۔حرکت وضعی اور حرکت عینی۔ حرکت وضعی کا مطلب یہ ہے کہ کُل جسم کل مکان میں گھومتا ہے۔جزءِ جسم مکان بدلتا ہے لیکن کل جسم مکان نہیں بدلتا، اور حرکت عینی یہ ہے کہ کل مکان بدلتا ہے۔تو زمین ایک تو خود متحرک ہے جس کی وجہ سے دن رات میں تبدیلی آتی ہے اور دوسری حرکت، حرکت عینی ہے یعنی سورج کے گرد۔اس کی وجہ سے موسم تبدیل ہوتے ہیں۔حرکت عینی سال میں ایک دور پورا کرتی ہے۔سردی، گرمی اسکی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔کبھی زمین سورج کے قریب ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے گرمی بڑھ جاتی ہے اور جب سورج سے دور ہوتی ہے تو سردی ہو جاتی ہے۔زمین یہ حرکت وضعی چوبیس گھنٹے میں پوری کرتی ہے۔یہ سب تارے، سورج کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔پہلے عطارد ہے، پھر زہرہ، پھر زمین ہے۔یہ نظام، نظامِ شمسی ہے۔اسی طرح کے اور نظامِ شمسی بھی ہیں لیکن وہ ہم نے دیکھے نہیں ہیں۔اس دوسرے فلسفہ کے مطابق

طبقہ ناریہ تو نہیں ہے، لیکن ان کے ہاں چونکہ آسمان ہی نہیں ہیں اس لیے آپ ﷺ کہاں گئے تھے؟

یہ اعتراض قادیانی بھی کرتے ہیں کہ آپ جب کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اوپر چڑھے ہیں تو جب آسمان کا وجود ہی نہیں ہے، تو وہ کیسے اوپر گئے ہیں؟ یہ انکا دوسرا اعتراض ہوا۔

تیسرا اعتراض:

تیسرا اعتراض مشترک ہے کہ یہ سب فلسفوں میں ہے اور وہ یہ کہ قابل تنفس ہوا (آکسیجن) اکیاون (۵۱) میل اوپر تک ہے۔اس کے بعد قابل تنفس ہوا (آکسیجن) نہیں۔ جس کی وجہ سے انسان مرجاتا ہے۔وہاں آکسیجن نہیں۔تو سید الکائنات ﷺ جب اس فاصلہ کے اوپر چڑھے ہیں تو سانس کیسے لیتے تھے؟ یہ خلائی انسان جب اوپر خلا کی طرف چڑھتے ہیں تو اپنے ساتھ آکسیجن لے کر جاتے ہیں۔پیچھے بیگ (سلینڈر) لٹکایا ہوتا ہے۔چاند پر بھی آکسیجن نہیں اس لیے وہاں پر فوراً آدمی مرجاتا ہے۔جیسے کنوئیں میں جب کوئی شخص اترتا ہے اور وہ کنواں بہت زیادہ گہرا ہو، اور آکسیجن نہ ہو تو وہ مرجاتا ہے۔پھر لوگ کہتے ہیں کہ'' گیس نے مار ڈالا'' وہ گیس نہیں ہوتی بلکہ اصل میں قابل تنفس ہوا (آکسیجن) وہاں نہیں ہوتی، اس لیے وہ مرجاتا ہے۔نچلے طبقہ کو عربی زبان میں'' زمہریر'' کہتے ہیں، جس میں قابل تنفس ہوا (آکسیجن) نہیں ہے۔اس پر آپ ﷺ کیسے گزرے؟

چوتھا اعتراض:

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ آپ ﷺ تو بدن رکھتے ہیں۔آپ ﷺ کا جسد خاکی ہے اور آپ ﷺ بشر ہیں۔تو جسد خاکی میں اتنی طاقت اور قوت کہاں کہ وہ پلک جھپکنے میں

آسمانوں تک جا کر پہنچ جائے۔ پھر عجائبات وغرائبات دیکھے۔ پھر واپس بھی اُتر آئے اور اس پر تقریباً تین گھنٹے کا وقت لگ گیا۔ یہ تو ہماری عقل نہیں مانتی۔ اس لیے وہ واقعہ معراج سے انکار کرتے ہیں اور بہت سے لوگ اس کو کہانی سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں میں سے معتزلہ کا گروہ اس کو عیسائیوں کے مقابلہ میں من گھڑت کہانی کہتا ہے (نعوذ باللہ) اور کہتے ہیں کہ چونکہ عیسائی بھی یہ فرضی باتیں کیا کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اوپر آسمان پر چڑھے ہیں اور اپنے والد کے ساتھ عرش معلی پر بائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں تو مسلمانوں نے بھی اپنے پیغمبر ﷺ کے ساتھ یہ کہانی گھڑ لی۔

آج کے معتزلہ......:

یہ ''جماعت المسلمین'' آج کے معتزلہ ہیں۔ بہت سے لوگ عذاب قبر نہیں مانتے اور اس سے انکار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سجین یا علیین قبر کا نام ہے۔ کل بھی مجھے پنجاب سے ایک آدمی کا سوال موصول ہوا ہے۔ اسی طرح فکر شاہ ولی اللہؒ والے بھی ہیں۔ بعض اپنے آپ کو توحیدی کہتے ہیں اور عذاب قبر کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ علیین یا سجین میں روح کو تکلیف ہوتی ہے۔ قبر میں تو انسان خاک ہو جاتا ہے کیڑے اُس کو کھا جاتے ہیں۔ یہ میں نے بطور مثال بتایا، کہ مسلمانوں میں بھی بعض گروہ اس طرح کے ہیں اور اس کی وجہ انکی اپنی عقل ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم نے تو کبھی قبر میں سانپ یا بچھو نہیں دیکھا ہے۔

کبھی تقلید مت چھوڑو:

یہ طرح طرح کے فتنے ہیں اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ تقلید نہ چھوڑو، ورنہ کوئی نہ کوئی تم کو ضرور کسی فرقہ میں شامل کر لے گا۔ یہ سب عدم تقلید کی وجہ سے ہے۔ دین کی بنیاد

اعتماد علی السلف الصالح ہے۔ سلف پر اعتماد اُٹھنے کے بعد صحابہ سے بھی اعتماد اُٹھ جاتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ انبیاءؑ سے بھی۔

عدم تقلید کی وجہ سے آدمی فتنوں کی طرف چل پڑتا ہے۔ دہری (کمیونسٹ) بن جاتا ہے یا منکر حدیث، یا پھر جماعت المسلمین والوں کے ہاتھ چڑھ جاتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب پہلے سنو:

سب سے پہلے ''دوسرے نمبر سوال'' کا جواب سنو۔

فلسفہ قدیمہ ابرحض کا ہے وہ آسمانوں کا وجود مانتا ہے۔ شرح چغمنی میں بہت سی باتیں شریعت کے خلاف ہیں۔ وہ آسمانوں کو پیاز کی تہوں کی طرح مانتے ہیں اور ابطال جزء لا یتجزء پر صدرا میں چھ دلائل ذکر کیے ہیں مگر یہ شریعت کے خلاف ہے۔ ملا صدرا خود شیعہ ہے لیکن صحابہؓ کو گالی نہیں دیتا اور تصریح شرح چغمنی کے سب ماتن ومحشی شیعہ ہیں۔ شیعوں میں بھی معتزلہ ہیں۔ شیعہ بھی عقلیات سے بڑی بحث کرتے ہیں۔ ''میر باقر داماد'' جس نے مسلم کی شرح لکھی ہے وہ شیعہ ہے اور منطق سے حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل ثابت کرتا ہے۔ ان کیساتھ نقلی دلائل نہیں ہیں اس لیے اس طرح کے فرضی، عقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔ شیعہ عام طور پر عقیدتاً معتزلہ ہیں اور پرانے معتزلہ فروع میں احناف تھے۔ مجسمہ (جو خدا کو جسم مانتے ہیں) وہ فروع میں حنابلہ تھے۔ دو مذاہب کو دو فرقوں نے بدنام کیا ہے۔ احناف کو معتزلہ نے اور حنابلہ کو مجسمہ نے۔

مجسمہ کا عقیدہ:

مجسمہ اللہ تعالیٰ کے لیے انسان کی طرح کے وجود کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ

اُس نوجوان کی طرح ہے جسکی ابھی داڑھی نہ آئی ہو۔ اَمرد ہے اور عرش پر متمکن (بیٹھا ہوا) ہے اور کرسی پر قدم رکھے ہوئے ہیں اور پاؤں میں سونے کے جوتے ہیں اور اس کا عرش ایک باغ میں ہے، جس میں پتنگے اُڑتے ہیں۔ آدمی جب پہاڑ پر چڑھتا ہے، تو خدا تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے اور جب کنویں میں اترتا ہے تو خدا سے دور ہو جاتا ہے۔ یہ سب باتیں وہ مکانی مانتے ہیں اور خدا کے لیے جسم مانتے ہیں۔ مجھے سعودی عرب میں اس قسم کے ایک عالم نے کہا کہ اگر جسم ذات مع الصفات کا نام ہے تو اس میں تو کوئی غلط بات نہیں۔ میں نے کہا کہ: جسم کی تعریف تو یہ نہیں کہ وہ ذات مع الصفات ہو۔ جسم تو ''قابل للأبعاد الثلاثہ'' کو کہتے ہیں۔ جو طول، عرض اور عمق رکھتا ہو اس کو جسم کہتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ بھی کہتا ہے کہ جسمیت کی نفی قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ تو آیا ہے کہ ﴿لیس کمثلہ شیءٌ وھو السمیع البصیر۵﴾ [سورۃ الشوری/۱۱] اگر جسم ہوتو ''لیس کمثلہ شیء'' نہ ہوئے۔ حنابلہ میں مجسمہ بہت ہیں۔ یہ عقیدہ محمد بن کرام البجستانی نے پھیلایا ہے۔ یہ ان جہمیہ کے مقابلہ میں تھا جو خدا کو محض خلا، یا ہوا مانتے تھے۔

جوابِ سوالِ دوم:

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ آسمان کے منکر (فیثاغورث) کا فلسفہ ماننے والے، مذہب مانتے ہیں یا نہیں؟ اگر دنیا کے مذاہب مانتے ہیں، تو دنیا میں جتنے مذاہب گزرے ہیں، علی اختلاف الآراء عیسائی، یہودی، ہندو، سکھ وغیرہ سب آسمان کا وجود مانتے ہیں اور سب آسمانی کتابوں میں آسمان کا تذکرہ ہے۔ تو یہ کونسے مذہب کے قائل ہیں؟ مذاہب تو سب آسمان کا وجود مانتے ہیں۔

اور اگر یہ مذہب ہی کو نہیں مانتے جیسے دہری، کمیونسٹ تو آسمان سے انکار کیوں کرتے ہیں؟ ہم تو اس لیے مانتے ہیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱۲۴۰۰۰) پاک بندے، جنہوں نے کبھی زندگی میں جھوٹ نہیں بولا، کبھی اُن پر کوئی الزام نہیں لگا، دوست دشمن سب کی نظروں میں مبارک لوگ تھے۔ انہوں نے ہمیں آسمانوں کی خبر دی۔ لیکن آپ کیساتھ آسمان کے نہ ہونے کی دلیل کیا ہے؟

کسی چیز کو دیکھ لینا دلیل ہے یا نہ دیکھنا، مثال سے وضاحت:

اگر ایک آدمی جنگل سے آکر کہے کہ میں نے جنگل میں ایک جانور دیکھا جو چتکبرا تھا، اس طرح اُس کی دم، اس طرح اس کا بدن تھا۔ اور دوسرا کہے کہ جنگل میں ایسا جانور نہیں ہے اس لیے کہ میں نے نہیں دیکھا۔ تو کس کا قول معتبر ہوگا؟ دیکھنے والے کا یا نہ دیکھنے والے کا؟ دیکھنا دلیل ہے یا نہ دیکھنا؟ ایک شخص قتل ہو جائے اور دو گواہ گواہی دیں کہ اس کو فلاں آدمی نے قتل کیا ہے، ہم نے خود دیکھا ہے اور دس آدمیوں نے آکر کہا کہ اس نے قتل نہیں کیا اس لیے کہ ہم نے قتل کرتے نہیں دیکھا۔ تو اب عدالت کس کی گواہی قبول کرے گی؟ دنیا کے سب نظاموں میں مثبت کا قول معتبر ہوتا ہے، نفی کا نہیں۔ عربی زبان کا ایک مقولہ ہے:

اذا لم تر الھلال فسلم　　لأُناس رأوہ بالابصار

اگر آپ چاند نہیں دیکھ سکتے تو ان کی بات مان لیں جنہوں نے خود اس کو دیکھا ہے۔ نہ دیکھنا کسی قانون یا عدالت میں دلیل نہیں۔ دیکھنا دلیل ہے۔ یہ انہی کے اصول میں ان کا جواب ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہمارا نہ دیکھنا مبنی بر دلیل ہے۔ تو پھر دلیل کیا ہے؟

پھر وہ کہیں گے کہ ہم نے دوربین لگائی اس کے ذریعے تارے تو دیکھ لیے لیکن آسمان نہیں دیکھا، اس لیے کہتے ہیں کہ آسمان نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کا علم محدود ہے یا غیر محدود......؟ انسان کے دیکھنے کی طاقت محدود ہے اور یہ ایک اندازے تک دیکھ سکتا ہے یا لامحدود مقام تک......؟ تو ظاہر ہے کہ محدود ہے۔ میری نظر ایک میل تک کام کرتی ہے اس سے آگے نظر نہیں آتا۔ جب انسان کا علم محدود ہے تو آلات کا علم بھی محدود ہے۔ کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں ایسا آلہ بناسکتا ہوں جس کی طاقت لامحدود ہوگی جیسے انسان کے قویٰ محدود ہیں اس طرح مصنوعات بھی محدود ہیں اور اس بات کی دلیل کیا ہے؟ تو دلیل یہ ہے کہ پہلے جب دوربین بنی تو یونان کے فلاسفروں نے پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) تارے دیکھے تھے، اُن پرانی رصد گاہوں میں۔ پھر ایک دوربین بنائی گئی، تو اس میں ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) تارے دیکھے گئے۔ انہوں نے کہا کہ یہی تارے ہیں آگے کچھ بھی نہیں۔ پھر کچھ زمانہ بعد ایک اور آلہ بنایا گیا تو دس لاکھ تارے دیکھ لیے۔ پھر کہا کہ اور نہیں اس لیے کہ اور ہوتے تو ہمیں دکھائی دیتے۔ پھر ایک اور آلہ ایجاد ہوا تو انہوں نے کہا کہ ایک کروڑ تارے دیکھ لیے ہیں اسکے علاوہ اور نہیں ہیں۔ ابھی ایک اور آلہ بنایا ہے تو اُس سے دیکھ کر کہا ہے کہ ایک سو ستر کروڑ تارے دیکھ لیے گئے ہیں۔ امریکہ میں ایک بڑا مرکز ہے Capcandi کیپ کینڈی، اب وہ کہتے ہیں کہ اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اور تارے موجود نہیں ہیں اس لیے کہ ممکن ہے مستقبل قریب میں اس سے اور قوی آلہ بنایا جائے اور مزید تارے بھی دکھائی دینے لگیں۔

لہٰذا اب خود عجز کا اقرار کرلیا ہے، اس لیے کہ انسان کی طاقت محدود ہے۔ اب

کہتے ہیں کہ اگر اس طرح راکٹ یا دوربین بنالیں جو ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) میل فی منٹ کی رفتار سے چلے اور اُس کو روانہ کرلیا جائے تو وہ بھی انتہاءِ عالم معلوم نہ کرسکے گا۔ اب خود ہی اظہار عجز کرلیا ہے۔ تو کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ آسمانوں کا وجود نہیں ہے؟ آسمان آپ کے منتہائے علم سے اوپر ہونگے۔ ہم کہتے ہیں کہ آسمان اوپر ہیں اور یہ ستارے اس سے نیچے ہیں۔ ابن عباسؓ سے روح المعانی میں منقول ہے کہ یہ سب تارے آسمان کے نیچے معلق ہیں۔

تفاسیر میں اسرائیلی روایات بھی ہیں:

جلالین میں جو یہ لکھا ہے کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے تو یہ یونان کی باتیں ہیں اور حافظ ابن کثیرؒ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہماری تفاسیر میں اکثر فلاسفہ کی باتیں ہیں جو ماننے کے قابل نہیں۔ شرعاً قابل حجت نہیں۔ صاحب جلالین خود آسمان کو نہیں چڑھے، یونان والی باتیں نقل کی ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ عربی زبان کی باتیں جس نے بھی لکھی ہوں، وہ خدا اور رسول ﷺ کا کلام ہے، حالانکہ عربی زبان تو ہر کوئی بولتا ہے۔ جلالین کی یہ باتیں بلا دلیل شرعی ہیں۔ ابن کثیرؒ نے ان جیسی باتوں کو رد کیا ہے اور کچھ بنی اسرائیل کی (اسرائیلی) باتیں ہیں کہ فلاں آسمان زمرد کا ہے، فلاں زبرجد کا ہے، فلاں سونے کا اور فلاں چاندی کا ہے۔ یہ اہل کتاب سے منقول ہیں۔ تفاسیر میں اکثر باتیں، حکایات یا تصوف کے بارے میں جو احادیث ہوتی ہیں وہ غیر معتمد ہوتی ہیں۔ صوفیا کی کتابوں میں بے سروپا (بلاحوالہ) احادیث ہوتی ہیں۔ جیسے "من عرف نفسه فقد عرف ربه" وغیرہ۔

اور محدثین کہتے ہیں کہ صوفی آدمی سند میں آگیا تو اُس کو چھوڑ دو، اس لیے کہ ان

میں حسن اعتماد ہوتا ہے کہ فلاں آدمی کی اتنی لمبی داڑھی اور بڑی پگڑی ہے، وہ کیسے جھوٹا ہوگا......؟ عقل سے کام نہیں لیتے۔ جھوٹ تو انہی غلط پیروں کی وجہ سے مشہور ہوتا ہے، اس لیے کہ معتقدین ان کو معصوم جانتے ہیں حالانکہ وہ مطلق جاہل ہوتے ہیں۔ انسان کی طاقت محدود ہے۔ آلات بھی محدود ہیں اس لیے اب خود عجز کا اظہار کرتے ہیں اور آسمانوں کی نفی نہیں کرتے۔ یہ اس لیے کہ کئی مرتبہ انکے اپنے نظریات باطل ہوگئے ہیں۔

دوسرے سوال کا دوسرا جواب:

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چیز رنگ کی وجہ سے دکھائی دیتی ہے۔ یہ عینک جب میں لگاتا ہوں تو چونکہ ان شیشوں کا کوئی رنگ نہیں یہ صاف اور شفاف ہیں۔ اس لیے یہ شیشے مجھے دکھائی نہیں دیتے جبکہ آپ لوگ اس میں مجھے صاف نظر آرہے ہو۔ یا میرے آپ کے درمیان ہوا ہے، ہم آکسیجن لے رہے ہیں لیکن وہ ہوا نہ میں دیکھ رہا ہوں نہ آپ دیکھ رہے ہیں، نہ ہاتھ سے اس کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ آندھی جو نظر آتی ہے اس میں اجزائے ارضی خلط ملط ہوتے ہیں، پتے اور خاک وغیرہ کے اجزاء ہوتے ہیں جو دکھائی دیتے ہیں۔ ہوا کا اپنا کوئی رنگ نہیں ہے۔ یہ جو آنکھ ہے اس میں ایک حلقہ ہے جس سے چیز نظر آتی ہے۔ اس کے گرد سات جلیاں یا پردے ہیں لیکن مجھے وہ جلیاں یا پردے نظر نہیں آتے۔ آدمی اپنی آنکھ نہیں دیکھ سکتا، یہ کیوں؟ وہ سات جلیاں یا پردے کیوں دیکھنے سے مانع نہیں؟ اسی طرح ممکن ہے کہ آسمان شفاف ہو اور دکھائی نہ دے سکے۔ یہ ہم قطعاً نہیں کہتے لیکن ان کو جواب دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ شفافیت کی وجہ سے نظر نہ آئیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم طلبہ کے اردگرد فرشتے بیٹھتے ہیں اور شیطان تو ہر جگہ بیٹھتا ہے، (مذاحاً فرمایا:) خصوصاً نسواری آدمی

کیسا تھ۔ یاد رکھو! عالم آدمی کا شیطان بھی عالم ہوتا ہے۔ اگر اس عالم نے بارہ (۱۲) علوم حاصل کیے ہیں تو اس کے شیطان نے چودہ علوپ پڑھے ہوتے ہیں۔ وہ اس کو حیلے بہانے سمجھاتا ہے۔

فرشتے، شیطان اور جنات وغیرہ کوئی نہیں دیکھ سکتا، لیکن وہ موجود ہوتے ہیں۔ تو ہر چیز رنگ اور جسم کی وجہ سے دکھائی دیتی ہے۔ ہم آسمانوں سے انکار نہ مذہب کی بنیاد پر کرسکتے ہیں نہ فلسفے کی بنیاد پر۔

طلبہ کو سبق آموز نصیحت:

یہ باتیں یاد رکھو! اس لیے کہ کالج میں میرا ان لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ ان باتوں کو اس طرح سے یاد کرو کہ دین کی خدمت کرسکو اور فرق زائغہ، ضالہ کا مقابلہ کرسکو اور دفاع اسلام کرسکو۔ رزق کا غم نہ کرو، یہ اللہ بہت دے گا اور جمعہ کی رات کو حلوہ بھی ملے گا لیکن یقین کی ضرورت ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا عجیب واقعہ:

شیخ عبدالقادرؒ کی ایک بات سناتا ہوں۔ بڑے ولی ہیں۔ بغداد سے باہر گیلان کے علاقہ سے تعلق رکھتے تھے، اور بغداد میں پڑھتے تھے۔ اس وقت غربت تھی، آپؒ سوال تو کرتے نہیں تھے۔ کہتے ہیں کہ صبح سویرے دجلہ کے کنارے جاتا، وہاں ایک پودا تھا جو بینگن کی طرح پھل دیتا تھا وہ لاکر کھالیتا تھا۔ ایک دن گیا تو مجھ سے پہلے کسی نے پھل کاٹ لیا تھا۔ پتے بھی کاٹ لیے تھے، اس لیے کہ مجھ سے زیادہ غریب لوگ بھی تھے۔ تو ایک دو دن بھوک برداشت کی لیکن سوال نہیں کیا۔ ایک دن مسجد کے کونے میں غمگین بیٹھا ہوا تھا کہ ایک

نوجوان اپنے ساتھ پلاؤ لے کر آیا اور مسجد میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ جب وہ نوالہ اُٹھا کر منہ کی طرف لے جاتا تو میرا منہ بے اختیار کھل جاتا۔ نفس سے کہتا کہ صبر کرو۔ اس نے دیکھ لیا اور سمجھ گیا کہ یہ بھوکا ہے تو مجھ سے کہا کہ آؤ کھانا کھاؤ۔ میں نے کہا: نہیں اس لیے کہ میرے نفس میں اشراف (طمع) آیا تھا۔ جس طرح سوال کرنا درست نہیں، اس طرح اشراف (طمع) بھی منع ہے۔ اس نے کہا: تجھے ذوالجلال کی قسم! کہ آ جاؤ۔ قسم سن کر میں چلا گیا اور بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ وہ کہنے لگا کہ ایک بات بتاتا ہوں۔ میں گیلان سے آیا ہوں۔ وہاں ایک عورت نے بارہ اشرفیاں دی تھیں اور کہا تھا کہ میرا ایک بیٹا بغداد میں پڑھتا ہے لیکن پتہ نہیں کہ کس جگہ ہوگا۔ نام اس کا عبدالقادر ہے یہ اسکو دینا۔ میں اس کے پیچھے مارا مارا بہت پھرا اگر وہ نہ ملا، میں بھی بھوکا پیاسا تھا تو ایک اشرفی سے اپنے لیے یہ سب کچھ خریدا ہے، تم تو اسے نہیں پہچانتے؟ میں نے کہا کہ: وہ تو میں ہی ہوں۔ کہا اچھا یہ ایک اشرفی تو معاف کردو باقی لے لو۔ میں نے معاف کرلیا۔ پھر اللہ اس طرح سے دیتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا واقعہ:

امام ابوحنیفہؒ ایک مرتبہ حلوہ کھا رہے تھے اُس میں بادام بھی تھے اور امام ابو یوسفؒ جو ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتے تھے، وہ بھی بیٹھے سبق پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں اُن کی ماں آئی اور کہنے لگی کہ حضرت! آپ بادام کا حلوہ کھا رہے ہیں اور شاگرد سبق یاد کر رہا ہے۔ آپؒ نے کہا: اس پر بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی وقت لائے گا کہ یہ بادام کا حلوہ کھائے گا۔ تو پہلے قاضی القضاۃ، امام ابو یوسفؒ بنے اور یہ نعمتیں بادشاہ کے دسترخوان پر کھائیں۔ اس لیے دل میں قطعاً روٹی کا خیال نہ لاؤ۔ میں تو اپنی آنکھوں سے یہ نعمتیں دیکھتا

ہوں۔

ایک سوال کا جواب تو ہو گیا۔

پہلے سوال کا جواب:

پہلے سوال کا جواب: کہ فلسفہ قدیمہ والے کہتے ہیں کہ نیچے آگ ہے، "زمہریہ یہ طبقہ" ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فلسفہ قدیمہ کو خود آپ نے رد کیا ہے۔ یہ آگ آپ نے دیکھی ہے......؟ نہیں۔ یہ تو فرضی باتیں ہیں۔ اگر مان بھی لیں کہ آگ ہے۔ تو آگ کو کسی نے پیدا کیا ہے یا خود ہی بنی ہے؟ جواب یہ ہے کہ آگ کو خدا نے پیدا کیا ہے اور اس میں دو صفتیں رکھی ہیں (۱) روشنی اور (۲) جلانا۔ جو ذات اس آگ کو پیدا کر سکتا ہے وہ اِس سے ایک صفت سلب بھی کر سکتا ہے۔ جیسے اس انسان کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور اسکو دیکھنے سننے بولنے کی صفت دی ہے۔ اب اللہ اس سے یہ صفت سلب بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ انسان اندھا، یا بہرا، یا گونگا بن جاتا ہے۔ اسی طرح عقل کی طاقت بھی واپس لے سکتا ہے۔ ذات کو پیدا کرنا، صفات کو پیدا کرنے کی نسبت مشکل ہے۔ تو جب ذات اللہ پیدا کر سکتا ہے تو صفات بھی پیدا اور ختم کر سکتا ہے۔ اس لیے آپ کے اصول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جلانے کی طاقت اس سے لے کر آپ ﷺ کو محفوظ گزارا ہوگا۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کے لیے آگ ٹھنڈی کی گئی تھی۔ ارشاد باری ہے:

﴿قلنا یٰنارُ کونی برداً وسلٰماً علٰی ابرٰهیم ٥﴾ [سورۃ الانبیاء / ۶۹]

اللہ نے آگ سے جلانے کی طاقت لے لی۔ جہنم کی آگ اس طرح ہے کہ وہ جلائے گی لیکن روشنی نہیں دے گی۔ بالکل گھپ اندھیرا ہوگا۔ اس کی مثال کیا ہے؟ تو ایک مثال تو حضرت

ابراہیمؑ کی ہوئی اور ایک مثال انسان کا آگ سے جلانے کی طاقت لینا بھی ہے۔

A . C اور فریج کی مثال:

یہ A.C اور فریج جو ہیں، یہ بجلی سے چلتے ہیں جو آگ ہے لیکن یہ ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض بلب ہیں، وہ ٹھنڈک کا سماں پیش کرتے ہیں۔ جب انسان یہ کرسکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات تو بہت ہی بلند و برتر ہے۔ وللّٰہ المثل الاعلیٰ۔ اسی طرح ہر انسان میں بجلی ہے لیکن ربڑ یا لکڑی میں نہیں۔ ہر درخت میں بجلی ہے۔ آدمی کے معدہ میں سخت گرمائش ہے۔ یہ کھانے کی اور غذا کی شکل چند گھنٹوں میں تبدیل کردیتا ہے۔ حالانکہ گرمائش کے کوئی اسباب نہیں۔ نہ آگ ہے، نہ بجلی، نہ گیس۔ انسان آگ کو ٹھنڈا کرسکتا ہے۔ شروع میں جب عربوں کی یہودیوں سے جنگ تھی، تو جرمنی نے یہود کو ۱۲۰۰ جنگی لباس بھیجے تھے۔ اُس کو پہن کر نیپام بم آدمی پر اثر نہیں کرتا۔ نیپام وہ بم ہے جو آگ لگاتا ہے۔ اس لباس پر وہ اثر نہیں کرتا۔ تو انسان، انسان کی حفاظت کے لیے آگ سے بچنے کی تدابیر کرسکتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کے لیے انتظام نہیں کرسکتا؟

آگ میں رہنے والے چوہے اور پتنگے:

آپ نے میبذی میں طبعیات کے موضوع میں نار کے تذکرہ میں پڑھا ہوگا کہ جہاں آگ بہت جلائی جائے، وہاں چوہے پیدا ہوتے ہیں جو آگ میں چلتے پھرتے ہیں۔ ان کو آگ سے باہر نکالو گے تو وہ مرجائیں گے، جس طرح اگر مچھلی کو پانی سے نکالو گے تو وہ مرجائے گی۔ ایک پتنگا ہے جسے سمندر کہتے ہیں وہ آگ میں اُترتا ہے، نہ اس کے پر جلتے ہیں نہ بدن، اور آگ سے نکلتے ہی مرجاتا ہے۔

آگ کی وجہ سے سرسبز درخت:

ہمیں اُستاد صاحب نے بتایا کہ ہندوستان میں سرکاری باغات کے اندر بعض ایسے درخت ہیں، کہ اُن کے لیے آگ جلائی جاتی ہے تب وہ سرسبز رہتے ہیں، ورنہ وہ مرجھا جاتے ہیں اور ایسے پودے تو خود میں نے دیکھے ہیں کہ ان کے پاس بات کروگے یا ہنسو گے تو وہ حرکت کرتے ہیں۔ جب انسان کی اتنی طاقت ہے کہ وہ آگ کو ٹھنڈا کرسکتا ہے، آگ سے دفاع کے لیے لباس بنا سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کے لیے سب کائنات کو مسخر نہیں کرسکتا۔ اس میں عقلی استحالہ کیا ہے۔ انسان جو کام کرسکتا ہے وہ خدا نہیں کرسکے گا؟ اس لیے مولانا مثنویؒ کہتے ہیں:

؎ کارِ پاکاں را قیاس از خود مدار   گرچہ باشد در نوشت شیر و شیر

پاک لوگوں کے کام اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ دلیل کو جانتا بھی نہیں، عربی زبان کا ایک لفظ نہیں جانتا اور کہتا ہے کہ میں اتباعِ دلیل کرتا ہوں۔

تیسرے اعتراض کا جواب:

تیسرا سوال یہ تھا کہ زمہریر میں قابلِ تنفس ہوا نہیں تو حضور ﷺ اس پر سے کیسے گزرے ہیں؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ ﷺ اتنے تیز گزرے کہ تنفس کی ضرورت ہی نہیں آئی، یا تنفس کے بغیر زندہ رہے، تنفس کے لیے ضرورت ہی نہ تھی۔ آپ انسان کو تنفس کے بغیر رکھ سکتے ہیں۔

دل کے آپریشن میں عملِ تنفس کو معطل کرنا:

دل کا آپریشن چھ چھ گھنٹے تک ہوتا ہے، اور تنفس کو معطل کیا ہوتا ہے۔ دل حرکت

نہیں کرتا اور مریض زندہ ہوتا ہے۔ تو انسان جب یہ کرسکتا ہے تو کیا خدا نہیں کرسکتا......؟ اور اسی طرح خود ہر انسان پر یہ حالت گزر چکی ہے۔ جب رحم مادر میں منی جاتی ہے تو تین ماہ اٹھارہ دن بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ پھر دس ماہ بعد بچہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ سات ماہ تنفس کے بغیر بچہ زندہ ہوتا ہے، اور اس کو غذا پہنچتی ہے۔ آپ خلائی انسان کو جس طرح اُتارتے ہیں، اُس کے لیے انتظام کرتے ہیں، اسی طرح خدا نے بھی انتظام کرلیا ہوگا۔

پہلا خلانورد انسان:

پہلا خلانورد انسان ''گاگارین'' تھا۔ وہ بلندی میں ۱۸۰ میل تک گیا تھا اور ۲۴ گھنٹے میں ۱۷ مرتبہ دنیا کے گرد گھوما تھا۔ اسکو روس نے بھیجا تھا۔ امریکہ نے بھی انسان چاند پر بھیجے ہیں۔ اب آپ جس طرح انسان کو لے جاتے ہیں اور اس کے لیے انتظام کرتے ہیں، خلائی لباس بنانے پر دو، ڈھائی کروڑ ڈالر خرچ آتا ہے، جاکر چاند پر تجربے کرتے ہیں۔ یہ کیسے جاتے ہیں۔ یہ چاند ۲ کروڑ ۲۹ لاکھ میل دور ہے۔ اس پر بڑا اسٹیشن قائم کیا گیا ہے اور اکیس مختلف ممالک کے جھنڈے لگائے ہیں۔ پاکستان کا جھنڈا بھی لگایا گیا ہے، لیکن وہاں پیتل کے جھنڈے لگاتے ہیں کپڑے کے نہیں۔ سورج ۹ کروڑ ۳۲ لاکھ میل دور ہے۔ اس کی روشنی کبھی منقطع نہیں ہوتی، نہ اس پر لوڈ شیڈنگ آتا ہے۔

سورج کی بجلی کا مصنوعی بجلی سے تقابل:

فلاسفہ کہتے ہیں کہ سورج کی روشنی سے جو بجلی ایک گھنٹہ میں پیدا ہوتی ہے اس کا وزن ۴۴۸۰ من ہے اور دنیا کی مصنوعی بجلی کا وزن ایک گھنٹہ میں چھ چھٹانک ہے۔ تو انسان کی بجلی کا وزن یہ ہے۔ دنیا کی اس چھ چھٹانک کی بجلی پر اندازاً ۳۶ کروڑ ڈالر خرچ ہوتے

ہیں۔ سورج کا خرچ کتنا ہوگا؟ اس کا بل کسی پر آیا ہے؟ یہ خدا نے ہمیں مفت دیا ہے۔ ہر انسان روزانہ ۱۴ گیلن سانس لیتا ہے۔ یہ اگر بکتا تو کوئی پورا نہ کرسکتا۔ اِن کے یہ سوالات اوھن من بیت العنکبوت ہیں۔

چوتھے اعتراض کا جواب:

چوتھا سوال یہ تھا کہ جسم خاکی اِتنا تیز کیسے جاتا ہے اور آپ اتنے وقت میں آسمانوں پر کیسے پہنچ گئے اور پھر اتر بھی آئے......؟ اور اس پر تقریباً ۳ گھنٹے کا وقت لگ چکا۔ یہ تین گھنٹے مکہ مکرمہ کے طول بلد اور عرض بلد سے بتارہا ہوں۔ ورنہ گھنٹے تو اس وقت نہیں تھے۔

گھڑیوں کی ایجاد:

یہ گھڑیاں ہارون الرشید کے زمانہ میں بنی ہیں۔ اُس نے پہلی گھڑی فرانس کے ایک بادشاہ ''شارلیمان'' کو تحفہ میں بھیجی تھی۔ پھر اس کی شکل بدلتی گئی اور یہ موجودہ گھڑی اس کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ اس کے شکل میں مزید تبدیلی بھی آجائے۔ اُس وقت ریت کی گھڑی ہوتی تھی اور یہ گھڑی دارالحکمۃ میں بنی تھی۔

یہ تیز حرکت کیسے ہوئی تھی......؟ تو ہم کہتے ہیں کہ کیا آپ نے تیز جانے کا کوئی اندازہ معلوم کیا ہے، کہ انسان اتنا تیز جاسکتا ہے اس سے زیادہ نہیں جاسکتا۔

پہلے زمانہ میں انسان نے تیز ترین سواری گھوڑا دیکھا تھا اور اس سے تیز سواری اس وقت نہیں تھی۔ پھر ۱۸۸۰ء میں لندن میں موٹر کار بنائی گئی۔ اس وقت رفتار بھی اتنی تیز نہ تھی لیکن کہا گیا کہ اب سب سے تیز سواری موٹر کار ہے۔ پھر ہیلی کاپٹر بنایا گیا پھر جہاز بنایا گیا۔ پھر جہازوں کی مختلف قسمیں ہیں۔ بعض بعض سے تیز۔ ابھی چند جہاز امریکہ سے

پاکستان آئے، جو چھ گھنٹے میں امریکہ سے پاکستان پہنچائے گئے تھے جبکہ درمیان میں ۲،۰۰۰ میل کا راستہ ہے۔ یہ خلائی راکٹ جو چاند کو جاتا ہے ۶۰۰۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتا ہے۔ وہ نظر سے بھی تیز چلتا ہے۔ یہ گولی کتنی تیز چلتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ خود انسان کے اندر اللہ نے یہ طاقت رکھی ہے کہ یہ سورج جو ہم سے ۹ کروڑ ۳۲ لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے، ہم اس کی طرف نظر اٹھاتے ہیں، تو ایک لمحہ میں نظر اس تک پہنچ جاتی ہے۔ بجلی جو انسان نے بنائی ہے یہ چھ منٹ میں پوری دنیا کے گرد گھوم سکتی ہے۔ امریکہ میں بات ہوتی ہے اور انسان یہاں اُس کو اُسی وقت سنتا ہے۔

جب انسان کی مصنوعات ایسی ہیں تو خدا تعالیٰ کیوں نہیں کرسکتا۔ اُس کے لیے تیز لے جانے کی کوئی حد نہیں۔ ٹیلی ویژن یا ٹیلی فون میں یہ حرکت اتنی تیز رفتاری کیساتھ کیسے ہوتی ہے......؟ ہم نہیں سمجھتے، تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے محبوب کے لیے اس طرح کا انتظام کیا۔ ہمارا اس پر ایمان ہے۔

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین.

زیارت بیت اللہ کے برکات

سُبْحَانَکَ لَاعِلْمَ لَنَاۤاِلَّامَاعَلَّمْتَنَااِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْم ٥
نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ،
وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِاَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا،مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ
فَلَامُضِلَّ لَہٗ،وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ،وَنَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ
لَاشَرِیْکَ لَہٗ،وَنَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا، وَسَنَدَنَا، وَحَبِیْبَنَا،
وَشَفِیْعَنَا،وَرَحْمَتَنَا،وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًاعَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ. ﴿ انّ اوّل بیت وضع للناس للذی ببکۃمبارکاً وھدیً
للعلمین ٥ فیہ ءایٰتٌ بیّنٰتٌ مقام ابرٰھیم ومن دخلہ کان ءامناً وللّٰہ
علی الناس حجُّ البیت من استطاع الیہ سبیلاً،ومن کفر فان اللّٰہ
غنیٌّ عن العلمین ٥ ﴾ [سورۃ آل عمران /٩٧]

صدق اللّٰہ مولٰنا العظیم.

درود شریف پڑھیے:

اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا، ونبینا محمدٍ، وعلیٰ اٰل سیدنا ونبینا محمدٍ، وبارک وسلم علیه.

قابل احترام، عزتمند بزرگو اور محترم دوستو بھائیو!

آج کل کے شب وروز میں جن کے حج کی منظوری ہو چکی ہو، وہ لوگ حج کی تیاریاں کرتے ہیں اور بہت سے لوگ حج سے متعلق مسائل پوچھتے ہیں اس لیے حج اور بیت اللہ شریف کے سلسلے میں بیان شروع کرتا ہوں۔

خدا کا پہلا گھر:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان اول بیت وضع للناس، پہلا گھر جو روئے زمین پر بنایا گیا، للذی ببکۃ، وہ گھر ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے، مبارکا، برکتوں والا ہے اور پوری جہان کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے۔ پہلا گھر جو روئے زمین پر مخلوقات کے لیے بنایا گیا ہے وہ گھر ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے۔

پہلا گھر ہونے کے دو مطلب:

پہلا گھر ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور دونوں صحابہؓ سے منقول ہیں۔ ایک مطلب یہ ہے کہ پہلا گھر بیت اللہ شریف ہے یعنی روئے زمین پر پہلی آبادی یہی ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر بنایا گیا پہلا عبادت خانہ یہ گھر ہے۔ یہ دونوں اقوال صحابہؓ سے منقول ہیں۔

اس لیے اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہے وہ گھر ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے۔

حضرت آدمؑ اور بی بی حوا کا جنت سے اُترنا:

پہلے قول والے صحابہؓ اور علماءؒ کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا پر اُتارا اور بی بی حوا بھی اُتاری گئیں۔ قرآن کریم میں اس کا بیان ہے۔ وہ تقریباً ۱۳۰ سال کی عمر جنت میں گزار چکے تھے، لیکن چونکہ وہ زمین اور اس کی آبادی کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انکے لیے ایک پودا بہانہ بنایا اور اتار دیے گئے۔

مشہور یہ ہے، اور تاریخ میں بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ "سراندیپ" کے ملک میں اُترے۔ سراندیپ ایک جزیرہ ہے جو پہلے ہندوستان کا حصہ تھا۔ یہ جزیرہ ممبئی اور کلکتہ کے سامنے ہے۔ اب یہ ایک الگ ملک ہے جسے "سری لنکا" کہتے ہیں۔ وہاں ایک اونچا پہاڑ ہے جہاں ہندو، مسلم، عیسائی، یہودی، سب تماشہ کرنے جاتے ہیں۔ سب کی کتابوں میں یہ ہے کہ اس پہاڑ کے اوپر حضرت آدمؑ اتارے گئے تھے، اس لئے کہ دھریوں کے علاوہ جو بھی آسمانی دین کے قائل ہیں خواہ وہ جس مذہب سے بھی تعلق رکھتے ہیں وہ حضرت آدمؑ کو مانتے ہیں اور ان کو انسانیت کا باپ مانتے ہیں، کہ انسان حضرت آدمؑ سے شروع ہوئے ہیں۔

ڈارون کا نظریۂ ارتقاء اور اُس پر اشکالات:

جو لوگ دین، خدا اور پیغمبر کو نہیں مانتے (دھری اور کمیونسٹ) یہ کہتے ہیں کہ انسان اصل میں بندر تھا۔ بندر پر چند لاکھ سال گزر گئے، تو اس سے انسان بن گیا۔ یہ ڈارون کا نظریہ ہے اور وہ اپنی کتابوں میں بھی یہی لکھتا ہے۔ پھر اُس پر اعتراض ہوا کہ بندر کی تو دُم ہوتی ہے اور انسان کی دم نہیں ہوتی وہ کہاں چلی گئی.....؟ تو ڈارون کہتا ہے کہ اُس کی دم کی جڑ میں خارش پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے وہ اس کو جڑی بوٹیوں کے ساتھ رگڑتا پھرتا تھا۔ آخر کار وہ گر گئی، اور بندر دُم کے بغیر رہ

گیا پھر اُس کی نسل بھی دُم کے بغیر چلی۔

پھر اس پر سوال آیا کہ بندر تو چار پاؤں سے چلتا ہے جبکہ انسان دو پاؤں سے، اور بندر باتیں نہیں کر سکتا جبکہ انسان باتیں کر سکتا ہے۔ تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ اُس کی اگلی دو ٹانگوں میں خارش اور کھجلاہٹ پیدا ہوگئی۔ وہ پتھروں اور درختوں سے یہ کھجلاتا پھرتا تھا اور چیخیں لگاتا، جنگلوں میں دوڑتا پھرتا تھا۔ آخر کار اگلے دو پاؤں سے ہاتھ بن گئے اور ان چیخوں سے باتیں بن گئیں۔

ہم کہتے ہیں، کہ چلو مردارو......! تم بندر کے بچے ہو۔ جو کہے کہ ہمارا دادا بندر تھا تو وہ خود کیا ہوگا؟ کمیونسٹ، روسی لوگ اور ڈارون کے پیچھے چلنے والے، ارتقائی نظریہ رکھنے والے سب کہتے ہیں کہ ہم بندر کی اولاد ہیں۔

انسان بندر کی اولاد ہے تو بندر کس چیز سے بنا ہے......؟ بیل، گائے کس چیز سے بنے ہیں؟ پہلی مرغی کس سے پیدا ہوئی؟ اور پھر انسان پر اتنی مدت گزر گئی اس دوران اس سے دوسری شکل کیوں نہ بنی؟ بندر سے انسان بنا تو انسان سے کوئی اور چیز کیوں نہیں بنی؟

یہ غلط نظریات ہیں۔ اللہ نے ہر مخلوق الگ الگ پیدا کی ہے۔ بندر کی اپنی نسل ہے۔ گائے کی اپنی، بھینس کی اپنی، مرغی کی اپنی اور انسان کی اپنی نسل ہے۔

مذہب ماننے والوں کا نظریہ:

ہم سب مذاہب والے ہندو ہو یا سکھ، یہودی ہو یا عیسائی، یا مسلمان سب کہتے ہیں کہ ہم حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور یہ صحیح بھی ہے۔ اس انسان کو ماضی میں دیکھیں تو آبادی کے لحاظ سے کم نظر آئیں گے۔ پہلے صدر کا یہ حصہ پشاور میں شامل نہ تھا۔ یہ ۱۸۶۲ء کے بعد انگریزوں نے

بنایا ہے۔ پہلے یہاں کیا تھا؟ چاردیواری کے اندر پشاور کا چھوٹا سا شہر۔ اُس سے سو سال پہلے کیا تھا؟ ایک چھوٹا سا گاؤں۔ اُس سے پہلے کیا تھا؟ اس سے بھی چھوٹا گاؤں، اُس سے پہلے کیا تھا؟ کچھ بھی نہیں۔

تو اس طرح انسان بھی ماضی کی طرف کم ہوتے جاتے ہیں اور ان کا سرا حضرت آدم سے جا ملتا ہے۔ ان سے نسل شروع ہوئی اور زیادہ ہوتے ہوتے آخر کار ختم ہو جائے گی، اس لیے کہ جس چیز کی ابتدا ہوتی ہے اُس کا اختتام بھی ہوتا ہے۔

اِک دن مرنا ہے آخر موت ہے:

یاد رکھو! آپ پیدا ہوئے ہیں، تو یہ یقین بھی رکھیں کہ ایک دن مرینگے بھی، اور ایک درخت لگایا تو جب یہ تنا آور ہوگا تو اُس کے بعد ایک بار ختم بھی ہوگا۔ ایک پھل، درخت میں لگ گیا تو یہ ختم بھی ہوگا۔ پھول، درخت ہر چیز ختم ہوگی۔ جس چیز کی ابتدا ہوا اور وہ عدم سے وجود میں آئے، تو وہ ایک مرتبہ ختم بھی ہوگی۔

اپنی زندگی پر اعتماد نہ کرو۔ یہ نہ کہو کہ ہم ہمیشہ پوری عمر زندہ رہیں گے۔ جیسے ہم سو سال پہلے نہ تھے، اسی طرح سو سال بعد بھی نہ ہونگے۔ کچھ دنوں کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ ہماری زندگی عارضی ہے۔

حضرت آدمؑ اور ان کے نشانات قدم:

سراندیپ میں حضرت آدمؑ جس پہاڑ پر اترے، اُس کے اوپر آپ کے قدم کی نشانی ہے جو چھ فٹ لمبی ہے۔ چھ فٹ، تو تقریباً عام انسانوں کی قد وقامت بھی نہیں ہوتی۔ عام انسانوں کا قد تقریباً پانچ فٹ اور چند انچ ہوتا ہے۔ بہت لمبے ہوں تو ۱/۲ ۵ فٹ ہونگے۔ بہت ہی زیادہ لمبے

ہوں تو چھ فٹ ہونگے یعنی دوگز۔ حضرت آدمؑ کا قدم مبارک چھ فٹ ہے جبکہ آپؑ خود ٦٠ گز لمبے اور سات گز چوڑے تھے۔ آپ کو ماں باپ کے بغیر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے مٹی سے بنایا۔ ملائکہ نے آپؑ کی شکل وصورت بنائی اور اللہ تعالیٰ نے اُس میں روح پھونکی۔ پیدائشی ٤٠ سال کی عمر کے خوبصورت آدمی تھے۔ آپ کی داڑھی بھی تھی اور جب زندہ ہوئے تو ایسے تھے جیسے آدمی نیند سے بیدار ہوکر اُٹھتا ہے۔ آپ پیدا ہوتے ہی سب کچھ سمجھتے تھے۔

ہاں! تو آپؑ اِس پہاڑ پر اُترے ہیں۔ یہودی، عیسائی، مسلمان وغیرہ مختلف مذاہب والوں نے وہاں پر کتبے لگائے ہیں۔ سیاحین وہاں جاتے ہیں۔ سب کہتے ہیں کہ یہ حضرت آدمؑ کا قدم مبارک ہے، البتہ ہندوؤں کا ایک گروہ ہے وہ کہتا ہے کہ یہ ہمارے گوتم بدھ کا نشانِ قدم ہے۔

گوتم بدھ کا تذکرہ:

گوتم بدھ ہندوؤں کا پیشوا ہے۔ یہ اُن میں ایک اچھے آدمی گزرے ہیں، حضرت عیسیٰؑ سے ٦١٠ (ق م) سال پہلے۔ یہ شہزادہ تھا لیکن ایک مرتبہ جنازہ دیکھا جو لے جایا جارہا تھا، تو اس سے متاثر ہوا کہ یہ زندگی تو ایک مرتبہ اس طرح ختم ہوجائے گی۔ یہ کیسی فانی زندگی ہے۔ اس کے بعد اس نے شہزادوں والی زندگی چھوڑ کر درویشی اختیار کی اور مراقبے کرنے لگا، بڑ کے درخت کے نیچے وہ مراقبہ کرتا اور کھانا پینا بھی چھوڑ دیا۔

اس لیے ہندوؤں کے اکثر بُت دیکھوگے تو وہ گوتم بدھ کی شکل میں ملیں گے، جیسا کہ میں نے بتایا کہ وہ ٦١٠ (ق م) گزرا ہے اور ابھی حضرت عیسیٰؑ کے ١٩٢٢ء سال ہو چکے ہیں۔ گوتم بدھ کے تقریباً ٢٥٠٠ سال ہوگئے ہیں۔ ٢٥٠٠ سال پہلے تو انسان اتنا نہ تھا کہ اس کی قامت ٦٠ گز اور قدم دوگز ہوں۔ گوتم بدھ کے مجسمے اِن عجائب گھروں میں پڑے ہوئے ہیں اور ہندوؤں کے

عبادت خانوں میں بھی ہیں۔ اس کے مطابق چھ فٹ یا اِس سے بھی کم اُس کی قامت ہے۔ تو جب آدمی کی کل قامت چھ فٹ نہ ہو، تو اُس کے قدم کیسے چھ فٹ کے ہونگے؟ ورنہ تو اِس سے انگریزی کا ''L'' بن جائے گا۔ دوگز قدم اُس کیساتھ مناسب ہے جس کی قامت ٦٠ گز ہو۔

ان واقعات کی حیثیت:

تو حضرت آدمؑ اس پہاڑ پر اُترے۔ یہ واقعات اور قصے مؤرخین کے بیان کردہ ہیں۔ یہ حضور پاک ﷺ نے بیان نہیں فرمائے ہیں۔ قرآن شریف میں تو یہ ہے کہ میں نے آدمؑ کو زمین پر اُتارا۔ جگہ کی تعیین نہیں کی ہے کہ کہاں اُتارے گئے ہیں اور مشہور یہ ہے کہ بی بی حوا ''جدہ'' میں اُتاری گئی تھیں۔ جدہ کو کتابوں میں جُدّہ لکھا جاتا ہے اور ہمارے لوگ اس کو جدّہ کہتے ہیں۔ جدّہ دادی کو کہتے ہیں۔ وہاں پر ایک پُرانا مقبرہ بھی ہے، میں ایک، آدھ مرتبہ وہاں گیا ہوں۔ وہاں بعض لوگ ایک قبر کے بارے میں بتاتے ہیں کہ اِس پتھر سے اُس پتھر تک بی بی حوا کی قبر ہے، لیکن یہ یقینی نہیں۔

یہ دونوں حضرت آدمؑ اور بی بی حوا، عرفات میں ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے۔ اللہ ہم اور آپ کو بار بار دکھائے۔ اُس کے اوپر ایک نشان (ستون) بنا ہوا ہے۔

عرفات کے ٹیلہ پر چڑھنا:

اور عرفہ کے دن اکثر حجاج وہاں چڑھتے ہیں، اگرچہ وہاں چڑھنا نہ سنت ہے، نہ مستحب، لیکن لوگ وہاں پر جانیں نثار کرتے ہیں۔ بڑا رش لگا رہتا ہے۔ کوئی گر بھی جاتا ہے۔ اس ٹیلہ کے دامن میں سردارِ دو جہاں ﷺ نے کھڑے ہوکر قوم کو خطاب کیا اور پھر دعا کی۔ مشہور ہے کہ یہ دونوں عرفات کے اس جبل الرحمۃ پر اکھٹے ہوئے ہیں۔ چونکہ عرب کے اس مقام پر اکھٹے

ہوئے اس لیے پہلے انہوں نے اللہ کا گھر تعمیر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف فرشتے کو بھیجا اور اس
نے بیت اللہ کے لیے جگہ کی نشان دہی کی۔ یوں حضرت آدمؑ نے پہلی مرتبہ بیت اللہ کو تعمیر کیا۔
اس لیے کچھ صحابہؓ کا کہنا ہے کہ روئے زمین پر پہلا گھر جو آباد ہوا، وہ بیت اللہ شریف
ہے۔

"اوّلَ بیتٍ" کے متعلق دوسری رائے:

بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ پہلا عبادت خانہ ہے، اس لیے کہ یہ دونوں اکٹھے ہونے کے
بعد عراق کی طرف چلے گئے۔ وہاں عراق کا ایک ضلع ہے جو موصل کہلاتا ہے۔ یہ ترکی کے نزدیک
ہے اور یہاں ایک پہاڑ ہے جسے "جودی پہاڑ" کہا جاتا ہے۔ بارویں پارہ میں اس پہاڑ کا نام بھی
آیا ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں حضرت آدمؑ نے اپنے لیے گھر بنایا اور عراق میں رہنے لگے اور
دنیا میں آنے کے بعد ان کی نسل بھی شروع ہوئی۔ جنت میں اولاد نہیں ہوتی۔ یہاں اللہ نے حکم
دیا کہ اِس شمالی علاقے کی طرف چلے جاؤ۔ یہاں سے مغرب کی طرف جانے کا حکم ملا اور اُس
جگہ پہاڑوں کے درمیان آپؑ سے بیت اللہ بنوایا۔

اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور عبادت کے لیے پہلا عبادت خانہ، مکہ مکرمہ کا عبادت خانہ
ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان اول بیت وضع للناس، پہلا مکان جو لوگوں کے لیے بنایا گیا
ہے: للذی ببکۃ، وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے، مکہ کو "بکہ" بھی کہتے ہیں اور مکہ بھی۔ عرب کبھی میم
کو باء سے بدلتے ہیں اور کبھی میم پڑھتے ہیں، تو بکہ اور مکہ دونوں اسکو کہتے ہیں۔

سرزمین مکہ کی وجہ تسمیہ :

مکہ عربی زبان میں ناف کو کہتے ہیں اور سمندروں، زمینوں کے ماہر کہتے ہیں کہ زمین پر

پہلے صرف پانی ہی پانی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں حرکت پیدا کردی، جس سے اس میں پہاڑ نکل
آئے اور پانی آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔ تو پہلا خشکی کا حصہ جو زمین پر نمودار ہوا، وہ مکہ کی سرزمین
ہے پھر سمندر کا پانی نیچے ہوتا گیا۔ ابھی تقریباً ۲۹ فیصد زمین پر خشکی، اور ۷۱ فیصد پر پانی ہے۔ اگر
آپ نے کبھی سمندر دیکھ لیا، تو یہ تصور کرو گے کہ دنیا میں تو پانی ہی پانی ہے۔ دریائی جہازوں میں
سفر کرتے رہو گے اور پانی ختم ہی نہ ہوگا۔ مہینوں کا سفر طے ہوگا اور خشکی دکھائی نہ دے گی۔ سب
نیلا پانی، جو انتہائی کڑوا اور نمکین ہے۔ اگر آدمی اُس سے منہ ہاتھ دھولے یا غسل کرلے تو اس
طرح محسوس ہوتا ہے جیسے گنے کا رس یا چائے آدمی پر گر جائے، ہاتھ پاؤں چپک جاتے
ہیں۔ جب تک میٹھے پانی سے نہ دھوؤ گے تب تک اس کا اثر زائل نہیں ہوتا۔ اس سے کپڑے
نہیں دھوئے جاسکتے۔ اگر کپڑے سمندر کے پانی سے دھولئے جائیں تو صابن کپڑوں سے نہیں
نکلتا۔

سمندر کے پانی سے بجلی نہیں بنتی، اس سے فصل نہیں اگتی۔ اگر زرخیز زمین پر ایک گھڑا
سمندر کا پانی ڈال دیا تو وہ خراب ہو کر پھول جاتی ہے، جیسے کسی زمین پر پیشاب کی جائے تو وہ
پھول جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں طرح طرح کے حیوانات پیدا کیے ہیں۔ آدمی حیران رہ
جاتا ہے کہ یہ اتنا پانی کہاں سے آیا؟ اس میں یہ ترشی کہاں سے آئی اور اس کو کس نے پیدا کیا......؟

پہلی خشکی جو نمودار ہوئی ہے وہ مکہ مکرمہ کی یہ سرزمین ہے۔ "مکہ" ناف کو کہتے ہیں۔
چونکہ ناف بھی انسان کے وسط میں ہوتی ہے۔ اگر ناف سے رسی باندھ کر اوپر، نیچے کا فاصلہ
ناپا جائے تو فاصلہ ایک جتنا ہی ہوگا، یا اگر کسی چیز سے انسان کو درمیان میں باندھا جائے تو آدھا
انسان ایک طرف آدھا دوسری طرف ہوگا۔

یہ ناف انسان کا درمیانی حصہ ہے اور مکہ بھی زمین کا مرکزی حصہ ہے۔ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کے عجیب راز پوشیدہ ہیں۔ نبوت ہمارے پیارے نبی ﷺ پر ختم کی ہے، آخری ہدایت اسلام کی شکل میں آئی ہے اور آخری تعلیمات قرآن کریم کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ابتداء سے، اپنے گھر کے لیے ایسی جگہ منتخب کی ہے جو آخری پیغمبر ﷺ کی پیدائش کی جگہ بھی ہے اور آخری ہدایت کے پھیلنے کی جگہ بھی اور آخری دین کا مرکز بھی ہے۔ ورنہ حضرت آدمؑ اور ان کے بعد کتنے پیغمبر گزرے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ بنوایا: ''ان اول بیت وضع للناس'' پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے (یہ چوتھے پارے کی آیت ہے)، للذی ببکۃ وہ گھر ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے۔ یہ پہلا گھر ہے گھروں میں سے، یا پہلا عبادتخانہ ہے جو انسانیت کی عبادت کے لیے اللہ نے حضرت آدمؑ سے بنوایا ہے۔

ریگستانی علاقہ، چٹیل کالے پہاڑ، جہاں نہ پانی ملے نہ درخت، ایسی جگہ بیت اللہ بنایا۔

دوسرا قول کہ حضرت آدمؑ نے موصل کے علاقہ میں جودی پہاڑ کے دامن میں گھر بنایا تھا لیکن بیت اللہ بنانے کے لیے آپ کو جنوب کی طرف اس خشک اور بے آب وگیاہ زمین کی طرف جانے کا کہا گیا۔ وہیں موصل یا شام میں نہیں بنایا گیا، جو سرد اور خوبصورت علاقے ہیں، باغ وبہار ممالک ہیں۔ شام ٹھنڈا ملک ہے، وہاں برف کا پانی نہیں پیا جاتا۔ سرخ وسفید لوگ، بازار میں چلتے پھرتے ہیں۔ وہاں کے لوگوں کو دیکھو گے تو وہ اتنے سرخ وسفید ہیں جیسے ان کے گالوں کو انار کا رنگ دیا گیا ہو۔ اگر کوئی کالا نظر آئے تو وہ کسی اور جگہ کا ہوگا وہاں کا مقامی نہ ہوگا، یا ہمارے جیسا گندمی رنگ والا "Red Indians" ہوگا۔ تو یہ کسی اور جگہ کا ہوگا۔ وہاں کے مقامی لوگ سرخ

وسفید ہیں۔

وہاں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ نہیں بنوایا، حالانکہ اکثر پیغمبر بھی وہیں گزرے ہیں۔ قرآن شریف میں جن ۲۵ انبیاء کا تذکرہ ہے ان میں سے اکثر اسی علاقے میں گزرے ہیں۔ عرب کے علاقے یا عرب کے راستوں میں۔ ان کے علاوہ ہندوستان، جرمن، فرانس، یورپ یا امریکہ میں جو نبی گزرے ہیں، اُن کا تذکرہ قرآن میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''بعض کا بیان میں نے تجھے کیا ہے اور بعض کا بیان نہیں کیا'' جن کا ذکر کیا ہے ان سے غرض عرب کی ہدایت اور ان کو تنبیہ تھی، کہ اِن اقوام سے عبرت حاصل کرو اور عبرت لوگ اُن سے حاصل کر سکتے ہیں جو ان کو معلوم ہو، یا ان کو دیکھا ہو، یا ان کی باتیں تواتر کے ساتھ سنی ہوں۔ تو وہ ممالک جو دور تھے اور عرب ان سے باخبر نہ تھے، ان کا اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں فرمایا، ورنہ ہر قوم اور ہر ملک میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے ہیں۔ کبھی ایک زمانہ میں زیادہ نبی ہوتے کبھی دوسرے زمانہ میں۔ اگر حضرت ابراہیم کے گاؤں کو آپ جائیں جس کا نام ''الخلیل'' ہے اور آجکل یہودیوں کے قبضہ میں ہے، تو اس سے صرف چھ میل کے فاصلہ پر ایک دوسرا گاؤں ہے جو ''سدوم'' کہلاتا ہے۔

بحر میت.......

سدوم شہر بحر میت کے کنارے واقع ہے۔ بحر میت اسرائیل، شام اور اردن کے درمیان ۶۰ مربع میل پر پھیلا، اتھیل نما کڑوا سمندر ہے۔ اوپر سے نہریں آکر اس میں گرتی ہیں اور غائب ہوجاتی ہیں۔ اس میں کوئی جاندار چیز نہیں رہتی۔ نہ مچھلی، نہ درخت، نہ کوئی اور جاندار۔ بالکل زہر جیسا کڑوا پانی ہے۔ اِس کے کنارے سدوم کا گاؤں آباد تھا۔ حضرت لوطؑ اس گاؤں میں رہتے تھے اور حضرت ابراہیمؑ ''الخلیل'' میں۔ اس طرح نزدیک نزدیک گاؤں میں

پیغمبر ہوتے تھے، آبادی کم تھی، مواصلات کے ذرائع نہ تھے، ہر قوم اور ہر بڑے گاؤں میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے ہیں۔ یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش شمار اسی طرح پوری ہوتی ہے۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ، پورے عالم کے لیے آخری نبی بھیجے گئے۔ اب ایسے مواصلات اور ذرائع ایجاد ہوگئے، کہ دعوت وتبلیغ اور نشرواشاعت کے ذریعے اُس پیارے پیغمبر ﷺ کی ہدایت سارے عالم کو پہنچتی ہے۔ آپ ﷺ پر اللہ نے یہ سلسلہ ختم فرمادیا۔

ختم نبوت کی مثال:

ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ: نبوت کی مثال ایک محل جیسی ہے جس کے آخری کونے کی اینٹ، جس پر بنیاد مضبوط ہے اور حسن قائم ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بنا کر بھیجا۔ مجھ پر نبوت کا وہ قصر اور محل اللہ نے پورا کردیا ہے۔

یا موتیوں کا خوبصورت ہار، جس کے سرے کی وہ خوبصورت موتی، جس پر ہار پورا ہوتا ہے وہ اللہ نے مجھے بھیجا ہے۔ ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ کو اللہ نے پورے جہاں کے لیے بھیجا ہے۔ لہٰذا اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی پیغمبری کا دعویٰ کرے تو وہ سب جھوٹے ہیں، اور آپ سے پہلے اگر کسی نے دعویٰ کیا ہو، تو ہمیں اُن کی حقانیت کا کوئی علم نہیں، چنانچہ جو گوتم بدھ اور مہاتما بدھ وغیرہ دیگر لوگ گزرے ہیں ہمیں ان کا کوئی علم نہیں، اس لیے کہ کبھی ایسا بھی ہوا کہ برحق نبی کی تعلیمات اس کی قوم کے ہاتھوں ضائع ہوگئیں۔

عیسائی مذہب کا محرف ”سینٹ پال“:

حضرت عیسیٰؑ بے شک پیارے برحق نبی ہیں۔ آپ کو ایک بڑی آسمانی کتاب دی گئی ہے، لیکن موجودہ عیسائیوں نے سینٹ پال کی وجہ سے اُن کی تعلیمات تبدیل کردیں۔ ہر پیغمبر اللہ

کی وحدانیت کا قائل ہوتا ہے۔ سینٹ پال یونان کا ایک یہودی شیطان تھا۔ اُس نے عیسائیت قبول کی اور تثلیث کا عقیدہ گڑلیا، کہ خدا تین ہیں: ایک باپ ایک بیٹا، ایک بیوی۔ باپ وہ ہے جو عرش پر ہے اور بیٹا عیسیٰؑ ہے اور بیوی بی بی مریم ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ تیسرا جبرائیل آمین ہیں۔ تثلیث کا یہ عقیدہ حضرت عیسیٰؑ کا نہیں۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰؑ سے سوال:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو پیش کر کے ان سے سوال کریں گے، جس کا ذکر قرآن کے ساتویں پارہ میں ہے:

﴿ واذ قال اللّٰہ یعیسیٰ بن مریم ء أنت قلت للناس اتخذونی وأمی الٰھین من دون اللہ. قال سبحٰنک مایکون لی أن أقول مالیس لی بحق ان کنت قلته فقدعلمته، تعلم ما فی نفسی ولا أعلم ما فی نفسک، انک أنت علّم الغیوب ○ ﴾ [سورۃ الأنعام/۱۱۶]

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے کہیں گے کہ تم نے اس قوم کو کہا کہ مجھے اور میری ماں کو الٰہ بناؤ؟ وہ کہیں گے یا اللہ میری توبہ، تو پاک ذات ہے۔ میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔ میں نے جو کچھ کہا وہ تو جانتا ہے۔ میں نے تو نہیں کہا تھا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ انسان کی عبادت نہ کرو۔ میں اور میری ماں تو انسان ہیں، میں نے تو وہ کہا ہے جو تم نے مجھ سے کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو یہ سب کچھ معلوم ہے لیکن اللہ عیسائیوں پر اُنہی کے پیغمبر کو گواہ بنادیں گے کہ تم کیا بول رہے تھے......؟ سینٹ پال نے عیسائیوں کے عقائد بگاڑ دیے ہیں۔

اسی طرح اگر گوتم بدھ یا دوسروں کی تعلیمات ہندوؤں نے بدل دی ہوں تو ممکن ہے۔

ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ سے پہلے جو نبی گزرے ہیں اُن کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور ان کے بعد اگر کسی نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تو وہ سب جھوٹے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پیغمبری ختم فرمادی ہے۔

خانۂ کعبہ کس جگہ تعمیر ہوا......؟:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے ذریعے عبادت خانہ ایسی جگہ بنوایا جو آخری پیغمبر کی پیدائش کی جگہ ہے، اور آخری ہدایت کے پھیلنے کی جگہ ہے، اور آخری کتاب کے نزول کی جگہ ہے ورنہ شام عراق یا دوسری جگہوں میں کیوں نہ بنوایا؟ وہ تو سب کے جدامجد تھے اور خود موصل میں رہتے تھے جبکہ بیت اللہ یہاں بنایا۔ آپؑ کے بیٹوں ہابیل اور قابیل کا جو واقعہ ہوا ہے یہ اُنہی دنوں وقوع پذیر ہوا ہے، جب آپؑ بیت اللہ کو آباد کرنے گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ اس بیت اللہ کے چند تذکرے فرماتا ہے۔ اول تو یہ کہ پہلا عبادت خانہ، توحید کا پہلا مرکز، اللہ کی پہچان اور راضی کرنے کا ذریعہ اور راستہ یہی ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے۔

بیت اللہ کی تعمیر کا فلسفہ:

اللہ تعالیٰ مکان کا محتاج نہیں لیکن ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ میں اپنے محبوب کو دیکھوں، اُس کے گھر جاؤں، اُس کے دربار کو دیکھوں، اُس کے قدموں میں اپنا سر رکھوں، اُسکو چوموں؛ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے جذبۂ عشق ومحبت کے پورا کرنے کے لیے ایک خوبصورت گھر بنایا اور اُس کی نسبت اپنی طرف کردی کہ یہ میرا گھر ہے۔ یہاں آؤ۔ عاشق، معشوقہ کے گھر جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ میں کس جگہ سے داخل ہوکر اُس کو دیکھ لوں گا۔ وہ گھر کے گرد چکر لگاتا ہے، تو بیت اللہ کا طواف مقرر ہوا، اور عاشق معشوق کے گھر کی چوکھٹ کو چومتا ہے، تو حجر اسود کو چومنا

مقرر ہوا۔ یہ اُس عشق اور جذبہ کی ایک شکل ہے۔

عبادات کی دو صورتیں:

عبادات اکثر دو شکلوں میں ہوتی ہیں یا تو عاجزی میں جیسے نماز۔ اللہ کے لیے عاجزی سے کھڑا ہونا، اُس کے حضور سرنگوں ہوکر کھڑا ہونا اور پھر رکوع اور سجدہ کرنا۔ یہ آخری درجہ کی عاجزی ہے۔ اور یا عشق ومحبت کی شکل میں ہوتی ہیں۔ یہ حج، عشق ومحبت کا ایک نظارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی سکون کے لیے ایک دربار مقرر کیا ہے جو بیت اللہ شریف ہے۔ تم وہاں جاؤ اور دیکھو کہ یہ اللہ کے اُس بڑے دربار کی تصویر ہے جس کو تم دیکھ سکتے ہو نہ اُس تک پہنچ سکتے ہو۔ عرش معلیٰ تک کون پہنچ سکتا ہے؟ اور نہ وہ کسی نے دیکھا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے زمین میں عبادت اور رضا کے لیے یہ جگہ مقرر کی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پہلا گھر یہ ہے۔ باقی عبادت خانے جو لوگوں نے بنائے ہیں وہ بعد میں بنے ہیں۔

مکہ مکرمہ اور برکات:

اس میں کیا ہے......؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ گھر جو مکہ میں ہے "مبارکاً" برکت والا ہے۔ دنیا کی ہر قسم کی نعمت، ہر قسم کا میوہ، ہر قسم کی چیز وہاں کے بازار میں دیکھو گے۔ شہر کو دیکھو تو چٹیل، سرخ پہاڑ، جہاں آگ برستی ہے لیکن بازاروں کو دیکھو اور دکانوں کی طرف جاؤ تو تروتازہ میوہ جات، تازہ سبزیاں، ہر قسم کی تازہ چیزیں سستے نرخوں پر دستیاب ہوں گی۔ کھانوں میں مرغ، ہمارے معاشرے میں قیمتی چیز ہے۔ وہاں پانچ چھ ریال میں زندہ مرغ مل جاتا ہے اور پانچ چھ ریال کی وہاں کوئی وقعت نہیں، چونکہ ہر قوم کے خرچ کا اندازہ اُن کی آمدن کی نسبت

ہوتا ہے، اس لیے جہاں جو سکہ رائج ہو اگر اس سے چیزیں سستی ملتی ہوں اور وہ زیادہ کماتے ہوں تو وہاں ارزانی ہے۔ وہاں حجام سر مونڈتا ہے تو پانچ ریال لیتا ہے۔ گویا حجام ایک سر مونڈنے پر مرغ کما سکتا ہے۔ اگر ایک قلی آپ کے ساتھ سامان اُٹھاتا ہے، تو اس کو بھی پانچ یا دس ریال دو گے۔ اس طرح شہر کے اندر ٹیکسی والا دس ریال لیتا ہے۔ تو وہاں آمدن زیادہ ہے۔ ایک مستری دن کے ۲۰۰ ریال لیتا ہے۔ درزی ۴۵ یا ۵۰ ریال لیتا ہے۔ یہ بڑی بات ہے۔ ۵ ریال پر اعلیٰ ایک کلو سیب ملتے ہیں اور ۵ یا ۶ پر مرغ۔ اسی طرح دیگر پھل۔ یہ ظاہری برکت ہے جسکا تذکرہ قرآن کے اکیسویں پارہ میں ہے: ﴿ أولم نمكن لهم حرماً ءامناً يجبیٓ اليه ثمرات كل شيء رزقاً من لدنا ولكن أكثرهم لايعلمون ۞ ﴾ [سورۃ القصص/ ۵۷] میں نے تمہارے لیے حرم پیدا نہیں کیا، جہاں دنیا کی پیداوار سب چیزیں آتی ہیں۔ نئی کاریں وہاں آتی ہیں۔ نیا کپڑا وہاں آتا ہے۔ نیا پھل وہاں آتا ہے۔ وہ پھل جو یہاں نہیں ملتے مثلاً آج کل آموں کا موسم نہیں، لیکن وہاں آم ملیں گے۔ آج کل آلو بخارے کا سیزن نہیں لیکن وہاں آپکو ملیں گے۔ اسی طرح آج کل بیر نہیں ہیں لیکن وہاں دستیاب ہونگے۔ کیلے، مالٹے، آم، بیر، آلو بخارے اور وہ پھل جن کے نام نہ مجھے آتے ہیں نہ آپ کو؛ وہ گرمی، سردی کے دونوں موسموں میں وہاں ملتے ہیں، اس لیے کہ اللہ نے اس کو ایسے ملک میں پیدا کیا ہے، جس کے ایک جانب افریقہ ہے، شمال مغرب کی طرف یورپ ہے، مشرق کی طرف ہندوستان، چین، انڈونیشیا اور ملیشیا ہے اور جنوب کی طرف مڈغاسکر ہے۔ جنوب مشرق کی طرف آسٹریلیا ہے۔ ہر ملک میں الگ الگ موسم ہوتے ہیں اور ہر ملک کا پھل وہاں آتا ہے اور تازہ، خوبصورت شکل میں وہاں ملتا ہے۔ اگر ایک چیز ردی نکل آئے تو سب واپس کر دیتے ہیں اور سب

ممالک ان کے محتاج اس لیے ہیں کہ وہاں ہر ملک کا مال بہت بکتا ہے۔ وہاں کا سکہ بھی قیمتی ہے اور تیل کے بھی محتاج ہیں۔ ہر ملک دوسرے ملک کی بہ نسبت آسان طریقے سے اور سستے داموں چیزیں بھجواتا ہے۔ امارات کو دودھ اور گھی کی سپلائی سعودی عرب سے ہوتی ہے۔ لسی ایسی ملتی ہے، جو دودھ سے زیادہ میٹھی ہوتی ہے اور دہی ایسی جو بالائی سے بھی زیادہ لذیز ہوتی ہے۔ یہ ظاہری برکات ہیں۔ ڈرائیور بھی ہوٹل میں کھانا کھاتا ہے تو مرغ، مچھلی اور چاول کھاتا ہے۔ ایسی غذائیں جو ہمارے یہاں کے خوانین بھی نہیں کھا سکتے (بطور مذاح فرمایا:) البتہ کسٹم کے افسر یا تھانیدار کھا سکتے ہیں۔ ہمارے یہاں عام لوگ مچھلی، مرغ اور چاول بیک وقت کہاں کھا سکتے ہیں؟ اتنی وسعت کہاں ہوتی ہیں؟ وہاں پر سب یہ چیزیں کھاتے ہیں۔ آدھا کھا لیتے ہیں، آدھا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ تو ظاہری برکت ہے کہ ہر چیز زیادہ ملے۔

ہماری غلط فہمی:

ہمارے یہاں کے لوگ تو غریب ہیں اور ہمارا سکہ بھی کم قیمت ہے اس لیے یہ وہاں جلدی جلدی ضرب، تقسیم شروع کر دیتے ہیں کہ ایک ریال سے ۱۶ روپے بن گئے...... بہت مہنگائی ہے۔ وہاں کی چیزیں یہاں کے پیسوں کے حساب سے خریدتے ہیں۔ اس طرح تو اگر لندن چلے جاؤ، تو وہاں ایک کپ چائے، نوے روپے پاکستانی کا ملے گا، لیکن اُسے کسی نے مہنگا نہیں کہا، اس لیے کہ وہاں کا سکہ وزنی ہے۔ وہاں کماؤ گے بھی زیادہ۔ وہاں دن کے ۱۰۰ پونڈ بھی کماؤ گے تو بہت ہیں۔ ہمارے سکہ کے حساب سے لندن اور امریکہ میں سب کچھ مہنگے ہیں اور دنیا میں سب سے زیادہ مہنگائی آسٹریلیا میں ہے۔ وہاں پر پاکستانی سکے کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس لیے یاد رکھو کہ ہر جگہ کی مہنگائی اور ارزانی کا دارومدار اُس ملک کے سکہ اور آمدن کی

نسبت سے ہوتی ہے۔ سعودی عرب میں آمدن زیادہ ہے، تنخواہیں زیادہ ہیں تو وہاں یہ چیزیں بہت سستی پڑتی ہیں۔ یہ ظاہری برکات ہیں۔

بیت اللہ کے معنوی برکات:

اور معنوی برکت یہ ہے کہ وہاں عبادات کے ثواب زیادہ ہیں۔ وہاں سکون اور اطمینان قلب ہے۔ یہاں ایک نماز ایک کے برابر شمار ہوتی ہے جبکہ بیت اللہ شریف میں ایک نماز ایک لاکھ کے برابر شمار ہوتی ہے۔ یہاں جماعت کی نماز انفرادی نماز سے ۲۷ درجے زیادہ ہے جبکہ وہاں پر جماعت کی نماز بہتر لاکھ درجے زیادہ ہوجاتی ہے۔ کتنے ثواب ہیں......؟ اس طرح ہر عبادت کا حال ہے۔ اگر صدقہ کیا جائے تو وہ لاکھوں میں بدلتا ہے۔ اگر اعتکاف کیا جائے تو وہ لاکھوں میں تبدیل ہوتا ہے۔ روزہ رکھا جائے تو وہ لاکھوں روزوں سے بدلتا ہے۔ یہ معنوی برکات ہیں اور سکون واطمینان قلب بھی ہے۔ اس علاقے کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی آفات وبلیات سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو بار بار اس کا دیدار نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

تین قسم کے حقوق

اور مشاجرات صحابہ

سُبْحَانَکَ لَاعِلْمَ لَنَاۤ اِلَّامَاعَلَّمْتَنَااِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِاَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا،مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ،وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ،وَنَشْھَدُاَنْ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ،وَنَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا، وَسَنَدَنَا، وَحَبِیْبَنَا، وَشَفِیْعَنَا،وَرَحْمَتَنَا،وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًاعَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. ﴿ الٓمّٓ○ ذٰلک الکتٰب لاریب فیہ ھدیً للمتقین ○ الّذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون ○ ﴾[سورۃ البقرۃ/۳،۲،۱]

وقال: ﴿ قل ھو اللّٰہ أحدٌ○ اللّٰہُ الصَّمَدُ ○ لمْ یلدْ ولم یولدْ ○

ولم یکن له کفواً أحد ٥ ﴾

صدق الله مولٰنا العظیم.

درود شریف پڑھیئے:

اللّٰهم صلّ علیٰ حبیبک ورسولک سیدنا، ونبینا
محمدٍ، وعلیٰ اٰل سیدنا ونبینا محمدٍ، وبارک وسلم علیه.

میرے قابل صد احترام علماء کرام، طلباء اور اس علاقے کے غیور اور دین سے محبت وتعلق رکھنے والے محترم مسلمان بھائیو!

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ایمان پر قائم ودائم اور خوش وخرم رکھے۔ آمین۔

آپ کو معلوم ہے کہ یہ آجکا اجتماع چند برخورداران کے قرآن پاک کے ناظرہ سے ختم مکمل کرنے کے سلسلہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بچوں کو، ان کے والدین کو، اور اس پورے علاقہ کو قرآن شریف کے انوارات سے منور فرمائے۔

میرے عزیز بھائیو!

جہاں قرآن کریم کی درس وتدریس ہوتی ہے، وہاں پر اللہ تعالیٰ عذاب نازل نہیں فرماتے، اس لیے آپ اور آپ کا علاقہ ان شاء اللہ آفات سے محفوظ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس عظیم کتاب پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اس کو ہمارے ملک کا قانون، دستور اور آئین بنادے۔

بھائیو! قرآن کریم کے فضائل اور اس کی تلاوت کرنے کا ثواب، مختلف موقعوں پر آپ سنا کرتے ہیں شاید کبھی میں نے بھی آپکو سنائی ہوں گی۔ اس لیے آج چند اور باتیں

عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) پہلی بات کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔

(۲) دوسری بات کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔

(۳) تیسری کا تعلق حقوق النفس سے ہے۔

پہلی بات؛ جو حقوق اللہ سے متعلق ہے......:

(۱) اللہ تعالیٰ کے حقوق کے سلسلہ میں یہ بات عرض کرنی ہے کہ ایمان کے بعد سب سے بڑا مرتبہ نماز کا ہے۔ سرور دوکونین ﷺ بستر مرگ پر لیٹے ہوئے تھے۔ آخری وصیت اور آخری وعظ یہ فرمایا کہ: ''الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم'' اپنی نمازوں کا خیال رکھو اور ان لوگوں کا، جو تمہارے زیر دست ہوں۔ یہ مقام شکر ہے کہ ہمارے پٹھان بھائی نماز اہتمام سے ادا کرتے ہیں۔

تین اقوام میں نماز کا اہتمام:

تین اقوام میں نماز کا اہتمام زیادہ ہے۔ (۱) پٹھان (۲) عرب (۳) ترک۔

سندھ، پنجاب، ہندوستان وغیرہ کے لوگ اس سلسلے میں کمزور ہیں۔ اُنکے بڑے بڑے گاؤں ہوتے ہیں لیکن کوئی ان میں نماز کو پہچانتا تک نہیں۔ دن رات اپنی زمینداری میں مصروف رہتے ہیں، نماز کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ مسجدیں ویران پڑی ہوتی ہیں۔ الحمد للہ، ہمارے پٹھان بھائی تقریباً ۱۰۰ فیصد مسلمان ہیں اور اگر یہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر بھی رہائش رکھتے ہوں، تو وہاں بھی انہوں نے مسجد بنائی ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام واحسان ہے۔ اللہ اس انعام کو اور بھی زیادہ فرمائے۔

نماز ادا کرنے میں کمزوریاں:

البتہ پٹھانوں میں نماز کے ادا کرنے میں چند کمزوریاں موجود ہیں۔ پھر بالخصوص افغانیوں، قبائلیوں اور شہریوں میں نسبتاً زیادہ ہیں اور یہ آپکو اس لیے بتا رہا ہوں، کہ آپ اس کی اصلاح کر لیں۔

بہت سے لوگ نماز پڑھتے تو ہیں لیکن غلط طریقہ سے پڑھتے ہیں حالانکہ یہ ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا حق ہے۔ دنیا کے سب فیصلے نماز پر ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی جس کی نماز درست ہو جائے اُسکا روزہ حج، زکوٰۃ اور معاملات سب درست ہو جائینگے اور اللہ تعالیٰ اس کو برائیوں سے محفوظ رکھے گا اور جس کی نماز غلط طریقے سے ہو اس کا روزہ، حج اور دیگر معاملات بھی خراب ہونگے۔ قیامت کے دن بھی پہلا حساب نماز کا ہوگا۔ نماز صحیح ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہیں گے کہ باقی معاملات میں اس سے نرمی کرتے رہو۔ زکوٰۃ، روزہ، حج اور دیگر اعمال میں فرق آجائے تو بھی نرمی کا سلوک کرو۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ نماز میں کونسی کمزوریاں ہیں؟

ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو قدیم روشنی والے کرتے ہیں اور کچھ وہ جو روشن خیال کرتے ہیں۔ یہ دونوں بتا دیتا ہوں۔

قدیم روشنی والوں کی کمزوریاں:

قدامت پسند لوگ (قدیم روشنی والے) یہ غلطی کرتے ہیں کہ وہ رکوع اور سجدہ صحیح طرح سے نہیں کرتے۔ رکوع کے بعد قومہ میں سیدھے کھڑے نہیں ہوتے اور دونوں سجدوں کے درمیان یعنی جلسہ میں برابر بیٹھتے نہیں۔ رکوع کے بعد قومہ کے لیے کھڑا ہونا اور دونوں

سجدوں کے درمیان صحیح بیٹھنا، ہمارے مذہب میں واجب ہے جبکہ باقی تین مذاہب میں فرض ہے۔

فرائض اور واجبات کی مثال:

فرض اُس کو کہتے ہیں، جس کے بغیر نماز بالکل ہوتی ہی نہیں۔ فرض کی مثال ایسی ہے جیسے کہ انسان کا سر، دل یا جگر۔ جسکے بغیر انسان بالکل زندہ نہیں رہ سکتا۔ تو تین مذاہب میں قومہ، جلسہ فرض ہے اور ہمارے مذہب میں واجب ہے۔

اور واجب کی مثال آنکھوں، کانوں اور ہاتھوں جیسی ہے۔ انسان ان کے بغیر زندہ تو رہ سکتا ہے، لیکن جس کی نہ آنکھ ہو، نہ کان، نہ ہاتھ، نہ پاؤں تو وہ صرف زندہ ہی ہوتا ہے، اُس پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں باقی نہ کوئی اُس کو رشتہ دیتا ہے، اور نہ کوئی اس سے لین دین کرتا ہے۔ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا اور اتنا وقت گزارنا جتنا رکوع کرنے میں گزارا ہو، ضروری ہے۔ اور دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر بیٹھا کرو جتنا کہ سجدے میں وقت گزارا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی نماز کا طریقہ ہے۔

مجھے تو غلط طریقے سے نماز ادا کرنے والا دیوانہ اور پاگل دکھائی دیتا ہے۔ وہ اس لیے کہ نماز کے لیے آنا تو ایک مشکل کام ہے۔ اپنی مصروفیات سے وقت نکالنا، گرم بستر اور لحاف چھوڑ دینا، ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا اور پھر اندھیرے میں مسجد آنا، کتنا مشکل کام ہے لیکن اس کے باوجود غلط طریقے سے نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ صحیح طریقے سے اور غلط طریقے سے نماز ادا کرنے کے درمیان زیادہ سے زیادہ ایک دو، منٹ کا ہی فرق ہوگا۔ مگر یہی آدمی جب دو روپے کے بینگن خریدتا ہے تو کس طرح سے اس کو ٹٹولتا ہے اور اگر آدھ کلو گوشت

خریدتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اسمیں ہڈی تو زیادہ نہیں، اور جب پالشی کو جوتے پالش کرنے کے لیے دیتا ہے تو اُسکو خوب تاکید کرتا ہے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ ہماری نمازوں کا محتاج نہیں، ہماری نماز ادا کرنے یا ادا نہ کرنے سے اُس کی بادشاہی میں کوئی کمی یا زیادتی واقع نہیں ہوتی۔ نہ زمین میں کوئی فرق آتا ہے، نہ آسمان میں، نہ سورج میں اور نہ چاند میں۔ ہم خود اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اس لیے آج کے بعد نماز میں رکوع کرنے کے بعد کھڑے ہوجایا کرو اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی صحیح طریقے سے بیٹھا کرو۔

آپ ﷺ قومہ میں یہ دعا پڑھتے ......:

حضور اکرم ﷺ نے جو دعائیں پڑھی ہیں اگر وہ پڑھ سکتے ہو تو بہت خوب۔ آپ ﷺ "ربنا لک الحمد" کے بعد کہتے: "حمداً کثیراً طیباً مبارکا فیہ ملاء السماء وملاء الارض وملاء ماشئت من شئی بعدُ، اھل الثناء والحمد، کلنالک، انت الاحق لماقال العبد، ما مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منک الجد"

ہم (علماء کرام) نے آپ کو سب سے مختصر نماز سکھائی ہے اس لیے کم ازکم سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کھڑے کھڑے پڑھ کر سجدہ میں جایا کرو۔

جلسہ کی دعا:

جلسہ یعنی دونوں سجدوں کے درمیان حضور پاک ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے۔ "رب اغفرلی، وارحمنی، واجرنی، وارفعنی، واھدنی، وارزقنی" اگر یہ دعا پڑھ سکتے ہو تو بہت خوب، ورنہ کم ازکم "رب اغفرلی" تین مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ اگر یہ بھی نہیں کہ

سکتے تو کم ازکم تین مرتبہ "سبحان اللہ" کی مقدار میں بیٹھ کر سجدہ کو جاؤ۔ یہ قدیم روشنی والوں کی غلطیاں تھیں۔ جو میں نے بیان کردی ہیں۔

مسجد قصابان، بنوں میں ایک مرتبہ نماز پڑھ رہا تھا۔ ایک آدمی میرے ساتھ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ جب میں نے دو رکعتیں پڑھیں، تو وہ آدمی دس رکعتیں پڑھ چکا تھا۔ میں نے نماز سے فارغ ہوکر اُس سے کہا کہ: بابا جی! ذرا رُک جاؤ۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ نماز ذرا حوصلہ سے پڑھا کرو۔ میں بہت پریشان ہوا کہ اس بیچارے کی تو ساری زندگی گزر گئی اور نماز تک صحیح نہیں پڑھ رہا ہے۔ تو اس کے اور اعمال کیسے ہونگے؟ سالن میں تو اگر نمک کی مقدار تھوڑی سی زیادہ ہوجائے، تو بیوی کو کڑوی کسیلی سناتے ہیں۔ وہ کہنے لگا "کیا کریں بہت گرمی ہے"۔

نماز کسوٹی ہے:

نماز صحیح پڑھا کرو۔ بعض آدمیوں نے بڑی پگڑی باندھی ہوگی۔ اتنی، کہ گدھا بھی اس سے چھلانگ نہ لگا سکے۔ اتنی لمبی داڑھی رکھی ہوگی کہ نیچے زمین تک پہنچتی ہوگی لیکن نماز صحیح نہیں پڑھتا ہوگا۔ یہ پگڑی باندھنا فرض ہے یا نماز کا صحیح پڑھنا؟ اس طرح جو غلط طریقہ سے نماز پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو اُٹھا کر واپس اس نمازی کے منہ پر مارتا ہے۔ اگر کسی انسان کے متعلق معلوم کرنا ہو کہ یہ کیسے ہوگا تو اُس کی نماز کو دیکھو۔ اگر نماز صحیح ہوگی تو وہ اچھا آدمی ہوگا اور اگر نماز خراب اور غلط ہو، تو وہ خود بھی خراب اور غلط آدمی ہوگا۔

نئی روشنی والوں کی غلطیاں:

جدید دور کے لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ ننگے سر نماز پڑھتے ہیں۔ انگریزی طرز کے

بال، درمیان میں ٹیڑھی مانگ اور اللہ کے سامنے سیدھا کھڑا ہوتا ہے۔ اگر اُس سے پوچھو گے کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو وہ کہے گا کہ کیا ننگے سر نماز نہیں ہوتی؟ اس طرح تو اگر آدمی شلوار اُتار کر لمبی قمیص کیساتھ نماز پڑھے گا، تو اُس کی نماز بھی ادا ہو جائے گی، لیکن کیا کوئی ایسا کر سکتا ہے؟ یا اگر صرف شلوار پہنی ہو اور قمیص نہ ہو بلکہ سارا پیٹھ اور پیٹ دکھائی دے رہا ہو، تو بھی نماز ادا ہو جاتی ہے۔ یہ جاہل لوگ ہیں۔ یہ نماز کے آداب اور سنن سے ناواقف ہیں۔ اس طرح سے تو نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔ یہ درست ہے کہ صحابہؓ نے اس طرح بھی کیا ہے لیکن انہوں نے فقر کی وجہ سے کیا۔ اگر کسی کے پاس ٹوپی اور پگڑی نہ ہو، اور سر کے بال عاجزی کے ساتھ منڈائے ہوئے ہوں، یا سنت کے مطابق بال رکھے ہوں اور پھر وہ ننگے سر نماز پڑھ رہا ہے، تو ٹھیک ہے۔ اسی طرح سے احرام میں بھی لوگ ننگے سر نماز پڑھتے ہیں لیکن تم لوگ مستی کی وجہ سے اس طرح کرتے ہو اور تکبر کی وجہ سے دماغ میں خناس بیٹھا ہوا ہے۔ اس لیے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ اسلام کے آداب کے خلاف ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ "اذا اوسع اللّٰہ فاوسعوا" صحابہؓ کے ساتھ تو کپڑے نہیں تھے۔ ایک چادر اوڑھے ہوئے ہوتے تھے۔ اس طرح لمبی قمیص ہوتی تھی اس کو پہنتے۔ بہت زمانہ تک خود حضور ﷺ کی قمیص نہ تھی، صرف چادر اوڑھا کرتے تھے۔ اتنے فقر کا زمانہ تھا۔ صحابہؓ جب بیٹھتے تو ایک دوسرے کے اوٹ میں اپنے آپ کو چھپاتے، تا کہ کہیں کسی کو نظر نہ آئیں۔ سب کے پاس صرف ایک یا دو چادریں ہوتی تھیں۔ آپ صرف اُن کی مثال ہی پیش کرتے ہیں۔ اگر آپ بھی اُن کی طرح فقیر ہیں اور آپ کے پاس ٹوپی یا پگڑی نہیں ہے۔ تو ٹھیک ہے نماز ننگے سر ہی پڑھ لو۔ لیکن اگر تمہارے ساتھ اللہ نے احسان

کیا ہے۔ آپ کے پاس چادر ٹوپی یا پگڑی ہے اور پھر بھی ننگے سر نماز پڑھ رہے ہو تو یہ تکبر اور مستی کی وجہ سے ہے۔ اب لوگوں نے اس کو ایک فیشن بنالیا ہے۔ یہ متکبر لوگوں کا کام ہے اور آداب کے بھی خلاف ہے۔

ایک اور غلطی:

اس طرح بعض لوگوں نے کہنیاں کھلی رکھی ہوتی ہیں۔ یہ بے ادبی ہے اور ادب اسلام کی روح ہے۔ جب اللہ کے سامنے اس طرح سے نماز پڑھی جاتی ہے تو وہ خوش نہیں ہوتے۔ اس سے چہرہ پھیر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو عاجزی ہی بہت پسند ہے۔ تواضع کیساتھ نماز پڑھنا چاہیے۔ اگر حقیقت میں عاجزی نہیں ہے تو پھر بھی شکل عاجزی کی بنالو۔ اسی لیے علماء کہتے ہیں کہ نماز میں سر جھکا کر رکھنا چاہیے، اکڑ کر کھڑا ہونا منع ہے۔ اس طرح کی وضع بنا لینی چاہیے کہ آدمی متواضع معلوم ہو۔ ننگے سر، انگریزی بالوں کیساتھ نماز میں کھڑا ہونا آداب کے خلاف ہے۔ میں نے پہلے بھی بتادیا کہ اگر فقیر ہو اور ٹوپی ساتھ نہ ہو، تو پھر کوئی حرج نہیں، اُس وقت تو صرف چادر اوڑھ کر بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے لیکن یہ ادب نہیں۔

اس لیے ان دونوں قسم کی غلطیوں سے بچو۔ رکوع اور دونوں سجدوں کے درمیان اچھی طرح سے قومہ اور جلسہ بھی کیا کرو، اور ننگے سر نماز بھی نہ پڑھو۔ امام بھی صرف ٹوپی پہن کر نماز نہ پڑھائے۔ جہاں پگڑی عزت کا لباس ہے وہاں امام عزت کا لباس پہنے، جیسے ہمارے علاقہ میں اگر امام پگڑی کے بغیر نماز پڑھائے تو نماز مکروہ ہوتی ہے۔ ٹھیک ہے ذمہ تو فارغ ہو جاتا ہے، لیکن نماز مکروہ ہے۔ اس لیے پگڑی باندھا کرو۔ صرف ہونے کو تو بہت سی باتیں ہو جاتی ہیں، لیکن کیا کوئی اس کو پسند کرتا ہے؟

ایک حکیمانہ مثال:

اگر کوئی آپ سے کہے کہ ایک ایسی عورت سے تمہاری شادی کراتے ہیں، جو اندھی ہے اور اُس کے ہاتھ بھی شل (بے کار) ہیں۔ تو کیا تم اس سے شادی کرلوگے؟ بالکل نہیں! اگر کوئی آپ سے کہے کہ یہ عورت ہی تو ہے۔ دیکھو باقی اعضاء اُس کے برابر ہیں، بچے بھی جنے گی۔ تو کیا تم راضی ہوجاؤگے؟

ہر چیز میں خوبصورتی پسند کی جاتی ہے۔ یہ مستحبات نماز کی خوبصورتی ہیں۔ سنن نماز کے مکملات ہیں۔

نماز کے سنن اور مستحبات کی مثال:

سنن چھوڑنے کی مثال اس طرح ہے جیسے گنجا آدمی، جو ہر وقت سر پر ہاتھ پھیر رہا ہوتا ہے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی کھانا کھانا پسند کرتا ہے......؟ یا جس کا چہرہ بگڑا ہوا ہو، یا زبان توتلی ہو، یا گونگی ہو، یا منہ فالج (لقوہ) کے اثر سے ٹیڑا ہو، تو ٹھیک ہے یہ انسان تو ہے، لیکن اس کی شکل بدنما ہوتی ہے۔ اور مستحب چھوڑنے والے کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک خوبصورت نوجوان آدمی ہو لیکن وہ گندے کپڑے پہنے ہوئے ہو، اس سے بدبو آتی ہو یا اس کا گریبان پھٹا ہوا ہو، یا اس کے شلوار کا ایک پائنچہ اوپر ہو اور دوسرا نیچے، یا اس کے ایک پاؤں میں جوتا موجود ہو اور دوسرے پاؤں میں نہیں۔ یا مثلاً وہ عورت جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں اور اس سے بدبو آتی ہو کیا وہ کسی کو پسند آتی ہے......؟ اسی طرح مستحبات اور سنن ہیں۔

اس لیے اچھی طرح سے جب خوبصورت نماز پڑھو گے۔ آداب اور مستحبات کی رعایت رکھو گے۔ تواضع اور عاجزی کیساتھ شکل عاجزی کی بناؤ گے۔ سر پر ٹوپی رکھو گے تو وہ

اللہ کو پسند ہوگی۔ اسی طرح جو لوگ قراقلی پہنتے ہیں، میرا جی اُن کے پیچھے بھی نماز پڑھنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ یہ متکبروں کی علامت ہے۔ انسان کیا تکبر کرے گا، انسان کیا چیز ہے......؟ تو امام صرف ٹوپی یا قراقلی پہن کر نماز نہ پڑھائے۔ ضرورت ہو تو ٹھیک ہے، اگر پگڑی نہ ہو تو الگ بات ہے۔ لیکن یہ اسلام کے آداب کے خلاف ہے۔ اس طرح نماز پڑھنے سے نماز تو ہوجائے گی لیکن صرف ہونا تو مقصود نہیں جیسے نماز تو شلوار کے بغیر بھی ہوجاتی ہے اگر بہت لمبی قمیص پہنی ہو تو بھی نماز ہوجاتی ہے۔

دوسری بات جو حقوق العباد سے متعلق ہے:

دوسری بات، جسکا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ وہ یہ کہ پٹھان لوگ عورتوں کے حق میں ظلم کرتے ہیں۔ بیٹیوں کو فروخت کرتے ہیں۔ عورتوں کو قتل کے بدلے (سورہ) میں دیتے ہیں۔ عورتوں کو میراث نہیں دیتے۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ یاد رکھو! عورتوں کو بیچنا حرام ہے۔ کیا تم بیٹے کو بھی بیچتے ہو، یا صرف بیٹی کو بیچتے ہو۔ حالانکہ بیٹے اور بیٹی میں کیا فرق ہے......؟ دونوں یکساں اولاد ہیں۔ اللہ کی قسم! آج کے زمانہ کے بہت سے بیٹوں سے بیٹیاں اچھی ہوتی ہیں۔ بیٹے تو چرسی، ہیروئنی، نسواری، سگریٹی ہوجاتے ہیں لیکن عورتوں کی نسوار اور سگریٹ کی عادت کبھی میں نے نہیں سنی۔ ممکن ہے کوئی عورت کرتی ہو لیکن وہ کوئی بہت ہی منحوس، ماڈرن فیشن ایبل ہوگی۔ جب بیٹا شادی کرلیتا ہے تو وہ خود مختار ہوجاتا ہے۔ اپنی ٹوپی کو تکبر کیساتھ پیشانی پر رکھ لیتا ہے۔ جبکہ بیٹی کی شادی بھی ہوجائے تب بھی والدین کی تکلیف یا راحت کی خبر جب اس کو پہنچتی ہے تو وہ دوڑ کر آتی ہے۔ باپ کے جوتے پالش کرتی ہے، کھانا لاتی ہے۔ اس کی تکلیف سے غمگین رہتی ہے۔ اس لیے جب بیٹے پر

پیسے خرچ کرتے ہو تو بیٹی پر کیوں خرچ نہیں کرتے ......؟ کیا یہ بیٹی تمہاری جگر کا ٹکڑا نہیں......؟ جو بیٹیاں فروخت کرتے ہیں میں کہتا ہوں یہ انسان ہی نہیں۔ ان سے تو گدھے بھی اچھے ہیں۔ بیٹی یا بہن کو فروخت کرنا، اس کے پیسے لینا، یا اس کو خریدنا اور پیسے دینا؛ یہ خنزیر کی گوشت اور مردار کا خون اور پیپ ہے، جس کو یہ کھاتے ہیں۔ جو لوگ عورتوں کو فروخت کرتے ہیں، انہوں نے تو سارا معاشرہ تباہ کر دیا ہے اور یہ بڑا ہی ظالم شخص ہے، اس لیے کہ جو بیٹی یا بہن کو فروخت کرتا ہے وہ ایک خوبصورت، نیک سیرت، عالم، تعلیم یافتہ نوجوان کو رشتہ اس لیے نہیں دیتا کہ اس کے پاس دینے کے لیے پیسے نہیں ہوتے۔ لیکن ایک بوڑھا شخص جس کے منہ میں دانت بھی نہ ہوں، اور اسکا منہ نسوار سے بھرا رہتا ہو، اس کی سات بیویاں پہلے مر چکی ہوں لیکن وہ پیسے زیادہ دیتا ہو تو یہ ظالم باپ اپنی چودہ سال کی وہ خوبصورت بیٹی اس کو بیاہ دیتا ہے۔ وہ بیچاری بہت چیخے پکارے، کہ مجھے یہ منحوس اور مردار شخص نہیں چاہیے لیکن اس کو رقم کے بدلے دے دیتے ہیں۔

حرص و ہوس کی انتہاء:

اللہ کی قسم! میں نے سنا ہے کہ یہ منحوس مسلمان، سکھ اور ہندوؤں پر بھی بیٹی فروخت کرتے ہیں، اس لیے کہ جب ایک قوم کا مقصد پیسہ کمانا ہو تو وہ بیٹی کو ایک گائے یا بھینس کی طرح سمجھتے ہیں اور اس کو فروخت کر دیتے ہیں۔ اگر سکھ اور ہندو زیادہ پیسے دیتے ہوں، تو ان کو بھی اپنی بیٹی دے دیتے ہیں اور مذہب کی بھی پروا نہیں کرتے۔ کیا یہ شخص بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے......؟ میں تو کہتا ہوں کہ یہ انسان بھی نہیں اس لیے کہ ایک گدھا یا گائے بھی اس سے بہتر ہوگی۔ جو یہ بھی نہیں جانتا کہ دین میں بیٹے اور بیٹی کا کیا فرق ہے؟ اور مرد

عورت کا کیا فرق ہے؟ ٹھیک ہے اسلام میں عورتوں کے متعلق اپنے احکام ہیں، پردہ کے، میراث اور گواہی کے لیکن بحیثیت انسان دیگر باتوں میں کوئی فرق نہیں۔ ان ظالموں نے سارا اسلام بدنام کر رکھا ہے۔ دیگر لوگ سمجھیں گے کہ شاید اسلام میں ایسا ہی ہے۔

ادلے بدلے کی شادی اور اس کا انجام:

پٹھانوں کی دوسری بُری عادت، ادلے بدلے کی شادی (وٹہ سٹہ کی شادی) ہے۔ اپنی بیٹی کو دوسرے کی بیٹی کے بدلہ میں بیاہ دینا یا اپنی بہن کو دوسرے کی بہن کے بدلہ میں بیاہ دینا؛ یہ بھی حرام، ناجائز اور جرم ہے۔ (یہ بات حضرت شیخؒ نے ایک خاص رسم کے بارے میں کہی ہے۔ بعض جگہوں میں عورت کے والدین بھاری رقم کا مطالبہ کرتے ہیں تو رقم نہ ہونے کی صورت میں اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ ان سے کرا کر اپنے لیے ان کی بہن یا بیٹی حاصل کرتے ہیں، اس طرح دونوں طرفین کو نکاح کے لیے مفت عورتیں مل جاتی ہیں۔ اگرچہ مہر وغیرہ مقرر ہوتا ہے۔ عموماً اس قسم کی شادیوں کے بُرے انجام سے عورتوں کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ذاکر حسن) گھریلو ناچاقی کی صورت میں اسکا انجام دونوں گھروں کی بربادی ہے۔ ہاں! یہ بات ٹھیک ہے کہ اگر رشتہ دار بغیر شرط اور بدلہ کے اپنی بیٹی وغیرہ کی شادی کریں تو اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن تبادلہ کرنا ٹھیک نہیں۔ یہ وہ لوگ کرتے ہیں جو اپنی عورتیں فروخت کرتے ہیں۔ انکے پاس پیسے نہیں ہوتے، تو کہتے ہیں کہ چلو میں رقم کے بدلے میں بیٹی دے دونگا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیٹی کو اپنے بھائی کی شادی کے تبادلے کے لیے پیدا نہیں کیا کہ اس کی شادی کے بدلہ میں بیاہ ہو کر چلی جائے۔ وہ خود بھی ایک انسان ہے۔ جو تبادلے کی شادی کیا کرتے ہیں وہ معاشرے کو خراب کرتے ہیں۔ اگر ایک گھر میں ایک شوہر اپنی بیوی کو کسی وجہ سے مارے اور وہ اپنی ماں سے جا کر شکایت کر دے، تو وہ جواباً اپنے بیٹے سے کہتی ہے کہ جب اُنہوں نے ہماری بیٹی کو مارا ہے، تو تم بھی اُن کی بیٹی کو

مارو، حالانکہ اس لڑکی کا کیا قصور......؟ کسی وجہ سے اگر ایک گھر میں ایک شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے، یا اگر ایک طرف والوں نے کسی وجہ سے دوسری شادی کر لی، تو دوسری طرف والے بھی جواب میں اُسی طرح سے کرتے ہیں۔ اگر چہ اس دوسرے گھر والوں کو شادی کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہو۔

دو عجیب واقعات:

ایک دفعہ میں ایک گاؤں گیا ہوا تھا۔ میرے کسی شاگرد کی دستار بندی تھی اُس نے بتایا کہ یہاں اس گاؤں میں تیرہ (۱۳) عورتیں تبادلہ کی شادی کے نتیجہ میں طلاق پاچکی ہیں۔ اسی طرح روزانہ یہ جھگڑے ہمارے پاس آتے رہتے ہیں۔ مگر لوگ پھر بھی تبادلہ کی شادیاں کرتے ہیں۔ یہ غلط، ناجائز رواج ہے۔ ایک عورت کے بدلے دوسری عورت مار کھاتی ہے۔ کیوں؟ یہ تو سراسر ظلم ہے۔

ایک دفعہ مجھے ایک جگہ کے مولوی صاحب نے بتایا کہ تبادلہ کرنے کی شادی جائز ہے۔ میں نے کہا: ارے احمق! دوبارہ دین کا سبق پڑھو۔ سارا مذہب تم لوگوں نے بدنام کر دیا ہے۔ پھر اُس نے خود کہا: کہ آپ نے ٹھیک کہا ہمارے گاؤں میں بھی ایک شخص نے بیوی چھوڑ دی تھی۔ اُس شخص کی بہن اس مطلقہ عورت کے بھائی کے نکاح میں تھی۔ پانچ بچے بھی تھے اور دونوں شوہر بیوی کا آپس میں بہت اچھا تعلق تھا، لیکن اُسکی ماں نے اُس سے کہا کہ تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو اور طلاق دے دو، اس لیے کہ ہماری بیٹی کو بھی طلاق ملی ہے۔ وہ لڑکا کہنے لگا کہ چونکہ میری بہن زبان دراز تھی۔ خاوند کیساتھ تعلق بھی درست نہ تھا اس لیے اس کو طلاق مل گئی۔ میرا تو بیوی کیساتھ اچھا تعلق ہے اور میری اولاد بھی ہے......... لیکن

اُس بیچارے کی ایک نہ سنی گئی۔ زبردستی اس عورت کو طلاق دے دی گئی۔ یہ تبادلے کی شادی کا نتیجہ ہے۔ مجھے ٹھگ مولوی بالکل اچھا نہیں لگتا، حیلہ گر۔ یہاں حیلہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ یہ صحیح کام نہیں۔

باون افغانی مہر......:

پہلے عورت کو لاکھوں روپیہ میں فروخت کر لیتے ہیں، پھر نکاح خواں مولوی صاحب سے کہتے ہیں کہ باون (۵۲) افغانی مہر مقرر کرو۔ اس رقم سے تو نسوار کی ڈبیا بھی نہیں ملتی۔ یہ لاکھوں روپے کیوں لے لیے؟ لہذا عورتوں کو فروخت کرنا اور تبادلہ میں دینا یہ دونوں کام جائز نہیں۔

عورت کو میراث بنانا:

تیسری بُری عادت، عورت کو میراث سمجھنا ہے۔ ہمارے پٹھانوں میں اچھی صفات بھی ہیں لیکن یہ چند بُری صفات ہیں۔ یہ سراسر ظلم ہے اور شریعت ظلم کو پسند نہیں کرتا۔ عورت کا میراث ہونا اس کو کہتے ہیں کہ جب عورت کا شوہر مر جائے تو اُس کا دیور (شوہر کا بھائی) کہتا ہے کہ میرے بھائی کے مرنے کے بعد اس کی بیوی پر میرا استحقاق ہے۔ اس لیے کہ ہم نے اس کے والدین کو پیسے دیے تھے۔ یہ ان قبائل کا رواج ہے۔ تیراہ، بلوچستان اور افغانستان کے بعض علاقوں میں یہ رواج ہے۔ ہمیں روزانہ اس طرح کے مسئلے موصول ہوتے ہیں۔

ایک شہید کی بیوہ کا واقعہ:

پچھلے دنوں ایک آدمی آیا کہ میرا بھائی شہید ہو گیا ہے۔ اس کا نقد مال بھی رہ چکا ہے

اور اسکی بیوی بھی ہے اور میرے دو سوتیلے بھائی ہیں۔ وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ یا تو بیوہ ہمارے حوالہ کرو، یا مال۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ ان پر کس کا حق ہے۔ میں نے کہا کہ اگر اس کی کوئی اولاد نہیں تھی تو مال تیرا ہے مگر عورت تو اب آزاد ہے.......... ۔وہ چلا گیا۔ بعد میں پھر کسی اور مسئلہ میں جرگہ لے کر آیا۔ تو میں نے پوچھا کہ اس پہلے مسئلہ کا کیا ہوا۔ کہنے لگا کہ عورت تو میں نے لے لی، جبکہ مال دوسرے بھائیوں نے لے لیا۔ میں نے ان جرگہ والوں سے پوچھا کہ کیا وہ عورت اس کے ساتھ شادی کرنے پر راضی تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ نہیں۔ وہ سخت ناراض تھی۔ میں نے کہا: کہ پھر تو نکاح ہوتی ہی نہیں۔ آپ نے اس کے ساتھ نکاح کیسے کیا؟

میں سوچتا ہوں کہ ان ٹھگ مولویوں کیساتھ خدا کیا معاملہ کرے گا۔ یہ لوگ تو اُلٹے منہ جہنم میں ڈالے جائینگے۔

ایک اور واقعہ:

ایک دفعہ ایک اور شخص آیا کہ میں نے بیٹے کی شادی کی تھی اور وہ شادی کے سات روز (ایک ہفتہ) بعد مر گیا۔ وہ شخص زار و قطار رو رہا تھا۔ مجھے بھی بہت افسوس ہوا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ: چچا جان! اس بہو کے ساتھ کیا کرو گے۔ کہنے لگا کہ میرا ایک اور چھوٹا بیٹا ہے وہ پانچویں جماعت میں پڑھتا ہے یہ اُس کے لیے انتظار کرے گی۔ میں نے پوچھا یہ کیوں؟ تو اس نے جواب دیا کہ اسکی شادی پر ہم نے اُس کے والدین کو پیسے دیئے ہیں۔

اسی طرح ایک اور جگہ دیکھا کہ وہاں ایک عورت کا شوہر مر چکا تھا اور اسکے رشتے دار ایک دوسرے مرد کے ساتھ اس کی شادی کرانا چاہتے تھے۔ وہ عورت اس شادی پر راضی

نہیں ہو رہی تھی، پھر اس نے اپنی مرضی سے کسی اور کے ساتھ شادی کر لی۔ اس پہلے فوت شدہ شوہر کے رشتہ داروں نے اس کے دوسرے شوہر سے ایک لاکھ چالیس ہزار روپے لے لیے، کہ اس آدمی نے ہماری عورت کو نکاح میں لیا ہے۔ اس کی شادی پر اسکے والدین نے ہم سے پیسے وصول کیے تھے۔

عورت کو بیل گائے بناؤ، نہ گدھی اور کتیا:

خدارا! ان عورتوں کو گائے، بیل یا بھینس نہ بناؤ کہ منڈی میں فروخت کر لو۔ یہ بات بھی بجا ہے جو آزادی پنجاب والے لوگوں میں ہے وہ بھی مجھے پسند نہیں کہ عورت LADDY بن کر آگے تانگے میں بیٹھی ہوتی ہے اور یہ جناب (شوہر) پیچھے۔ وہاں کی اکثر عورتیں بے پردہ پھرتی رہتی ہیں۔ جیسے ان بعض نام نہاد پختونوں کی عورتیں ہیں جو پختون پختون کا نعرہ لگاتے پھرتے ہیں اور عورت کو چاردیواری سے باہر نکال لائے ہیں۔ کم بختو! تم نے تو پختونوں کی پشتو (غیرت) کو رسوا کر کے رکھ دیا ہے۔ پختون (غیرتی) اس کو تو نہیں کہتے۔

تو نہ عورتوں کو فروخت کرنا جائز ہے، نہ ان کی بے پردگی اور انکو آوارہ گھمانا۔ یہ سب حرام ہے۔

پردہ کے بارے میں ایک آزاد خیال لیڈر کے خیالات:

ایک لیڈر کا کہنا ہے کہ اگر ہم حکومت میں آگئے تو عورتوں کو کفن سے آزادی دلائیں گے۔ وہ پردے کو کفن کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لندن میں کوئی پردہ نہیں ہے۔ ان لیڈروں کا قبلہ بھی لندن ہے۔ اللہ ان کو لندن ہی لے جائے جبکہ ہم تو مسلمان ہیں اور ہمیں

اس پر فخر ہے اور شکریہ بھی ادا کرتے ہیں۔ جن حضرات کو لندن پسند ہے اللہ ان کو لندن ہی میں مروادے اور جن کو لندن کی عورتیں پسند ہیں اللہ ان کی بیویاں بھی لندن میں مروادے۔ ہم لندن کی تہذیب وتمدن یہاں نہیں چاہتے۔ ہم سب مسلمان ہیں، پھر پٹھان ہیں۔ ہم حیا، عزت اور دین داری کے قائل ہیں۔ ہم اپنی عورتوں سے کتے، کتیا یا گندگی پر پلنے والی گدھیاں نہیں بنانا چاہتے۔ جس طرح عورتوں کو شتر بے مہار، یا گدھیاں بنانا درست نہیں اس طرح ان کو بیچنا بھی درست نہیں۔ وہ آزاد انسان ہیں۔ اگر بیٹے پر خرچ کرتے ہو تو بٹی پر بھی خرچ کروگے۔ ٹھیک ہے کہ مہر شوہر کے ذمے ہے لیکن یہ بھی عورت ہی کا حق ہے۔ ماں باپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بہت سے ٹھگ شوہر کہتے ہیں کہ "یہ ہمیں بخش دو، ہم قبول کرلیں گے"۔ یہ بھی درست نہیں۔

تیسری بات؛ جس کا تعلق حقوق النفس سے ہے:

تیسری بات جس کا تعلق حقوق النفس سے ہے، وہ یہ ہے کہ پٹھانوں میں سگریٹ اور نسوار کا بہت رواج ہے۔ اللہ کے واسطے اس کو چھوڑ دو۔ نسواری، اور سگریٹ پینے والے کے منہ سے ایسی بدبو آتی ہے جیسے اس نے سات، آٹھ روز کا مردہ چوہا منہ میں دبا رکھا ہو۔ وہ خود تو محسوس نہیں کرتے۔ ان کی مثال صفائی کرنے والے بھنگی جیسی ہے جو گندگی میں ہاتھ ڈالتا رہتا ہے لیکن اس کی بدبو محسوس نہیں کرتا، اسلئے کہ وہ عادی ہو چکا ہے۔ یہ منہ تو انسان کی خوبصورتی کی جگہ ہے۔ جب کوئی باتیں کرتا ہے تو لوگ اسکے منہ اور دانتوں کو دیکھتے ہیں۔ اس منہ سے تلاوت ہوتی ہے۔ اس سے درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ اس سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تو اس کو گندگی میں مبتلا نہ کرو۔ کیا نسوار بھی کھانے کی کوئی چیز ہے؟

نسوار کے تیئس امراض:

اس سے ۲۳ امراض بنتے ہیں۔ جو شخص افیون کھاتا ہے، چرس، سگریٹ اور نسوار استعمال کرتا ہے تو بعض بزرگ کہتے ہیں کہ مرتے وقت یہ شخص کلمہ نہیں پڑھ سکے گا۔ نسوار کے عادی آدمی کو نسوار کے بغیر کھانا مزہ نہیں دیتا۔ وہ نسوار کھائے بغیر بول براز نہیں کرسکتا اور رمضان المبارک کے دنوں میں، دوپہر کے بعد کوئی اُس سے بات نہیں کرسکتا۔ بعض دفعہ دعوتوں میں دیکھا کھانا کھانے کے بعد سب نسوار کی ڈبیا نکال لیتے ہیں۔ ارے کم بختو! یہ آپکو کس نے اس پریشانی میں مبتلا کردیا ہے۔ اس کی بجائے کوئی پھل کھاؤ۔ گوشت وغیرہ کھاؤ۔ یہ کیا بے فائدہ چیز ہے۔

خلاصہ بیان:

ان تین باتوں کا بہت خیال رکھو۔ آپکو وہ باتیں بتائی ہیں جو ان علاقوں کے لوگوں میں ہیں۔ نماز صحیح ادا کرو، عورتوں کے حق میں دونوں باتیں درست نہیں، نہ اُن سے گلیوں کی گدھیاں بناؤ اور نہ ہی ان سے گائیں بناؤ کہ ان کو فروخت کرو۔ ان کی اپنی عزت اور مقام ہے اور نسوار وسگریٹ کو لات ماردو۔ اس کی بجائے گوشت، پھل اور سبزیاں کھاؤ۔

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر حکیمانہ بحث:

ابھی راستہ میں ایک شخص نے ایک مسئلہ کے بارے میں پوچھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان کیا اختلاف تھا؟

یاد رکھو! ہمارے دین کا یہ مسئلہ ہے، کہ اختلافات کو بیان نہیں کرو گے، لیکن ممکن ہے کہ کسی نے اس سے سوال پوچھا ہو تو یاد رکھو! صحابہ کرامؓ سب، حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لے کر سب سے چھوٹے اور ادنیٰ درجے کے صحابی حضرت وحشیؓ تک جو بھی ہے، ان سب کے سردار حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں، جنکا مرتبہ انبیاءؑ کے بعد سب سے بڑا ہے۔ رضی اللہ عنہ۔ آپ بھی کہیں، رضی اللہ عنہ۔ پھر سیدنا عمر فاروقؓ ہیں، پھر حضرت عثمان ذوالنورینؓ ہیں، پھر حضرت علی المرتضیٰؓ، پھر عشرہ مبشرہ کے باقی چھ صحابہ ابوعبیدۃ بن الجراح، سعد بن ابی وقاصؓ، زبیرؓ بن العوام، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، طلحہؓ بن عبیداللہ، سعید بن زید؛ پھر بدرین، پھر احد کے شرکاء......

سب سے چھوٹے درجہ کے صحابیؓ:

سب سے کم درجہ کے صحابی حضرت وحشیؓ ہیں جنہوں نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ یہ غلام تھے اپنی آزادی کے لیے ان کو شہید کیا تھا۔ پھر اچانک مسلمانوں کے ایک گروہ کیساتھ آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر پوچھا کہ حضرت اگر وحشی آ کر اسلام لائے تو اسکی توبہ قبول ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! پھر کہنے لگا کہ حضرت ﷺ میں ہی وحشی ہوں اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ ۔ آنحضرت ﷺ نے

پوچھا: کیا تم نے میرے چچا کو قتل کیا ہے۔ کہنے لگا: ہاں! فرمایا: ٹھیک ہے ایمان قبول ہے لیکن تمہیں دیکھنے سے مجھے چچا یاد آتے ہیں اور اس کی بے دردی کی شہادت، اس لیے کہ ان کی شہادت کے بعد ہندہ نے ان کے سینے کو چاک کر کے دل نکالا تھا اور خاص خاص اندام کاٹ لیے تھے۔ تو آپ ﷺ نے ایسی شکل میں دیکھا تھا جیسے قربانی کا جانور، جو اپنی کھال کے اوپر بوٹیاں بن کر پڑا ہوتا ہے۔ اس لیے انکو فرمایا کہ میرے سامنے نہ آیا کرو۔ انہوں نے صرف ایک مرتبہ آپ ﷺ کو سامنے سے دیکھا ہے اور بس......

حضرت وحشیؓ کا مقام و مرتبہ:

علماء کے نزدیک یہ کم درجہ کے صحابیؓ ہیں لیکن ہمارے دین کا یہ مسئلہ ہے کہ سب اولیاء کرام، سب علماء کرام اور سب بزرگوں کو اگر اکھٹا کیا جائے تو یہ سب حضرت وحشیؓ کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ سردار دو جہاں ﷺ کی نظر مبارک جس پر بھی اسلام کی حالت میں پڑی ہے اُس کو اللہ تعالیٰ نے یہ عزت بخشی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی مثال:

صحابہ کرامؓ آسمان کے چمکتے تارے ہیں۔ آسمان کے تاروں میں زیادہ چمکدار، خوبصورت اور کم چمکدار تارے، ہر قسم کے ہوتے ہیں، لیکن یہ سب ہم سے اوپر ہیں اور آسمان کے تارے ہیں۔ اگر کوئی آسمان کے تاروں پر تھوکتا ہے تو یہ تھوک کس پر پڑے گی؟ جس نے تھوکا ہے اُسی کے چہرے پر آئے گی۔ جو صحابہ کو برا بھلا کہے وہ اسی کے منہ پر پڑتی ہیں۔ جب دو جہاں کے سردار ﷺ نے کہہ دیا ہے، کہ انکا خیال رکھو۔ میرے صحابہؓ کے بارے میں لب کشائی نہ کرو۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں "اللہ اللہ فی اصحابی "اللہ سے

ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے صحابہؓ کے بارے میں۔ اگر ان کیساتھ کسی نے محبت رکھی تو یہ میرے ساتھ محبت ہے اور جو ان سے بغض رکھے تو یہ میرے ساتھ بغض ہے۔ ٹھیک ہے اختلاف بھی ہوگا لیکن ہماری اور آپ کی کوئی مجال نہیں کہ اس کے متعلق لب کشائی کریں یا کچھ کہہ سکیں۔ اگر کسی کا باپ اور چچا آپس میں لڑے تو عقلمند بھتیجا چچا کو کچھ نہیں کہے گا کہ لڑنے والے آپس میں بھائی ہیں۔

ایک قرآن شریف کو دوسرے قرآن شریف کے اوپر رکھا جاسکتا ہے لیکن اس کے اوپر کوئی دوسری کتاب رکھنا مناسب نہیں۔ حضرت یوسفؑ اور اُن کے بھائیوں کے درمیان جو کچھ ہوا تھا اس کا بیان بارہویں پارے کے نصف سے تیرھویں پارے تک اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔ انکے بھائیوں نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت یوسفؑ کو باپ سے جدا کیا پھر کنویں میں ڈالا، پھر باپ سے جھوٹ کہا اور پھر جب قافلہ والوں نے اُن کو کنویں سے نکالا، تو اُن پر بیچ دیا تو یہ کتنے گناہ کے کام ہیں۔ اپنے والد کے دل کو ٹھیس پہنچانا، جو پیغمبرؑ بھی ہیں، اور ایک بے گناہ چھوٹے بچے کو جنگل کے کنویں میں ڈالنا جو سانپوں اور اژدھوں سے بھرا ہوا ہوگا، اور جنہوں نے ان کو نکالا پھر ان پر ہی فروخت کرنا، پھر باپ سے جھوٹ کہنا کہ اس کو بھیڑیے نے کھالیا ہے۔ سب کچھ کے باوجود چونکہ وہ آپس میں بھائی ہیں اس لیے قرآن کریم میں ان بھائیوں کے بارے میں کوئی ہلکی یا خفیف بات نہیں آئی ہے۔ اس لیے کہ باپ اور بھائی نے انکو معاف کیا اور بھائیوں کے درمیان اس طرح سے ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے کیا تھا کہ باپ کی سب کچھ خدمت تو ہم کررہے ہیں اور محبت اُن کی اس کے ساتھ ہے۔ اس کو درمیان سے ہٹاتے ہیں تاکہ باپ کی محبت ہمارے ساتھ بھی زیادہ

ہو جائے۔ تو باپ کی محبت حاصل کرنا اچھی بات ہے لیکن انہوں نے غلط راستہ اختیار کیا۔ تو یہ سب صحابہؓ بھائی تھے کبھی کسی بات پر اختلاف بھی آجاتا ہے اس سے ہمارا کیا کام۔ کہ اپنے آپ کو برباد اور غرق کرلیں۔

حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا واقعہ:

حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کے لیے توراۃ لانے کوہِ طور پر گئے۔ ادھر قوم نے بچھڑے کی عبادت شروع کردی، اللہ تعالیٰ نے وہاں کوہِ طور پر ہی اُن سے کہہ دیا کہ تم یہاں آئے ہو اور قوم کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ کہا: یا اللہ! تو ہی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: انہوں نے تو بچھڑے کی عبادت شروع کرلی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو بہت افسوس ہوا کہ یہ تو جانور ہیں۔ چالیس سال تو میں نے ان کو نصیحت کی، فرعون اور اس کا لشکر ان کے لیے غرق کردیا گیا، انہوں نے دیکھ بھی لیا اور دریا میں ان کے لیے راستے بنائے گئے، رات کو ان کے لیے روشنی کا انتظام ہوتا اور انہوں نے من وسلویٰ کھایا، ان پر بادل کا سایہ کیا جاتا رہا۔ ان تمام احسانات کے باوجود یہ کیسے گمراہ ہوگئے۔ حضرت موسیٰؑ جب کوہِ طور سے واپس آئے تو بہت غصے میں تھے۔ یہاں تک کہ اپنے بھائی ہارونؑ کو جو پیغمبر بھی تھے، ان کو سر اور داڑھی کے بالوں سے پکڑ لیا اور کہا کہ کیا تم نے تبلیغ چھوڑ دی، یا دعوت میں کمزوری دکھائی تھی ﴿واخذ براس أخيه يجره اليه﴾ انہوں نے جواب میں کہا: ﴿لاتاخذ بلحيتى ولا براسى﴾ مجھے میری داڑھی اور سر کے بالوں سے نہ پکڑو۔ میں نے تو دعوت دی تھی مگر یہ پھر بھی گمراہ ہوگئے۔ آپ فیصلہ کریں کہ ایک پیغمبرؑ کی داڑھی اور سر کے بالوں کو کھینچنا کتنی بڑی بے ادبی کی بات ہے۔ کسی عالم دین کی ہتک اور بے عزتی کرنے والے کیلئے کتنا سخت حکم

ہے، اور پھر پیغمبر کی بے عزتی .... لیکن دونوں چونکہ بھائی ہیں اور اس غرض سے پکڑا کہ ان سے دعوت میں کمزوری ہوئی ہے۔ اب کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے غلطی کی ہے؟ نہیں۔ یہ تو دین کے درد کی وجہ سے برہمی کا اظہار کیا تھے۔ اپنی ذاتی غرض سے نہیں۔ بچھڑا تو جانوروں میں بے وقوف جانور ہے۔ کتا بھی اس سے بہت زیادہ عقلمند ہے لیکن انہوں نے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی۔ چونکہ یہ غصہ دین کی وجہ سے تھا اور پھر معافی بھی مانگ لی ﴿رب اغفرلی ولأخی﴾ اس لیے اب ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا، کہ ہم اُن کے بارے میں کچھ کہیں؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی:

دس آیات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ قرآن پاک میں اُن کو جنتی کہا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح میرے پیغمبر ﷺ پاک ہیں اسی طرح ان کی بیویاں بھی پاک پیدا کی گئی ہیں ﴿والطّیّبٰت للطّیّبین والطّیّبون للطّیّبٰت أُولٰٓئک مُبرّءُ ون ممّا یقولون لھم مغفرة ورزقٌ کریمٌ ۝﴾ [سورۃ النور /۲۶]"

اور حضرت علیؓ تو بہادر، غیرتی نوجوان اور عظیم المرتبہ صحابیؓ ہیں۔ سب صحابہؓ ہمارے سروں کے تاج ہیں۔ ان میں اختلاف ہوا ہے مگر آراء میں اختلاف تو ہوتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود بھی وہ آپس میں شیر و شکر تھے۔ اب اگر کوئی بے وقوف، سیدتنا عائشہؓ یا علی المرتضیٰؓ کے بارے میں کوئی نازیبا بات کرتا ہے تو وہ اپنے چہرے کو اپنی تھوک سے آلودہ اور گندا کرتا ہے۔ جو صحابہؓ کے بارے میں کوئی نامناسب بات کہتے ہیں، یہ مجرم ہیں اور یہ پیغمبر ﷺ کے

حکم کی تعمیل نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور فرمایا کہ اگر تم اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خیرات کر دو تو اُن کے چھٹانگ اور آدھ پاؤ خیرات تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے کہ اس وقت اسلام کے لیے قربانی کرنا اور اسلام کے لیے سرنگوں ہونا بلکہ اسلام میں داخل ہونا پورے خاندان کی دشمنی اپنے سر لینا تھا۔ اس وقت یہ بہت مشکل کام تھا۔ اب تو اسلام میں داخل ہونا ہی عزت ہے۔ اُن کے مرتبے تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ انہوں نے عظیم قربانیاں دیں، جہاد میں شرکت کرتے رہے، ہجرت کی، پیغمبر ﷺ کی بہت خدمت کی اور ہم تک دین پہنچانے میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ اللہ کی قسم! اگر آپ عرب کے ممالک کو دیکھ لیں۔ اللہ آپ کو اس کی زیارت کرائے۔ تو ہر طرف ریت ہی ریت اور سخت پتھریلی زمین نظر آئے گی۔ میں ایک مرتبہ ریاض سے مدینہ منورہ بس میں جا رہا تھا۔ اس وقت تک سڑک نہیں بنی تھی۔ ہر بس کو وہاں جانے کی اجازت نہ تھی اس لیے کہ بسیں راستے میں گم ہو جایا کرتی تھیں۔ دو دو سو میل تک انسان نظر نہیں آتا تھا۔ ان علاقوں میں صحابہؓ نے کیسے دین کو پھیلایا ہوگا؟ ۴۵ھ میں پشاور فتح ہوا ہے۔ یہاں تک انہوں نے صرف ۳۵ سال میں اسلام پہنچایا ہے۔ کیا ہم نے ایک اِنچ زمین فتح کی ہے؟

صحابہؓ کے کتوں کو بھی برا نہ کہو:

اگر ان پاک نفوس، ان مبارک ہستیوں، خدا اور رسول کے ان عشاق، ان مجاہدین، اور دین کے ان داعیوں کے کتوں کو بھی کوئی حقارت کی نظر سے دیکھے تو وہ بھی مجرم ہے۔ اگر میں آپ سے عرض کروں کہ آپکے گاؤں پلوسئی کے کتے گندے، آوارہ، بزدل، خراب اور مردار خور ہیں تو آپ کی طبیعت کتنی ناساز ہو جائیگی اور مجھے دل ہی

دل میں کوسو گے۔ حالانکہ کتا کیا چیز ہے؟ اور اگر یوں کہوں کہ: سب بل ڈاگ (BULL DOG) ہیں۔ پرندے کو ہوا میں بھی پکڑ سکتے ہیں، تو آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔ اس لیے کہ اسمیں تعریف کی نسبت پلوسیؔ گاؤں کی طرف ہو رہی ہے۔ تو صحابہؓ کی بھی حضور پاک ﷺ کے ساتھ نسبت ہے۔

آپ ﷺ کے وطن کے کتوں کی بھی اگر تعریف کرو گے اور اُن کے وطن کی بلیوں کی بھی اگر قدر کرو گے تو یہ بالواسطہ ان کی قدردانی شمار ہوگی۔ ان کے وطن کے پودوں درختوں اور ریت کے ٹیلوں کی بھی عزت کرو گے۔ اگر ان کو ہلکا اور حقیر سمجھو گے تو خود بھی ہلکے اور حقیر ہو جاؤ گے۔

ایک حاجی کا واقعہ:

ایک حاجی صاحب نے مدینہ میں دہی خریدی تو وہ ترش نکلی، وہ کہنے لگا کہ مدینہ کی دہی کتنی خراب ہے تو آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے وطن کی دہی پسند نہیں، تو چلو یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ صبح جب جاگ کر اُٹھا تو چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ مجھے جس عالم نے یہ واقعہ بیان کیا اس سے میں نے کہا کہ: یہ حاجی بھی کوئی بڑے مرتبے والا تھا اس لیے اسکو یہ سرزنش دی گئی۔ سرزنش اپنوں کی ہی ہوتی ہے غیروں کی نہیں۔ لوگ اپنے بچے پر غصہ ہوتے ہیں دوسروں کے بچوں پر نہیں۔

تو صحابہؓ عاشق تھے۔ انہوں نے ہمیں دین پہنچایا ہے۔ اگر حضرت عائشہؓ۔ ان پر قربان جاؤں۔ ہماری والدہ ہیں، تو حضرت علی المرتضیٰؓ بھی مسلمانوں کے سردار، آپ ﷺ کے داماد، چوتھے نمبر کی عظیم المرتبہ شخصیت اور خلیفہ ہیں۔ آپ یا کسی اور صحابی کے بارے میں

اختلاف کی کسی قسم کی بات نہ کرو۔ آپؓ ہمارے سروں کے تاج ہیں اور ہمارے سردار ہیں۔

اُمت کی قسمیں:

۲۸ ویں پارے میں قرآن پاک کی آیت ہے:

﴿ للفقرآء المهجرين الذين أخرجوا من ديٰرهم وأموٰلهم يبتغون فضلاً من الله ورضوٰناً وينصرون الله ورسوله، أُولٰئك هم الصّٰدقون ○ ﴾[سورة الحشر / ۸].

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مہاجرین جنہوں نے میرے اور میرے پیغمبر ﷺ کے کہنے پر اپنا وطن چھوڑا یہ سچے لوگ ہیں:

﴿ والذين تبوّؤ الدار والايمٰن من قبلهم يحبون من هاجر اليهم ولا يجدون في صدورهم حاجةً مما أُوتوا ويؤثرون علىٰ أنفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شحّ نفسه فأُولٰئك هم المفلحون ○ ﴾[سورة الحشر / ۹]

اور وہ مسلمان انصار جنہوں نے ان کو جگہ دی، وہ میرے اچھے بندے ہیں، اور کامیاب ہیں۔

پھر: ﴿والذين جاءُ و من بعدهم يقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمٰن ولا تجعل في قلوبنا غلاً للذين ء امنوا ربنا انك رء وف رحيم ○ ﴾[سورة الحشر/۱۰]

امت میں سے ان کے بعد جو آئے تو ان میں سے وہ مجھے پسند ہیں، جو

ان دونوں (مہاجرین وانصار) کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یا اللہ! ان صحابہؓ مہاجرین وانصار کیساتھ احسان کرلے اور ان کے درجات کو بلند کردے، تو یہ میرے اچھے بندے ہیں۔

تو امت کی تین قسمیں ہوئیں۔ (۱) مہاجرین (۲) انصار (۳) یا ان کے بعد ان سے محبت رکھنے والے۔ جو ان تینوں درجات سے خالی ہوں وہ امت رسولؐ میں داخل نہیں ہیں۔ صحابہؓ ہمارے لیے پھول ہیں، تارے ہیں۔ ان میں فرق تو ہوگا لیکن میری آپ کی کوئی حیثیت نہیں؟ کہ ہم ان کے بارے میں کچھ کہیں۔ ہم تو سب کی توقیر اور احترام کرینگے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اولیاء اللہ اور تبلیغی جماعت

سُبْحَانَکَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّامَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ أَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْم ٥

نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا، وَسَنَدَنَا، وَحَبِيْبَنَا، وَشَفِيْعَنَا، وَرَحْمَتَنَا، وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم. ﴿ الاان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیهم ولاهم یحزنون ٥ ﴾ [سورۃ یونس/٦٢]، وقال : ﴿ کلما دخل علیها زکریا المحراب وجد عندها رزقا قال یٰمریم اَنّٰی لک هذا قالت هو من عند اللّٰه ان اللّٰه یرزق من یشآء بغیر حساب ٥ ﴾ [سورۃ آل عمرآن/٣٧]، وقال : ﴿ واما الجدار فکان لغلٰمین یتیمین فی المدینة وکان تحته کنزٌ لهما وکان أبوهما صٰلحاً فأراد ربک أن یبلغآ اشدهما ویستخرجا

كنزهما رحمةً من ربك، وما فعلته عن أمري ذلك تأويل ما لم تسطع عليه صبراً ○ ﴾[سورة الكهف/۸۲] ، وقال : ﴿ ومن أحسن قولا ممن دعا الى الله وعمل صٰلحاً وقال انني من المسلمين ○ ولاتستوي الحسنة ولا السيئة ادفع بالتي هي احسن فاذا الذي بينك وبينه عداوة كانه وليّ حميم○ ﴾ [سورة فصّلت /۳۳] ، وقال: ﴿ ان الله وملٰئكته يصلّون على النبيّ يٰا يها الذين ء امنوا صلّوا عليه وسلموا تسليمًا ○ ﴾[سورة الأحزاب / ۵٦]

درود شریف پڑھیے:

اللّٰهم صلّ علىٰ سيدنا، ونبينا محمدٍ، وعلىٰ ال سيدنا ونبينا محمدٍ، وبارك وسلم وصلّ عليه.

جناب صدر محترم حضرت مولانا الحاج عبدالسلام صاحب، اس علاقے کے بزرگو اور محترم بھائیو اور دوستو!

تذکرہ اولیاء، موجبِ نزول رحمت:

آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ مبارک اجتماع "اولیاء کرام کانفرنس" کے سلسلہ میں ہے۔ اولیاء کرام کے تذکرے، اُن کے بیان اور انکے اوصاف کے تذکروں پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اس وقت ہم اور آپ اُن پاک لوگوں کے تذکرہ کے سلسلہ میں اکٹھے ہوئے ہیں، تو- ان شاء اللہ- اللہ کی طرف سے ہم پر رحمتوں اور برکتوں کی بارش برسے گی۔ یہ احسانات اللہ تعالیٰ ہم اور آپ کو نصیب فرمائے۔

دو باتیں:

عزیز بھائیو! میں اپنے بیان میں دو باتیں عرض کروں گا۔ پھر میرے بعد دوسرے علماء اور بزرگ اپنے اپنے بیان فرمائیں گے۔

پہلی بات یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے دربار میں اولیاء اللہ کی کتنی عزت اور توقیر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ: اولیاء اللہ کی تعریف کیا ہے؟

یہ دونوں باتیں نہایت اہم ہیں۔ پہلی بات تو ویسے بھی لوگ مانتے ہیں۔ لیکن دوسری بات ذرا مشکل ہے کہ اولیاء کن لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے ان دونوں باتوں کو سمجھنا ہوگا۔

قرآن کریم میں دو اولیاء کا تذکرہ:

اولیاء اللہ کے مقام اور عزت کے سلسلے میں میں نے قرآن کریم کی دو آیات تلاوت کیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ دو اولیاء کرام کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ ان میں سے ایک عورت ہے جو ولیہ کاملہ ہے اور دوسرے ولی کامل مرد ہیں، جو وفات پا چکے ہیں مگر وفات کے بعد بھی ان کی کتنی قدر ہے۔

میں اپنی بات پھر دہراتا ہوں کہ پہلی بات یہ ہے کہ اولیاء اللہ کا مقام اور عزت کتنا ہے؟ لیکن یہ دوسری بات کہ اولیاء کون ہیں؟ بہت اہم بات ہے۔ اس لیے اسے غور سے سن لیجیے۔

عورت ولیہ بن سکتی ہے، نبی نہیں:

محترم دوستو! حضرت بی بی مریمؑ ولی ہیں، جو حضرت عیسیٰؑ کی والدہ محترمہ ہیں، یاد رکھیں کہ عورت پیغمبر نہیں بن سکتی۔ اسکا سب سے بڑا مرتبہ ولایت کا ہوتا ہے۔ وہ ولی تو بن سکتی

ہے مگر پیغمبر نہیں۔ پیغمبر وہ ہستی ہوتی ہے، جو لوگوں کو نصیحت کر سکے، اُن کے ساتھ ملاقاتیں کر سکے۔ ان کے مشکلات معلوم کرے، اخلاقیات اور عقائد کے امراض معلوم کرتا ہو اور ان کا علاج کرنا جانتا ہو۔ مسجدوں میں راتیں گزارتا ہو۔ دور دور کے اسفار کرتا ہو۔

عورت کا منصب چونکہ یہ نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حیا اور عزت کا ایک الگ مقام دیا ہے۔ اس کو باہر چلنے پھرنے سے، لوگوں کیساتھ ملنے سے، غیر محرم لوگوں کو خطاب کرنے سے منع کیا ہے۔ اس وجہ سے پیغمبری کی عزت اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو نہیں دی ہے، جبکہ ولایت کی عزت عطا کی ہے۔ اس لیے عورتوں میں اللہ کی ولی اور بزرگ خواتین تو گزری ہیں لیکن پیغمبر نہیں۔

قرآن کریم میں حضرت مریمؑ کا تذکرہ:

حضرت مریمؑ عورت ہے، لیکن اللہ کی دوست اور ولیہ۔ قرآن شریف میں ان کا طویل تذکرہ ہے۔ میں صرف اپنے مقصد کی طرف آتا ہوں۔ یہ حضرت زکریاؑ کے ساتھ تھیں۔ حضرت زکریاؑ ان کے خالو تھے اور ان کی پرورش کرتے تھے۔ بیت المقدس کی مسجد میں ان کے لیے الگ کمرہ بنوا رکھا تھا۔ میں خود بھی اس کمرے میں جا چکا ہوں اور الحمد للہ اُس کے پاس ہی قرآن کا ختم بھی کیا ہے۔ حضرت زکریاؑ جب کہیں باہر جاتے، تو اس کمرے کا دروازہ بند کرلیا کرتے تھے اور پھر جب واپس آتے تو دروازہ کھول کر اُن کی ضروریات پوری فرماتے۔ حضرت مریمؑ وہیں اُس کمرے میں عبادت کیا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقاً﴾ [سورۃ آل عمران/۳۷] ''جب حضرت زکریاؑ ان کی عبادت خانے کے اندر جاتے۔ محراب عربی میں عبادت خانے کو کہتے ہیں اور محراب

کو اس لیے محراب کہتے ہیں کہ امام یہاں پر عبادت کرتا ہے۔ تو وہاں ان کیساتھ مختلف قسم کے پھل پڑے دیکھتے اور وہ بھی موسمی پھل نہ تھے، تو حضرت مریمؑ سے پوچھا: ﴿قال یامریم انی لک ھذا، قالت ھو من عند اللہ﴾ [سورۃ آل عمران/۳۷] یہ پھل کہاں سے آگئے؟ وہ کہنے لگیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ جس کو روزی دینا چاہتا ہے، بے حساب دیتا ہے۔ بے موسم کے، بے وقت، تازہ میوے بند دروازے سے اللہ کی طرف سے اُن کو ملتے تھے۔ یہ قرآن کریم کا بیان ہے۔

ظہور کرامت کے وقت قبولیت دعا:

اللہ فرماتے ہیں: ﴿ھنالک دعا زکریا ربہ﴾ اولیاء کرام کی کرامت کے وقت مانگی گئی دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں۔ حضرت زکریاؑ نے جب ان کی یہ کرامت دیکھی، تو اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ: یا اللہ! جب تو ایک خاتون کو۔ جو تیری ولیہ ہے۔ بے موسم پھل دے سکتا ہے تو مجھے بھی بغیر موسم کے اولاد عطا کر دے۔ اس وقت تک آپؑ کی اولاد نہ تھی اور عمر رسیدہ بھی تھے۔ انکی بیوی بھی بوڑھی تھی۔ بزرگوں کی مجلس میں بھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ان کو دیکھتے وقت بھی دعا قبول ہوتی ہے اور یہ آیت اس بات کی دلیل ہے۔ جب آپؑ نے یہ دعا مانگی تو ﴿فنادتہ الملائکۃ وھو یصلی فی المحراب﴾ یہ محراب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت جبرائیلؑ نے اُنکو آواز دی، کہ: اللہ نے تیری دعا قبول کرلی اور تمہیں بیٹا دیا جائے گا۔ اللہ فرماتے ہیں ''ھنالک'' اُس مقام پر دعا کی، تو قبول ہوگئی۔

حضرت یحییٰ کی پیدائش:

حضرت زکریاؑ انتہائی خوشی سے کہنے لگے کہ: یا اللہ! اتنی مدت سے میری کوئی اولاد نہیں

ہوگی، جبکہ میری بیوی بھی بہت بوڑھی ہے۔﴿قال رب انی یکون لی غلام، وکانت
امرأتی عاقروقدبلغت من الکبر عتیاo﴾[سورۃ مریم/۸]'' میں بھی بڑھاپے کی
آخری حد تک پہنچ چکا ہوں اور میری بیوی نے بھی کبھی جوانی میں اولاد کو نہیں جنا، تو اب کیا جنے
گی۔ اللہ کی طرف سے جواب آیا: ﴿قال کذالک قال ربک ھو علی ھین وقد
خلقتک من قبل ولم تک شیئاo﴾[سورۃ مریم /۹] کہ آپ کی بات درست ہے، کہ
تم بھی بوڑھے اور تمہاری بیوی بھی بوڑھی ہے، مگر تم اپنے آپ کو دیکھو۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں
عدم سے وجود بخشا، تو وہ تمہیں بچہ بھی دے سکتا ہے...... اس طرح اللہ نے ان کو بچہ دے دیا۔ جن
کا نام ''حضرت یحییٰ علیہ السلام'' ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پہلے سے نام رکھا تھا۔
حضرت مریمؑ کی برکت تھی کہ حضرت یحییٰ پیدا ہوئے، پھر جوان بھی ہوئے لیکن انہوں نے
شادی نہیں کی۔ باقی سب انبیاءؑ نے شادیاں کی ہیں، سوائے حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے
ان میں سے ایک حضرت مریمؑ کی کرامت کے سبب پیدا ہوئے اور دوسرے خود حضرت مریم
کے بچے ہیں۔

حضرت یحییٰؑ کا شادی نہ کرنے کی حکمت:

علماء کرام کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰؑ نے شادی کیوں نہیں کی؟ تو ممکن ہے اس وجہ سے
نہ کی ہو کہ ان کی پیدائش کا سبب اور منشا حضرت مریمؑ کی کرامت تھی، جب انہوں نے شادی
نہیں کی تھی اور ان کو شوہر کے بغیر بچہ دیا گیا، تو حضرت یحییٰؑ میں بھی یہ اثر تھا کہ آپ کے دل میں
عورتوں کی طرف بالکل میلان نہ تھا۔ جس طرح حضرت بی بی مریمؑ کو کسی شوہر نے ہاتھ تک
نہیں لگایا تھا اور نہ ہی ان کا اپنا میلان پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح حضرت یحییٰؑ میں بھی یہ صفت رکھی

گئی تھی، کہ آپ شادی کے بغیر جوانی میں ہی شہید کیے گئے تھے۔

یہ وہ عزت ہے جسکا تذکرہ قرآن پاک میں آیا ہے۔ ''کرامت'' عربی زبان میں
عزت کو کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو یہ عزت بخشی ہے۔

دوسرا ولی:

دوسرا تذکرہ ایک بڑے بزرگ کا ہے، جنکی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اشارہ
کیا ہے۔ پندرہویں پارے کے آخر اور سولہویں پارے کی شروع میں ایک ولی کا تذکرہ ہے۔
اس ولی کی اولاد کی خدمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو پیغمبرؑ بھیجے ہیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا
عزت ہوگی؟

پیغمبر کون کونسے ہیں؟ تو ان میں سے ایک حضرت خضرؑ اور دوسرے حضرت موسیٰؑ
ہیں۔ یہ ایک لمبا قصہ ہے لیکن یہاں میرا مقصد اس ولی کی کرامت کا بیان کرنا ہے۔

حضرت موسیٰؑ ایک دن وعظ فرما رہے تھے۔ بہت خوبصورت اور دل آویز وعظ
تھا۔ جب وعظ ختم ہوا تو ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ: حضرت آپؑ سے بڑے عالم بھی کوئی
ہیں؟ تو آپؑ نے فرمایا: ''نہیں''۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ یہ کیوں کہا؟ انہوں نے
عرض کیا کہ: یا اللہ! میں تو پیغمبر ہوں اور مجھے کتاب دی گئی ہے، اس لیے میں نے اس کو یہ جواب
دیا ہے، اسکے علاوہ مجھے کوئی اور شخص معلوم بھی نہیں...... ارشاد ہوا کہ تم اس طرح کہہ دیتے کہ
''اللہ خوب جانتا ہے''۔ حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کہ کیا کوئی اور بڑا عالم بھی ہے؟ جواب آیا کہ
ہاں میرا ایک بندہ ہے، جس کو میں نے عجیب وغریب علم عطا کیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ بہت حیران
ہوئے اس لیے کہ پیغمبروںؑ کے پاس غیب کا علم نہیں ہوتا۔ جتنا ان کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے

ہیں، بس اتنا ہی علم ان کے پاس ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت خضرؑ اسی زمانہ میں تھے اور ان کے قریب ہی رہتے تھے، لیکن ان کے بارے میں حضرت موسیٰؑ کو کوئی علم نہیں تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ یا اللہ! یہ بندہ کون ہے؟ میں وہاں جانا چاہتا ہوں تا کہ ان کو دیکھ لوں۔ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے لاڈلے بندوں کیساتھ سختی کا معاملہ فرماتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ چونکہ اللہ کے لاڈلے پیغمبر تھے لیکن انہوں نے فرمایا تھا کہ مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں اس لیے انکے ساتھ یہ معاملہ ہوا۔ اب اللہ تعالیٰ ان کو وضاحت سے جگہ بتانے کی بجائے علامات سے پتہ بتا رہے ہیں اور علامات بھی ایسی کہ ان کے باوجود بھی غلطی کر جائیں، تا کہ آئندہ یہ نہ کہیں کہ میں بڑا عالم ہوں۔

اللہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ ایک مچھلی اپنے ساتھ لے لو، یہ مچھلی جہاں غائب ہو جائے وہیں وہ شخص ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ۝﴾ [سورۃ الکہف/۶۰] حضرت موسیٰؑ اپنے خادم سے کہتے ہیں کہ اس راستہ پر چلتے رہیں گے، یہاں تک کہ جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہوں اور مچھلی جہاں غائب ہو جائے وہیں وہ اللہ کا بندہ ہمیں ملے گا۔

انہوں نے اپنا سفر شروع کیا۔ راستے میں ایک جگہ مچھلی نے اُچھل کر چھلانگ لگائی اور دریا میں چلی گئی، لیکن اس وقت حضرت موسیٰؑ سوئے ہوئے تھے اور خادم یہ بات بتانا بھول گیا۔ جاگنے کے بعد آپؑ نے آگے سفر شروع کیا۔ کافی سفر کرنے کے بعد خادم کو یاد آیا کہ وہ مچھلی تو چھلانگ لگا چکی ہے۔ اُس نے حضرت موسیٰؑ سے عرض کیا، تو آپ فرمانے لگے کہ ہم تو اسی جگہ کی تلاش میں تھے۔ چنانچہ اُسی راستے سے دوبارہ واپس آئے۔ وہاں دیکھا کہ دریا کے پانی میں

ایک سرنگ سی بنی ہوئی ہے اور سامنے دریا کے کنارے ایک بزرگ سبز چادر تان کر سوئے ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ آہستہ آہستہ انکے قریب گئے اور اونچی آواز سے فرمایا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ انہوں نے چہرے سے چادر ہٹائی اور وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہہ کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ یہاں تو کوئی سلام نہیں ڈالا کرتا۔ آپ کون ہیں؟ آپؑ نے فرمایا کہ میں موسیٰؑ ہوں۔ اس شخص نے پھر پوچھا: اچھا بنی اسرائیل والے موسیٰ ہو۔ فرمایا: ہاں، میں بنی اسرائیل والا موسیٰؑ ہوں۔ پھر پوچھا: یہاں کیسے آئے ہو؟ فرمایا: آپ سے کچھ سیکھنے کے لیے آیا ہوں۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ میرے پاس وہ علم ہے جو تمہارے پاس نہیں اس لیے تم صبر نہ کر سکو گے۔ چونکہ ہر چیز کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اس لیے انسانوں میں سے بعض کو کم علم دیا ہے، بعض کو زیادہ۔

جو شخص مخلوق کو اللہ کیساتھ علم میں برابر سمجھتا ہے یہ اللہ کی ہتک کرتا ہے۔ اللہ ہم کو اس سے بچائے۔ بہرحال، حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ: میں آپ کیساتھ چند دن گزارنا چاہتا ہوں۔ حضرت خضرؑ نے کہا: ٹھیک ہے لیکن میرے کسی کام پر اعتراض نہیں کرو گے۔ حضرت موسیٰؑ نے حامی بھر لی۔ دونوں روانہ ہوئے اور ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی والے نے ان سے کرایہ نہیں لیا۔ کشتی جب اپنی منزل پر پہنچی تو لوگ کشتی سے اتر گئے اور یہ دونوں کشتی میں ہی ٹھہر گئے۔ حضرت خضرؑ نے ہتھوڑی نکالی اور کشتی کی ایک جانب سے ایک تختہ نکالا۔ حضرت موسیٰؑ کہنے لگے: یہ تم نے کیا کیا؟ یہ تو بہت اچھے لوگ ہیں۔ ہم سے کرایہ بھی نہیں لیا مگر آپ نے ان کو نقصان پہنچا دیا۔ حضرت خضرؑ کہنے لگے: میں نے کہا نہیں تھا کہ خاموش رہو گے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: اچھا اب معاف کر دو آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔

آگے جا کر ایک جگہ پر ایک بچے کو قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ پھر پوچھنے لگے: ﴿أقتلت نفسا زكية بغير نفس لقد جئت شيئاً نكراً ۝﴾ [سورۃ الکہف/۷۴] تم نے ایک بے گناہ کو قتل کر دیا؟ آخر یہ کیوں؟ حضرت خضرؑ نے پھر انکو وعدہ یاد دلایا۔ تو حضرت موسیٰؑ نے پھر معافی اور مہلت مانگی۔ اب ان کاموں کے کرنے کی اصل وجہ حضرت خضرؑ کو معلوم ہے لیکن حضرت موسیٰؑ کو نہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ علم اللہ کی صفت ہے وہ جسکو جتنا چاہتا ہے، دیتا ہے۔ بعض احمق کہتے ہیں کہ ولی اللہ وہ ہے، جو مرید کی بیوی کے پیٹ سے بھی خبر رکھتا ہو کہ اس میں بچہ ہے یا بچی۔ یہ حماقت ہے اور لوگوں کی لاعلمی کی باتیں ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے ان سے معافی مانگی، تو ساتھی نے ان سے کہا کہ اگر آپ نے تیسرا سوال کیا تو پھر میری، آپکی جدائی ہوگی۔

پھر یہ دونوں انبیاء ایک ولی کی جگہ پر گئے۔ اس پورے واقعہ سے میرا مقصد صرف اس آخری جملے میں ہے۔ یہ دونوں حضرات ایک گاؤں گئے، ارشاد ہے: ﴿فانطلقا حتىٰ اذآ أتيآ أهل قرية استطعمآ أهلها فأبوا ان يضيفوهما فوجدا فيها جدارا يريد أن ينقض فأقامه قال لو شئت لتخذت عليه أجراً ۝﴾ [سورۃ الکہف/۷۷] جب گاؤں پہنچے تو وہاں کے لوگوں سے کھانا طلب کیا مگر کسی نے بھی نہ دیا۔ اس گاؤں میں راستے کے کنارے پر دیکھا کہ ایک دیوار ہے جو بالکل بوسیدہ ہو چکا ہے، اور گرا چاہتا ہے۔ حضرت خضرؑ نے اس کو گرا کر دوبارہ تعمیر کر لیا۔ حضرت موسیٰؑ بہت جوشیلے تھے۔ کہنے لگے: کہ یہاں کے لوگ تو اتنے بے کار ہیں کہ ہمیں کھانا بھی نہیں کھلایا۔ آپ نے ان کے لیے دیوار کیوں بنا دی؟ ہمارے طلبہ بھی کہتے ہیں کہ متکبر کیساتھ تکبر کے ساتھ پیش آو گے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ ان

کے ساتھ اس طرح کرنا چاہیے تھا کہ ان کے لیے دیوار نہ بناتے یا اگر بنانی ہی تھی، تو مزدوری لے لیتے جس سے کھانا کھا لیتے۔ حضرت خضرؑ کہنے لگے کہ اچھا تیسری مرتبہ تم نے پھر پوچھا اس لیے اب ہمارے راستے جدا جدا ہیں۔ اس کے بعد ان تینوں باتوں کی وجہ بتائی۔ تیسری بات کی وجہ یہ بتائی کہ ﴿واما الجدار فكان لغلامين يتيمين في المدينة وكان تحته كنزٌ لهما وكان أبوهما صلحاً فأراد ربك أن يبلغآ أشدهما ويستخرجا كنزهما رحمةً من ربك.......... الخ﴾ [سورۃ الکہف/۶۰] یہ دیوار جو بنا دی، یہ دو یتیم بچوں کے گھر کی دیوار ہے اور ان کے والد اللہ کے ولی تھے اور اس دیوار کے نیچے ان کے والد کا خزانہ دفن تھا۔ اگر یہ دیوار گر جاتی تو وہ خزانہ ظاہر ہو جاتا اور گاؤں کے لوگ اس کو لے جاتے اور یہ لڑکے چونکہ ابھی کمسن بچے تھے۔ اس لیے مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اس دیوار کی تعمیر کر دوں تاکہ یہ بچے بڑے ہو کر خود اپنے لیے یہ خزانہ نکال سکیں۔

چھٹی پشت میں کرامت کا ظہور:

قرآن پاک کی ایک تفسیر، تفسیر طبری ہے اس میں لکھا ہے کہ ان کی نسل کی چھٹی پشت میں انکے دادا اچھے اور نیک آدمی گزرے تھے۔ نیک آدمی کی دعاؤں کا اثر سات پشتوں تک چلتا ہے۔ ان کا باپ بھی اچھا آدمی گزرا تھا اس لیے یہ دیوار بنائی۔ اس ولی کے مرنے کے بعد بھی یہ اس کی کرامت تھی کہ جب اس کی اولاد کے لیے دیوار بنانے کی ضرورت تھی، تو اللہ نے اتنی بڑی ہستیاں اس کیلئے بھیج دیں۔ اگر اس ولی اللہ کی عزت اللہ کے دربار میں نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہ بیان نہ فرماتے۔ جو کوئی اللہ کے نام پر قربانی دے گا، وہ اللہ کا عاشق ہوگا، اور پیغمبر کا عاشق ہوگا۔ جو اس کے دین کی خدمت کرے گا تو اللہ تعالیٰ بے حد غیرتی ذات ہے، وہ ہر کسی سے زیادہ

اجر عطا فرماتے ہیں۔ یہ نیک اعمال کے وہ بدلے ہیں جو دنیا میں دیے جاتے ہیں اس کے علاوہ آخرت میں بھی دیے جائیں گے، اور دنیا میں تو بہت ہی کم ظاہر ہوتے ہیں۔

اصل عزت وکرامت کی جگہ......:

اولیاء کی اصل عزت وکرامت آخرت میں دکھائی دے گی۔ اس لیے کہ دنیا تو امتحان کی جگہ ہے۔ ایک شخص اللہ کے ولی ہونگے لیکن اس کے کپڑے پھٹے، پرانے ہوں گے۔ جوتے بھی پھٹے ہوئے ہونگے۔ لوگ اس کو حقیر سمجھیں گے، لیکن وہ اللہ کے ہاں بڑے مرتبے اور بڑے مقام کا حامل ہوگا۔ یہ میں ویسے ہی نہیں بتا رہا بلکہ یہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "رب اشعث اغبر لو اقسم علیٰ اللّٰہ لأبرّہ" کبھی تمہیں ایک شخص مسکین وغریب دکھائی دے گا، مگر اس کے دل میں ایمان ہوگا، دین ہوگا، اللہ اور اسکے رسول کی محبت ہوگی؛ وہ اللہ کا ایسا لاڈلا ہوگا کہ اگر کسی بات کی قسم کھالے تو اللہ اس کو پورا کرتے ہیں اور اس کو جھوٹا نہیں کرتے، اور کبھی کوئی شخص تمہیں بہت اچھا لگے گا۔ وہ گاڑی میں جا رہا ہوگا، بڑا نواب، بڑا خان، بڑا چودھری ہوگا، لیکن اللہ کے ہاں اُس کی قدر مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگی۔

ولی کی پہچان:

اتنی عزت اللہ جس کو دیتے ہیں اور لوگ اس کو ولی کہتے ہیں، یہ کون ہوتا ہے؟ ولی کی پہچان کیا ہوگی؟ تو اس کی پہچان ایمان اور عمل صالح (نیک اعمال) ہے۔ یہ ولایت کے دو پَر ہیں۔ ان کاموں میں جو جتنا کم ہوگا اُتنی ہی اس کی ولایت بھی کمزور ہوگی۔ یہ سب مسلمان اللہ کے اولیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو اپنا ولی کہا ہے۔ ولی کے معنی ہیں "دوست" تو ہر مسلمان اللہ کا دوست اور کافر اللہ کا دشمن ہوتا ہے لیکن جتنا عمل اور ایمان کا درجہ مضبوط

ہوگا، اتنی ہی اللہ کیساتھ مضبوط دوستی ہوگی اور جس قدر کمی ہوگی اتنی ہی دوستی کمزور ہوگی۔

ایمان اور عمل کے جوڑ کا یہ بیان ہمیں کس نے بتایا ہے اور ہم یہ کہاں سے معلوم کرینگے؟ تو ایمان اور عمل کے لیے اللہ نے ہمیں ایک بڑی روشنی بھیجی ہے۔ یہ روشنی ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ کی شکل میں ہے اور ایک بہترین قانون بھیجا جو ہماری کتاب قرآن مجید کی شکل میں موجود ہے۔ ہم ایمان وعمل پیارے پیغمبر ﷺ اور اس کی پیاری کتاب قرآن سے معلوم کریں گے۔ میں اپنی طرف سے نہیں بتا سکتا کہ کونسا کام ٹھیک ہے کونسا غلط۔ اگر انسان خود ہدایت پاسکتا تو اللہ تعالیٰ دنیا میں پیغمبر نہ بھیجتے۔ ہدایت نہ کالج پڑھنے میں ہے، کہ جو ڈگری حاصل کرلے اور کالج پاس کرلے وہ ہدایت یافتہ ہوگا۔ نہ کارخانوں میں ہے، نہ پیسوں میں ہے۔ ہدایت ایک بڑی روشنی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بھیجی ہے۔

چند ہندو لڑکوں کے ساتھ ہندومت پر گفتگو:

ہم ہندوستان گئے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں اجتماع ہو رہا تھا۔ میں وہاں ایک شہر سے دوسرے شہر جا رہا تھا۔ بس میں سفر کر رہا تھا۔ بس میں میرے ساتھ سیٹ پر کالج کے دو لڑکے بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں خوش مزاج تھے۔ تعارف ہوا، تو ایک لڑکا کہنے لگا کہ اگر ہم کوئی سوال کریں تو آپ ناراض تو نہیں ہونگے؟ میں نے کہا: اگر انسانیت کے دائرے کی بات ہوگی تو کیوں ناراض ہوں گا۔ ایک لڑکے نے پوچھا: آپ کے قرآن صاحب میں کیا ہے؟

صاحب کا لفظ وہ عزت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ قرآن کا نام تو سنا تھا مگر تعلیمات سے بے خبر تھے۔ میں سوچنے لگا کہ اب ان کو کیا بتاؤں؟ کہ یہ جلدی اور آسانی سے سمجھ جائیں۔ فوراً سترہویں (۱۷) پارے کی ایک آیت دل میں آئی۔ میں نے کہا: ہمارے قرآن

صاحب میں یہ لکھا ہے: ﴿ یاَیھا الناس ضرب مثلٌ فاستمعوا لہ، ان الذین تدعون من دون اللّٰہ لن یخلقوا ذباباً ولو اجتمعوا لہ، وان یسلبھم الذباب شیئاً لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب ○ ﴾ [سورۃ الحج /۷۳] میں نے کہا: کہ آپ بھی ناراض نہ ہوں، ہمارے قرآن میں یہ ہے کہ اے لوگو! تمہارے سمجھانے کے لیے ایک مثال بیان ہورہی ہے۔ جن چیزوں کو تم خدا سمجھتے ہو، یہ بت جو تمہارے بنائے ہوئے ہیں اور تم ان کو نام دیتے ہو: ہنومان، مہادیو، پاربتی، لاٹو والی، بیروں والی، کرشن مہاراج، رام چندر جی...... ان کے تینتیس کروڑ (۳۳۰,۰۰۰,۰۰۰) خدا ہیں۔ میں نے کہا: ہمارے قرآن میں یہ ہے کہ جن کو تم خدا سمجھتے ہو یہ سب جمع ہو کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے۔ مکھی کی پیدائش تو بڑی بات ہے اگر مکھی ان پر بیٹھ جائے تو یہ اُس کو بھگا نہیں سکتے۔ تو جو اپنے بدن سے مکھی نہیں بھگا سکتے۔ وہ خدا کیسے بن سکتا ہے؟

ہندوؤں کے بے جان بُت:

یہ ہندو بتوں پر گھی، دودھ اور دہی وغیرہ ڈالتے ہیں اور پھولوں کے ہار پہناتے ہیں۔ مختلف شکل کے بت بناتے ہیں۔ کسی کے چار ہاتھ بناتے ہیں کسی کے چھ ہاتھ۔ کوئی مرد کی شکل میں تو کوئی عورت کی شکل میں بنے ہوتے ہیں۔ کسی کا سر ہرن کی طرح تو کسی کا گائے کی طرح ہوتا ہے۔ کسی کا سر خچر کی شکل کا بنا ہوتا ہے۔ پورا دن ان پر مچھر اور مکھیاں بھنبھناتی ہیں اور یہ احمق ان سے بچے، بچیاں اور بیویاں مانگتے ہیں۔ میں نے کہا: کہ ہمارے قرآن میں یہ ہے کہ یہ مکھی پیدا نہیں کرسکتے۔ اگر مکھی ان پر بیٹھ جائے تو اس کو بھگا نہیں سکتے۔ تو جو اپنے آپ سے مکھی نہ بھگا سکے وہ کسی کو بچہ یا بچی کیسے دے سکے گا۔

پھر میں نے کہا: اگر آپ ناراض نہ ہوں تو سنو! سارے جانوروں میں بے وقوف جانور گائے ہے، جبکہ کتا بھی اس سے زیادہ عقلمند ہے۔ اگر کتے کو آدمی تین چار ماہ پال کر رکھے تو وہ مالک کو دیکھ کر دم ہلا کر سلام کرتا ہے۔ حفاظت اور چوکیداری کرتا ہے۔ پوری رات جاگتا ہے۔ گائے کو سال کے بارہ ماہ ہری گھاس اور چارہ کھلاؤ، وہ نہ تم کو سلام کرے گی اور نہ ہی چوکیداری کرسکتی ہے۔ اگر قصاب بھی اُس کی رسی پکڑ کر اُس کو لے جانا چاہے تو اس کیساتھ چل پڑتی ہے۔

تم لوگوں نے اس بے وقوف جانور کو بھی خدا بنالیا ہے۔ سارے ہندوستان میں گائے کا ذبح منع ہے۔ وہ ان کا خدا ہے۔ تو ان لڑکوں میں سے ایک کہنے لگا کہ: حقیقتاً سچ یہی ہے، کہ ہندوازم کوئی چیز نہیں صرف باپ دادے کا رواج ہے، جس کے پر ہم چل رہے ہیں۔

ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے:

ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نہ تو عقل سے آدمی پاسکتا ہے، نہ کالج کی ڈگریوں سے۔ جب تک اس عظیم پیغمبر ﷺ کے دامن کو نہیں پکڑو گے اور اس کی کتاب کو سینے سے نہیں لگاؤ گے، ہدایت نہیں ملے گی۔ ہدایت ہمارے پیغمبر ﷺ کی تعلیمات میں اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔ اگر کوئی ایمان اور عمل صالح معلوم کرنا چاہے تو ہدایت کے اس سورج کی روشنی میں دیکھنا ہوگا۔

اگر کوئی اس کی تعلیمات کی پابندی کرتا ہے، تو ٹھیک ہے وہ ولی ہے، ورنہ نہ تو ولی ہے اور نہ ولایت سے آگاہ ہے۔ بزرگی کے گُر کوئی خود معلوم نہیں کرسکتا۔ صرف اس پیارے پیغمبر ﷺ کو دیکھ کر معلوم کرسکتا ہے۔

عُرس اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا دلچسپ واقعہ:

ہندوستان کے ایک اور بزرگ کا واقعہ سناتا ہوں۔ایک بڑے بزرگ اور ولی گزرے ہیں ”حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی“۔ایک دن طلبہ کو سبق سکھا رہے تھے۔ان دنوں گاؤں میں عرس (قبر کا میلہ) ہو رہا تھا۔تو ایک طالبعلم کہنے لگا کہ: حضرت اس فلاں بزرگ کا عرس ہے۔بڑا میلہ لگا ہے۔کباب، چاول، سموسے اور اُمرسے وغیرہ سب کچھ پک رہے ہیں۔مرد اور عورتیں جمع ہیں۔میں وہاں جا کر تماشہ دیکھتا ہوں۔آپؒ نے فرمایا: ”یہ اچھا کام نہیں۔یہ تو اولیاء کے قبور کی بے عزتی کر رہے ہیں۔ان اولیاء نے لوگوں کو یہ تو نہیں سکھایا کہ میری قبر کے پاس ڈول باجا بجاؤ۔یہ اچھا کام نہیں“ وہ طالبعلم خاموش ہو گیا۔

اگلی صبح سبق شروع کیا تو پھر اُس نے کہا کہ: حضرت! پانچ منٹ کی اجازت تو دے دیں صرف تماشہ دیکھتا ہوں۔اکثر لوگ ان جگہوں کو تماشہ دیکھنے جاتے ہیں۔یہ کوئی ان کی حقانیت کی دلیل نہیں ہوتی۔حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ: میں لوگوں کو منع کرتا ہوں، تمہیں کیسے اجازت دے سکتا ہوں۔طالبعلم خاموش ہو گیا۔اگلے دن پھر کہنے لگا کہ: حضرت مجھے اجازت دے دیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ سمجھ گئے کہ یہ منع نہیں ہو رہا ہے، اس لیے فرمایا: کہ اچھا چلے جاؤ، اجازت تو دے دیتا ہوں لیکن میں تمہیں ایک خط دیتا ہوں، یہ بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ایک سفید ریش مقبرہ کیساتھ ایک بڑے درخت پر بیٹھے ہوں گے، اس کو دے دینا۔اس نے کہا: ٹھیک ہے۔آپؒ نے خط لکھ کر دے دیا، تو طالبعلم روانہ ہوا۔راستے میں خط کو کھول کر دیکھا لیکن کچھ نہیں سمجھا۔صرف سادہ سی لکیریں نظر آ رہی تھیں، باقی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔جب پہنچا تو وہاں

جا کر درختوں میں دیکھنے لگا۔ایک درخت پر سفید ریش کو بیٹھا ہوا دیکھا تو اس پر چڑھ کر اُس بزرگ کو سلام کیا، اور وہ خط دے کر عرض کیا کہ یہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے آپ کے نام بھیجا ہے۔اس نے خط پڑھا تو خوب ہنسا، اور قلم نکال کر اس کاغذ کے پیچھے جواب لکھ کر کہا کہ: یہ لے جا کر ان کو دے دو۔

اس طالبعلم نے یہ ماجرا دیکھا تو عرس دیکھنا بھول گیا اور اس سوچ میں پڑ گیا کہ یہ شخص کون ہے؟ اس خط میں کیا ہے؟ حضرت شاہؒ صاحب کو جلدی جلدی خط کا جواب پہنچایا۔آپؒ نے خط دیکھا تو آپ بھی خوب ہنسے۔طالبعلم نے پوچھا کہ حضرت میں تو یہ ماجرا کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔حضرت شاہؒ صاحب بڑے کرامات والے تھے۔کہنے لگے کہ یہ سفید ریش اس قبر والے بزرگ کی روح تھی، جو انسانی شکل میں اللہ نے ظاہر کی تھی۔اس طرح کبھی کبھی ہوتا ہے اور یہ ایسے ہوتا ہے جیسے آدمی آئینے کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اسے اپنی شکل آئینے میں نظر آتی ہے، لیکن اگر اس شیشہ کو مکا مار دیا جائے یا لات مار دی جائے تو اس کو کوئی درد نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے بیت المقدس میں تمام انبیاء کی ارواح کو جمع کیا تھا اور پھر آپ نے ایک ایک آسمان میں پیغمبرؑ دیکھے ہیں۔یہ ان کی ارواح تھیں۔جو انسانی شکل میں دکھائی گئیں۔

تو حضرت شاہؒ صاحب نے فرمایا کہ: یہ اس بزرگ کی روح تھی۔پھر طالبعلم نے پوچھا: کہ حضرت آپ نے کیا لکھا تھا؟ آپؒ نے فرمایا: میں نے لکھا تھا کہ ”آپ اتنے بڑے بزرگ ہیں اور لوگ آپ کی قبر کے پاس یہ ناجائز کام کر رہے ہیں، کوئی سجدے کرتا ہے کوئی طواف، کوئی سوال کرتا ہے، کوئی ڈول باجے بجاتا ہے، تو آپ ان کو منع کیوں نہیں کرتے؟“ انہوں نے جواب میں لکھا کہ: میں تو دوسرے عالم میں ہوں، یہ تو میرا کام نہیں۔آپ کا فرض

ہے کہ آپ لوگوں کو سمجھائیں۔ میں تو دنیا سے جا چکا ہوں- اور پھر لکھا ہے کہ-تم ایک طالبعلم کو نہیں سمجھا سکتے تو میں ان گدھوں اور بے وقوفوں کو کیسے سمجھاؤں۔

تو ولایت کی ایک نشانی قرآن وسنت ہے۔

اولیاء اللہ کی نشانی:

ان اولیاء کا ایک نمونہ دکھاتا ہوں۔ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ جو دین کا کام زیادہ کرے گا وہ اللہ کا سچا ولی ہے اور جو کم کام کرے گا وہ کم درجے کا ولی ہے۔ یہ نیک علماء اور بزرگ جو لوگوں کو بیعت کراتے ہیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات ان تک پہنچاتے ہیں یقیناً یہ بھی اللہ کے اولیاء اور دوست ہیں، اس لیے کہ یہ قوم کی اصلاح کرتے ہیں لیکن اگر شریعت کے موافق ہوں، تب۔

ولی کے لیے لازمی شرط:

ولی کے لیے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے احکام سے واقف ہو۔ جو شخص دین سے ناواقف ہوگا، شریعت سے واقف نہ ہوگا، اللہ کی کتاب نہیں پڑھی ہوگی، پیغمبر ﷺ کی احادیث نہ پڑھی ہونگی، وہ جاہل ہوتا ہے۔

آپ یہاں صدر بازار جائیں، کوئی برہنہ بدن پڑا ہوتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا دوست ہے۔ کوئی چرس زیادہ پیتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ پہنچا ہوا بزرگ ہے۔ ہم لوگوں کے خیال میں جو بھی سبز قمیص پہنے، اپنے ساتھ ایک بڑی لاٹھی رکھے، اور اپنے گلے میں کچکول لٹکائے تو یہ بڑا ولی ہے، اور اگر ایک پیاری سیرت اور صورت والا، نماز پڑھنے والا، دین کی خدمت کرنے والا ہو تو اس کو ولی نہیں کہتے۔ یہ سب ہماری جہالت ہے۔

ولایت کے لیے شریعت کا علم ہونا ضروری ہے اس لیے کہ جو خود اللہ کا دین نہ سمجھے وہ اللہ کے راستے پر کیسے چلے گا۔ وہ تو چرس ہی پیے گا۔

عظیم دینی محنت ''دعوت وتبلیغ'':

اس وقت دین کے کاموں میں تبلیغ والے ایک بہت بڑا کام کر رہے ہیں- اللہ تعالی کا شکر ہے- میں نے تو آپ سے عرض کیا کہ دین کے مختلف کام ہیں: مدرسین حضرات جو اسلامی مدرسوں میں درس دے رہے ہیں یہ بھی دین کا کام ہے، جو علماء طریقت کا کام کرتے ہیں یہ بھی دین کا کام ہے، جو جہاد کرتے ہیں یہ بھی دین کا کام ہے، حلال روزی کمانا بھی دین ہی کا ایک حصہ ہے، لیکن دین کی فکر میں غیر اقوام تک پہنچنا اور مسلمانوں کو دین کی بات پہنچانا یہ بہت ہی بڑا کام ہے۔ تبلیغ کے متعلق بعض دوستوں کے کچھ شبہات ہوتے ہیں تو اس کی وضاحت بھی کرتا ہوں۔

164 ممالک میں تبلیغ کی محنت ہو رہی ہے:

اس وقت ایک سو چونسٹھ (۱۶۴) ملکوں میں دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں، پانچ لاکھ مسلمان مشغول ہیں۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ اخلاص اور محبت کیساتھ دین کا کام کرنے والی اتنی بڑی جماعت کوئی نہیں اس لیے کہ شکر ہے یہ ہر ملک میں موجود ہیں۔ میں تبلیغ کے سلسلے میں اس خاص طریقے سے تو نہیں پھرا، مگر مختلف ملکوں میں گیا ہوں۔ ہر جگہ پر دیکھا ہے کہ تبلیغ کی برکت سے لوگوں کی زندگیاں تبدیل ہوئی ہیں۔ تبلیغ ہر مسلمان کا فرض ہے۔ عالم کا بھی، طالب علم کا بھی اور ایک عام آدمی کا بھی، اپنی علم کے مطابق۔ اتنا تو آپ بھی جانتے ہیں کہ نماز فرض ہے، تو اگر آپ کا ایک پڑوسی نماز نہیں پڑھتا تو آپ اُسے بتائیں گے کہ بھائی نماز پڑھا کرو۔ اتنا تو ہر کوئی کہہ سکتا ہے، اس کے لیے تو زیادہ علم کی کوئی ضرورت نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ

تبلیغ وہ آدمی کرے گا جس نے کوئی بڑی ڈگری حاصل کی ہو۔ ٹھیک ہے مشکل مسائل کی تبلیغ بڑا آدمی کرے گا لیکن آسان باتوں کی تبلیغ تو ہر مسلمان پر فرض ہے۔

شُدھی تحریک اور تبلیغی جماعت:

تبلیغ اس خاص طریقے پر کیوں شروع ہوئی؟ ہندوستان میں ہندوؤں کی ایک تحریک تھی، جسکا نام ''شُدھی تحریک'' تھا۔ عقیدے کے لحاظ سے پنجاب اور ہندوستان کے مسلمان بہت کمزور ہیں۔ آپ پنجاب جائیں، وہاں مرد عورت سب زمینداری کرتے ہیں۔ کھاتے پیتے اور سوتے ہیں، باقی کسی چیز سے واقف نہیں ہوتے۔ مسجدیں خالی پڑی ہوتی ہیں۔ جنازہ پڑھانے کے لیے بھی کوئی عالم نہیں ہوتا۔ تو ہندوؤں کی یہ تحریک جب شروع ہوئی، تو اس میں ڈھائی لاکھ مسلمان ہندو بن گئے۔

ایک عالم تھے جسکا نام ''محمد الیاسؒ'' ہے۔ انہوں نے سوچا کہ ہندوؤں نے تو اتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں کے عقائد خراب کردیے، ہم کیوں نہ اُٹھیں؟ چنانچہ آپؒ نے ایک محنت شروع کی۔ ایک آدمی سے کہا کہ جناب میرے ساتھ اس گاؤں تک دین کی فکر میں چلیں۔ وہ کہنے لگا کہ میں دکان نہیں چھوڑ سکتا...... اس طرح سے لوگ ادھر اُدھر کے بہانے بناتے رہے۔ آخرکار، دو چار ساتھی اکھٹے ہوئے اور آپ نے محنت شروع کی۔ ان ڈھائی لاکھ مرتدین کو دوبارہ مسلمان کرلیا۔

پھر سوچا کہ یہ کام تو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ حکومتیں تو اپنی کرسی کے غم میں لگی ہوئی ہیں اور بعض لوگوں کا کام محدود جگہ تک ہوتا ہے۔ ہمیں سب مسلمانوں کی فکر کرنی چاہیے۔ بہت سے مسلمان اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اسلام اور مسلمانی سے بے خبر ہوتے ہیں۔ یورپ

کے ملکوں میں مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ آپؒ نے یہ کام شروع کیا۔ اب یہ اس حد تک پہنچا کہ اب ایسا گاؤں نہیں جہاں تبلیغ کے یہ نیک لوگ نہ پہنچے ہوں۔

خوبصورت کام:

آپ اگر سوچیں تو اس سے پیارا کام اور کیا ہوسکتا ہے کہ آدمی اپنے پیسے خرچ کرے، اپنا بستر اُٹھائے، اپنا وقت قربان کرے اور صرف دین سیکھنے کی بات کرے۔ اس سے اچھا کام اور کیا ہوگا؟ یہ لوگ آپ سے رقم نہیں مانگتے۔ مہمان نوازی نہیں مانگتے۔ کچھ بھی نہیں مانگتے۔

ایک تبلیغی جماعت کی حکمت بھری کارگزاری:

میں جب ہندوستان گیا تھا۔ وہاں دیوبند کے ایک بڑے عالم تھے ''مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ'' آپ نے فرمایا: ایک جماعت والے قادیانیوں کی مسجد میں جانا چاہتے تھے۔ اس کو مسجد کہنا تو ٹھیک نہیں، لیکن پتہ نہیں اسے کیا کہتے ہیں؟ (قادیانیوں کو مرزائی کہتے ہیں اور ان کی عبادت گاہ کو مرزاڑہ۔ ذاکر حسن) تو انہوں نے سوچا کہ ان کو کس طرح سے دعوت دینی چاہیے؟ لیکن وہ ان کو چھوڑنے کیلئے بالکل تیار نہ تھے۔ جس شخص کے دل میں دین کی عظمت ہو وہ کہتا ہے، کہ آپ تو ہمارے سروں کے تاج ہیں۔ آپ نے اپنا گھر، اپنا گاؤں چھوڑا اور اپنا پیسہ، اپنا وقت لگا کر ہمیں دین کی باتیں بتاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی عزت اور احترام کرنی چاہیے۔ وہ ہمیں دین سکھاتے ہیں، کوئی بے دینی تو نہیں سکھاتے۔ جو شخص تبلیغ کی مخالفت کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پہاڑ سے ٹکریں مارتا ہے اور جو اس طرح کرتا ہے وہ اپنے سر کو ہی پھوڑے گا، پہاڑ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

وہ جماعت جب قادیانیوں کے عبادت خانہ میں گئی اور کہا کہ ہم یہاں تین دن گزارنا

چاہتے ہیں، تو انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم تمہیں نہیں چھوڑتے، یہاں سے چلے جاؤ۔ تمہارا
دین الگ ہے ہمارا دین الگ۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو یہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ یا تو وہ خود
غلطی پر ہوتا ہے یا دوسرا اُسے غلط نظر آتا ہے۔ اللہ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔

کنویں کے مینڈک:

بعض لوگ کنویں کے مینڈک ہوتے ہیں۔ کنویں کا مینڈک وہ ہوتا ہے جس نے
کنویں سے باہر کی دنیا نہیں دیکھی ہوتی۔ ذرا اپنے گاؤں سے باہر جا کر تو دیکھ، کتنا دین کا کام ہوا
ہے۔ لندن میں جا کر دیکھو کہ وہاں پر پینسٹھ (۶۵) گرجے مسجدوں میں تبدیل ہوگئے۔ یہ تبلیغ ہی
کی برکت ہے۔ آج ہی ایک شخص نے مجھے بتایا کہ ہم فلپائن گئے تھے۔ اتنے پادری اور اتنے
بڑے بڑے افسروں کو مسلمان کیا۔ پہلا شخص جو جاپان گیا تھا، اُس نے ۴۰ گھرانے مسلمان کیے
تھے۔ پھر وہ وہاں سے علم دین کے سیکھنے کے لئے بچے ساتھ لائے تھے۔ ان میں سے ایک لڑکا
ہمارے ساتھ مدینہ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ اس کا باپ "کابل" میں سفیر رہ چکا تھا، اس لیے وہ
فارسی جانتا تھا۔ میں اس کے ساتھ فارسی میں ہی بات چیت کرتا تھا۔ پھر ایک حادثہ میں وہ شہید
ہوگیا۔ انہوں نے کہا کہ جاپانی ہمیں کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کافر مرے ہیں اور آپ
کیساتھ حق دین تھا، آپ نے ہم تک نہیں پہنچایا، قیامت کے دن ہمارے ہاتھ اور آپ کے
بڑوں کے گریبان ہونگے، کہ انہوں نے اللہ کا دین ہمیں کیوں نہیں پہنچایا۔

تو ان قادیانیوں نے جماعت والوں کو نہیں چھوڑا۔ ان جماعت والوں کو منت سماجت
کا طریقہ خوب آتا ہے۔ آہستہ آہستہ منت سماجت کرتے رہے۔ آخر ان پر اثر ہوا اور انہوں نے
کہا کہ چلو تین دن تک ہمارے عبادت خانے میں رہو، لیکن ہماری عبادت میں دخل نہیں

دو گے۔ جماعت کے امیر نے کہا کہ ٹھیک ہے، ہم تو مسافر لوگ ہیں تین راتیں آپ کی مسجد
میں ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ امیر صاحب نے ساتھیوں سے کہا کہ ان کو کچھ نہیں کہنا لیکن جب تہجد کے
لیے بیدار ہو کر نفل پڑھتے ہو، تو اللہ سے سوال کرو کہ اللہ ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔ چنانچہ
ایک رات انہوں نے دعا کی، پھر دوسری رات بھی دعا کی اور تیسری رات دعا کرتے ہوئے رو
رہے تھے، کہ اللہ! ان میں سے ایک آدمی تو ہمارے ساتھ چلنے کیلئے تیار فرمالے۔

اس نکلنے میں بہت بڑی حکمت ہوتی ہے۔ باقی ساتھی تو دعا کر کے خاموش ہوگئے
لیکن امیر صاحب روتے گئے۔ آخر صبح ہوئی تو قادیانیوں کا ایک بڑا آدمی اپنی عبادت خانہ کو آیا۔
دیکھا کہ امیر صاحب رو رہے ہیں۔ خیال ہوا کہ اس کو کوئی درد یا تکلیف ہے۔ قریب ہو کر پوچھا
کہ آپ بیمار ہیں یا پیٹ میں درد ہے یا پھر کیا مسئلہ ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ: نہ بیمار ہوں، نہ
مجھے درد ہے لیکن اپنے عمل پر رونا آتا ہے۔ آج تیسرا دن ہے ہم ایک دعا کر رہے ہیں اور وہ
قبول ہی نہیں ہو رہی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا فضل تو بہت بڑا ہے، لیکن ہمارے عمل میں کوتاہی
ہے۔ پوچھا تم کیا دعا کر رہے ہو؟ امیر صاحب نے کہا کہ یہ دعا کرتے ہیں کہ آپ ہمارے
ساتھ تین دن کے لیے نکلیں۔ اس نے کہا کہ یہ تو کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔ میں آپ کے ساتھ
چلا جاؤں گا۔ روؤمت، لیکن میں قادیانی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ قادیانی ہو تو کوئی بات نہیں۔
صرف ہمارے ساتھ چلے جاؤ۔ تین دن کے لیے نکلا، تو امیر صاحب نے ساتھیوں سے کہا کہ
اس کو کچھ نہیں کہنا اس کے لیے صرف ہدایت کا سوال کرنا کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میں اپنے
طریقے سے عبادت کرونگا، اور تین دن بعد واپس آجاؤنگا۔

جب ساتھ لے گئے اور جماعت کے ساتھی اس کے لیے دعا کر رہے تھے تو ایک رات

اسکے لیے دعا کی، پھر دوسری رات بھی خصوصی دعا کی، پھر تیسری رات بھی یہی دعا کی۔ امیر صاحب حیران تھے کہ ہم دعا کرتے ہیں لیکن آدمی قادیانی ہے اور وعدہ کے مطابق تیسرے دن واپس جائے گا۔ صبح ہوئی تو قادیانی امیر صاحب کے قریب ہوکر کہنے لگے کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ امیر صاحب نے پوچھا کہ: کیوں؟ کہنے لگا کہ خدا کی قسم! رات آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ کا نورانی چہرہ ہے، صحابہؓ ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور غلام احمد قادیانی کو کتے کی شکل میں دیکھا کہ مسجد سے باہر کھڑا ہے۔ آپ ﷺ مجھ سے فرمانے لگے کہ تیسرا دن ہے تم میری جماعت میں نکلے ہو اور اب تک اس کتے کے پیچھے چل رہے ہو۔ لہذا وہ مسلمان ہوا، توبہ تائب ہوا، داڑھی بھی رکھ لی اور سب محلے والوں کو مسلمان کرلیا؛ اور اُنکا وہ عبادت خانہ پھر تبلیغ کا ایک بڑا مرکز بن گیا۔

تبلیغ کے فوائد:

تبلیغ کے راستے میں دینی کام آدمی کے ایمان کو پختہ کرتا ہے اس لیے کہ ہر وقت دین کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اعمال کے ثواب اور جنت جہنم کا تذکرہ ہوتا ہے۔ آدمی کی نماز صحیح ہوجاتی ہے۔ حرام حلال کی تمیز ہوجاتی ہے۔ لوگ داڑھی رکھ لیتے ہیں اور نیک ہوجاتے ہیں۔ ایمان مضبوط اور اعمال درست ہوجاتے ہیں اور اخلاق بھی اچھے ہوجاتے ہیں۔

ان کی مخالفت کرنے والا توبہ کرے کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے کہ ان نیک بندوں کی مخالفت کی ہے اور حق وباطل کا یہ معرکہ تو قیامت تک رہے گا۔ نیک بھی رہیں گے اور تبلیغ اور صحیح عقیدے کے مخالف بھی۔ اللہ تعالیٰ ثواب بھی اسی پر دیں گے کہ آدمی حوصلہ نہ ہارے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اختلاف اُمت اور راہ حق

اختلافِ اُمت اور راہِ حق

سُبْحَانَکَ لَاعِلْمَ لَنَآ اِلَّامَاعَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا، وَسَنَدَنَا، وَحَبِیْبَنَا، وَشَفِیْعَنَا، وَرَحْمَتَنَا، وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًاعَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. ﴿ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحاًقریباً ○﴾ [سورۃ الفتح /۱۸]

وقال : ﴿ محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشدآء علی الکفار، رحمآء بینھم ترٰھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللّٰہ ورضوناً، سیماھم فی وجوھھم من اثرالسجود ذٰلک مثلھم فی

التورٰة ومثلهم فی الانجیل کزرعٍ اخرج شطئه فئازره فاستغلظ فاستویٰ علیٰ سوقه یعجب الزرّاع لیغیظ بهم الکفار، وعد الله الَّذین ء امنوا وعملوا الصلحت منهم مغفرةً واجراً عظیماًo ﴾

[سورة الفتح /۲۹]

صدق الله مولنا العظیم.

درود شریف پڑھیے:

اللّٰهم صلِّ علیٰ سیدنا، ونبینامحمدٍ، وعلیٰ اٰل سیدنا ونبینامحمدٍ، وبارک وسلم وصلِّ علیه.

میرے قابل احترام اور عزتمند بزرگو!

گزشتہ جمعہ کو یہ بیان شروع کیا تھا کہ چاروں مذاہب کے مسلمانوں کو اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں۔ یہ چاروں مذاہب عالم اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں۔ نام چار مذاہب کا ہے، لیکن حقیقت میں یہ ایک ہی جماعت ہے جس کو "اهل السنة والجماعة" کہتے ہیں۔

فرقہ کیسے بنتا ہے؟:

گروہوں کی جدائی عقائد سے ہوتی ہے فروعی مسائل سے نہیں، مثلاً: نماز میں ہاتھ اُٹھانا (رفع الیدین) ایک فرعی مسئلہ ہے۔ کوئی ہاتھ اُٹھاتا ہے کوئی نہیں اُٹھاتا، کوئی قرأت خلف الامام کرتا ہے کوئی نہیں کرتا۔ کوئی آمین بالجہر کہتا ہیں کوئی بالسر۔ کوئی قیام میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھتا ہے، کوئی اوپر اور کوئی سینہ پر۔ یہ سب فروعی مسائل ہیں ان کی وجہ سے گروہ نہیں بنتے، اس لیے کہ یہ مسائل صحابہ کرامؓ میں مختلف فیہ تھے۔ جدائی اور گروہ بندی عقائد کی وجہ سے

ہوتی ہے، اور۔ الحمدللہ۔ سب اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ایک ہے۔ لہذا یہ سب ایک گروہ شمار ہوں گے۔ اگرچہ فروعی مسائل میں ان فقہاء کا اختلاف تھا لیکن عقیدہ اور فکر ونظر میں اختلاف نہ تھا۔ فرقوں، گرہوں اور جماعتوں کی جدائی فکر ونظر کی جدائی سے ہوتی ہے عملی اور فروعی مسائل سے نہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ:

یہ میں آپکو تفصیل سے بتا چکا تھا۔ اس کے ضمن میں یہ بھی بتایا تھا کہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ عقیدہ ہے کہ سب صحابہ کرامؓ اور سب آلِ رسول ﷺ ہمارے لیے محترم، آنکھوں کی ٹھنڈک اور سروں کے تاج ہیں۔ ان سب کی عزت، محبت اور عقیدت مسلمانوں پر فرض ہے۔ آپ ﷺ کی اولاد (آل رسول ﷺ) آپ کی وجہ سے بھی مبارک ہیں اور خود ان کے اعمال بھی پیارے اور مبارک ہیں۔ پیغمبر پاک ﷺ کی عزت واحترام ہم سب پر فرض ہے، لہذا آپ کے وطن، آپ کے گاؤں، گلی کوچے، وہاں کے پہاڑ، جڑی بوٹیاں، پتھر، ڈھیلے، غرض سب چیزوں کا عزت واحترام ہم پر فرض ہے۔

ایک عالم دین کا واقعہ:

ایک مرتبہ ایک عالم دین بیان کر رہے تھے کہ حضور ﷺ کو کدو پسند تھا۔ اس کے طبی فوائد بھی بہت ہیں۔ مجلس میں بیٹھے ایک آدمی نے کہا کہ مجھے تو کدو پسند نہیں۔ یہ عالم فوراً گھر گئے اور تلوار لا کر اس شخص سے کہنے لگے کہ "توبہ کرو ورنہ ابھی تیرا کام تمام کرتا ہوں۔ اس وقت اس بات کی کیا ضرورت تھی؟ اور تمہاری کیا حیثیت، کہ تم نے یہ بات کہی۔ تم نے تو اپنے آپ کو پیغمبر ﷺ کے ساتھ برابر کیا کہ ان کو کدو پسند ہے لیکن مجھے پسند نہیں۔ یہ کوئی حکم تو نہیں کہ آدمی

ضرور اس کو کھائے۔ مگر تم نے تو پیغمبر علیہ السلام کے ایک عمل کیساتھ مقابلہ کیا ہے۔"

مدینہ منورہ کی دہی کو کڑوا کہنے پر آپ ﷺ کا زجر:

ایک شخص نے مدینہ منورہ میں دہی خریدی، یہ اُس وقت کی بات ہے، جب میں وہاں پڑھ رہا تھا اس وقت وہاں ائیر کنڈیشنر، فریج وغیرہ تو نہ تھے اس لیے لوگ صراحیوں میں پانی رکھ لیتے، دو تین گھنٹے بعد وہ ٹھنڈا اور میٹھا ہو جاتا۔ حرم شریف میں بجری کے درمیان صراحیاں رکھی ہوتی تھیں۔ صحن میں بھی ریت بجری ڈالی ہوئی تھی۔ رمضان میں چھوٹی چھوٹی صراحیاں اس میں رکھ لیتے۔ عربی میں اس کو "شربہ" کہا جاتا ہے۔ ٹرکوں کے ڈرائیور اُس کو اپنے ساتھ بوری کے اندر لٹکاتے تھے۔ وہاں کی ہوا اور برتنوں کا یہ اثر ہے کہ وہ پانی کو ٹھنڈا اور میٹھا کر دیتی ہے۔

چونکہ فریج وغیرہ نہیں تھے اس لیے دہی کبھی میٹھی ہوتی کبھی کھٹی۔ ہر جگہ اسی طرح ہوتا ہے۔ تو اس شخص نے جو دہی خریدی اتفاقاً وہ میٹھی نہ تھی تو وہ کہنے لگا کہ "مدینہ کی دہی کتنی خراب ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو خواب میں سردار دو جہاں ﷺ کی زیارت کرائی۔ یہ سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے وطن کی دہی تمہیں پسند نہیں تو دفع ہو جاؤ یہاں سے" (یاد رکھو وہاں کی ہر چیز کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا ہوگا۔ ٹھیک ہے اگر پسند نہیں تو نہ کھاؤ) مجھے وہاں کسی نے یہ واقعہ سنایا تو میں نے سوچا کہ یہ بھی بڑے مرتبے والا شخص ہوگا اس لیے کہ ڈانٹ تو بڑے آدمیوں کو ملتی ہے۔ یہ نسبت والا ہوگا، اس لیے کہ گلہ تو اپنوں سے ہوتا ہے پرایوں سے نہیں۔ ویسے تو بہت کفار بھی آئے، بہت سے ایسے ظالم بھی آئے، جنہوں نے حضور ﷺ کو گالیاں دیں، آپ کے دین کو حقیر جانا جیسے منافق اور کافر لیکن دنیا میں ان کو کچھ سرزنش نہ ہوئی۔ یہ شخص نسبت والا تھا اور منہ سے بے ادبی کا جملہ نکلا، تو سرزنش ہوئی۔

آپ ﷺ کی اولاد واصحاب رضی اللہ عنہم سے محبت:

جب آپ ﷺ کے وطن کی چیزوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا ضروری ہے تو کیا آپ کی اولاد کو عزت واحترام سے دیکھنا ضروری نہ ہوگا؟ ان رگوں میں تو آپ ﷺ کا خون بھی شامل ہے۔ اسی طرح وہ مبارک لوگ جنہوں نے آپ ﷺ کا دین پھیلایا اور پورے عالم کو اسلام پہنچایا، جو آپ کے ابرو کے اشارہ سے اُٹھے اور بیٹھے ہوں، کفار سے ان کے دل میں کوئی خوف نہ آیا ہو اور حضور ﷺ کے کہنے پر اپنا وطن، اپنا گھر چھوڑ دیا ہو۔ ان کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔

ایک صحابی کا اہل مکہ کو آپ ﷺ کے لشکر کی جاسوسی:

ٹھیک ہے وہ انسان تھے۔ انسان سے کبھی غلطی بھی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ جب فتح مکہ کے لیے جا رہے تھے، تو کوشش تھی کہ کفار کو لشکر اسلام کا علم نہ ہو اور اچانک جا کر جنگ وجدال کے بغیر مکہ مکرمہ کو فتح کر لیا جائے، اس لیے کہ آپ ﷺ وہاں جنگ اور خون بہانا پسند نہیں فرما رہے تھے۔ ایک صحابیؓ، جو یمن کے تھے اور حاطبؓ بن ابی بلتعہ انکا نام تھا۔ آپؓ یمن سے مکہ آئے تھے، مسلمان ہوئے، پھر مدینہ ہجرت کی۔ مکہ میں ان کے اہل وعیال اور رشتہ دار رہ رہے تھے۔ انہوں نے مکہ والوں کو ایک خفیہ خط لکھا لیکن دل میں کوئی بری نیت نہ تھی۔ کفار مکہ کو لکھا کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ایک فوج تیار کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فوج آپ کی طرف آ رہی ہے۔ اس لیے اپنی فکر کرو۔ ویسے تو اُن کے ساتھ فوج بھی ہے لیکن اگر وہ اکیلے بھی آ جائیں تو تب بھی اللہ ان کے ساتھ مدد فرمائیں گے۔ یہ خط لکھا اور ایک عورت کو پیسے دیکر روانہ کیا کہ یہ خط تین دن کے اندر اندر مکہ مکرمہ کے لوگوں کو پہنچا دو۔ اس خط میں مکہ کے تین

سرداروں کے نام لکھے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر ﷺ کو وحی بھیجی کہ ایک عورت جس کا نام ''کنوذ'' ہے، اُس کو حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے خط دیا ہے۔ وہ آپ کے پروگرام سے مکہ کے لوگوں کو مطلع کرنا چاہتی ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ بن اسود کو گھوڑوں پر بھجوایا اور فرمایا کہ ''جاؤ، ایک پڑاؤ ہے جسکا نام'' روضة خاخ '' ہے وہاں ایک عورت اونٹ کی پالان میں بیٹھی، تیز جا رہی ہوگی۔ اس کیساتھ ایک خط ہے، اس عورت کو بمع خط لے کر آؤ'' تینوں صحابہؓ فوراً گئے۔ جو مقام آپ ﷺ نے بتایا تھا (روضة خاخ) یہ جگہ پیدل مسافت پر مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے راستے میں واقع ہے۔ اب اس کو'' بیر زاعة'' کہتے ہیں۔ اب بسیں نئے، الگ راستے سے جاتی ہیں۔ وہ عورت اونٹ پر سوار تھی جبکہ یہ صحابہ گھوڑوں پر سوار ہو کر گئے۔ اُسی جگہ اُسکو پکڑ لیا اور کہا کہ خط نکالو۔ وہ کہنے لگی میرے پاس تو خط نہیں۔ بظاہر تلاشی لے لی گئی مگر خط نہیں پایا گیا۔ حضرت علیؓ نے قسم کھا کر فرمایا کہ جب حضور ﷺ نے فرمایا ہے تو خط ضرور آپ کے پاس موجود ہے، یا تو خط دے دو، ورنہ ننگا کر دوں گا۔ یاد رکھو! جو عورت اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہو اور کفار کی جاسوسی کرے تو اس کی عزت اور احترام ختم ہو جاتا ہے۔ ایک عورت کی بے عزتی ہو جائے کوئی بات نہیں، لیکن عام مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے۔

صحابہؓ کہنے لگے کہ خط دیدو ورنہ تیرے کپڑے اتارتے ہیں اس لیے کہ ممکن ہے نیچے رانوں کے ساتھ چھپا رکھا ہو۔ خوف اُس پر سوار ہوا، اُس نے اپنی مینڈھیوں میں خط چھپا رکھا تھا۔ یہ خط چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا کاغذ تو اس وقت تھا نہیں، اس لیے کہ کاغذ تو ۷۰۱ھ میں سمرقند میں بنا ہے۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں کاغذ نہیں تھے، چمڑے پر لکھا جاتا تھا۔ تو اُس نے بالوں کی

مینڈھیوں میں خط چھپا رکھا تھا اور مینڈھیوں کو نیچے نیفے میں چھپایا ہوا تھا۔ عورت جب ڈر گئی تو مینڈھی ظاہر کی، اس کو کھولا اور وہ خط نکالا، پھر اس کو حضور ﷺ کی خدمت میں پکڑ کر لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس صحابیؓ کو بلایا اور فرمایا ''ما هذا يا حاطب؟ '' حاطب یہ کیا کیا ہے؟ وہ کہنے لگے ''حضرت میں نے کفر کی وجہ سے نہیں کیا، نہ ہی کفر پر راضی ہوں۔ چونکہ میں یمن کا آدمی ہوں اور مکہ میں میرے اہل وعیال تھے تو میں نے سوچا کہ چلو مکہ والوں پر احسان کروں تاکہ وہ اس کے بدلے میرے اہل وعیال کی نگہبانی کریں، اور مجھے یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح ونصرت دے گا'' آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے سچ کہا ہے لیکن ایک اجتہادی غلطی کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اظہار برہمی اور بدریینؓ کی فضیلت:

حضرت عمرؓ کہنے لگے: اجازت دیں تو اس کا سر کاٹ دوں۔ ''قد خان اللّٰه ورسوله '' اس نے اللہ اور اسکے رسول سے خیانت کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ کو معلوم نہیں یہ تو بدری صحابی ہے اور بدری کا بہت بڑا مقام ہے۔ بدریینؓ کے اتنے فضائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی کہہ چکا ہے: ''اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم '' جو کرنا ہے کرو، ابھی سے میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

اسکو'' امر اکرام'' کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کو یہ معلوم تھا کہ یہ غلط کام نہیں کریں گے لیکن اگر بالفرض اجتہادی خطا ہو بھی جائے۔ آدمی کا ایک خیال ہو، یہ اس میں سچا ہو حالانکہ وہ حقیقت میں جھوٹا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا ہے۔ یہ بدری صحابیؓ ہے اور جنگ بدر کی وجہ سے اس کے لیے یہ خطا معاف ہے۔

تو اتنی سنگین خطا کہ پیغمبر ﷺ کی جاسوسی کی، اور مجاہدین اسلام کی جاسوسی کی، لیکن بدری ہونے کی وجہ سے معافی مل گئی۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو آ گئے کہ بدر کا کتنا بڑا مقام ہے۔ جو ۳۱۳ بدری صحابہؓ ہیں اگر ان سے کوئی خطا ہوئی ہے تو آپ ﷺ نے معاف فرما دیا ہے۔ وہ صحابہؓ جنہوں نے ان مواقع پر قربانیاں دی ہوں، ان کی عزت مسلمانوں پر فرض ہے۔ اسی طرح جو حضرات پھر جنگ خندق میں شامل ہوئے ہیں۔ پھر جنگ خندق کے بعد وہ ''۱۵۰۰'' صحابہ کرامؓ، جو آپ ﷺ کی قیادت میں عمرہ کیلئے جا رہے تھے۔ یہ عظیم المرتبہ صحابہؓ ہیں۔

واقعہ حدیبیہ:

آپ ﷺ نے خواب دیکھا تھا جسکا تذکرہ قرآن شریف میں ہے کہ میں صحابہؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ جا رہا ہوں لیکن خواب میں آپ کو وقت نہیں دکھایا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ: عمرہ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ''۱۵۰۰'' صحابہ کرام تیار ہو گئے۔ مکہ والوں کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے فوج تیار کی اور جنگ کی تیاری کر لی اور چونکہ نبی کریم ﷺ جنگ کی غرض سے نہیں گئے تھے۔ اس لیے وہاں ایک مقام ہے جسے حدیبیہ کہتے ہیں- اب آجکل اس کو ''شمیسی'' کہتے ہیں۔ شاید آپ نے بھی دیکھی ہوگی۔ یہ مکہ کے نئے راستہ پر رحل کی شکل میں ایک جگہ ہے- وہاں کافر آ چکے تھے چونکہ دونوں کے درمیان ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا۔ اسلئے ایک دوسرے کو نظر نہیں آ رہے تھے لیکن ایک دوسرے کے قریب تھے۔ آپ ﷺ نے کسی کے واسطہ سے اطلاع بھیجی کہ ہم جنگ کرنے نہیں آئے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو یہ پیغام دیا مگر آپؓ نے عرض کیا کہ حضرت میں تو بہت غصیلا

ہوں۔ جاتے ہی کسی کو مار ڈالوں گا یا مجھے کوئی مار ڈالے گا۔ اس لیے حضرت عثمانؓ کو بھیجیں کیونکہ کفار کے سردار اُن کے نسبی رشتہ دار ہیں تو وہ ان کو امان دے دیں گے۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور فرمایا کہ کفار سے کہہ دو کہ ہم جنگ لڑنے نہیں آئے ہیں۔ ہم عمرہ ادا کر کے واپس جانا چاہتے ہیں۔ حدیبیہ میں جہاں فوج نے پڑاو ڈالا تھا - پرانے راستے پر- اب وہاں چار دیواری بنائی گئی ہے اور وہاں آباد شدہ گاؤں کا نام ''حيُّ المجاهدين'' یعنی مجاہدین کا گاؤں پڑ گیا ہے۔ حضرت عثمانؓ کو دیکھتے ہی اُن کے رشتہ داروں نے پناہ دے دی اور اپنی امان میں لے لیا۔ ان سے کہا کہ آپ عمرہ ادا کریں اور اپنے آپ کو حلال کر لیں جبکہ بقیہ لوگوں کو ہم اجازت نہیں دے سکتے۔ انہوں نے فرمایا: جب تک حضور ﷺ نے عمرہ ادا نہ کیا ہو میں نہیں کر سکتا۔

صحابہؓ سے بیعت علیٰ الجہاد:

اس اثنا میں آپؐ ایک دو دن کیلئے ٹھہر گئے۔ وہاں کسی نے آپ ﷺ کو خبر پہنچائی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کو بہت افسوس ہوا اور صحابہؓ سے اعلان فرمایا کہ جب تک عثمانؓ کا بدلہ نہ لیں یہاں سے نہیں جائیں گے۔ موت تک نہیں بھاگیں گے۔ آپ ﷺ ببول (کیکر) کے درخت کے نیچے بیٹھے تھے اور سب صحابہ کرامؓ نے موت تک جہاد کرنے پر بیعت کی۔ قرآن میں اس کا تذکرہ ۲۶ ویں پارہ میں آتا ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تحت الشجرة فعلم مافى قلوبهم فانزل السكينة عليهم و أثابهم فتحاً قريباً ۝﴾ [سورة الفتح/۱۸] اس میں اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور خوشی کا اعلان فرما رہے ہیں اُن صحابہ سے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی۔ جب قرآن شریف میں اللہ

تعالیٰ نے یہ تذکرہ کیا کہ ان سب سے میں راضی ہوں۔ تو ان میں حضرت عثمانؓ نہ تھے۔ باقی تینوں خلفاء موجود تھے اور باقی صحابہ بھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے اعلان رضا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھے ان کے دل کا ایمان اور اخلاص معلوم ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ شہید نہیں ہوئے ہیں اور وہ واپس آگئے۔ تو حضرت عثمانؓ کی جگہ آپ ﷺ نے خود ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے ملا کر فرمایا کہ عثمان زندہ ہو تو یہ ہاتھ اُس کے لیے ہے۔

علمِ غیب صرف اللہ کے پاس ہے اور پیغمبر ﷺ کو وہ علم ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ انہیں سکھا دے۔ آپ ﷺ کو شہادت عثمانؓ کی صحیح خبر نہ تھی اس لیے یہ فرمایا کہ زندہ ہو تو یہ بیعت اُس کے لئے۔ حضرت عثمانؓ کے لیے پیغمبر ﷺ کا ہاتھ استعمال ہوا یہ خود اُن کے اپنے ہاتھ سے بھی بہتر ہوا۔ ان صحابہ کو بیعت الرضوان والے کہتے ہیں۔ یہ سب جنتی ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان رضا فرمایا ہے کہ میں ان سے خوش ہوں۔ انکو اصحاب بیعت الرضوان کہتے ہیں۔

ذوالخویصرہ تمیمی اور اس کا پیدا کردہ فتنہ:

سردار دو جہاں ﷺ نے فرمایا کہ جنہوں نے بیعت الرضوان کیا ہے وہ سب جنت میں جائیں گے، ایک شخص کے سوا۔ اس کا نام ہے ذوالخویصرہ تمیمی۔ اس وقت تو معلوم نہ تھا، بعد میں یہ زندہ رہا۔ یہ حضرت علیؓ کے ساتھ فوج میں تھا پھر ان کے خلاف بغاوت کی اور ایک گروہ اکھٹا کیا۔ "۹۰۰۰" آدمیوں کو حضرت علیؓ کی فوج سے جدا کیا اور کوفہ سے باہر ایک جگہ تھی جسے حروراء کہتے ہیں وہاں اکھٹے ہو گئے اور اپنے لیے عبداللہ بن وهب الراسبی کو امیر مقرر کر دیا۔

یہ گروہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو کافر کہتا تھا اور یہ کہتے تھے کہ آپ ﷺ نے قرآن کو حکم مقرر کیا ہے، تو پھر آپ نے عمرو بن عاصؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو کیوں فیصلہ کے

لیے بھیجا۔ آپؓ نے تو اللہ کے سوا دوسروں کو حَکَم مان لیا، چونکہ حکم تو خدا کا ماننا چاہئے اس لیے خدا کے حُکم کے سوا جو کسی کا حکم مانے وہ کافر ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا خوارج کو سمجھانا:

یہ احمق لوگ تھے۔ حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ جا کر ان کو سمجھا دو۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ آپؓ نے جبہ پہنا ہوا تھا۔ وہ دور سے کہنے لگے تم نہ آؤ۔ تم تو اُس کے چچازاد بھائی ہو اس لیے اس کی طرفداری کرو گے۔

حضرت علیؓ گئے کہ میں خود انکو سمجھاتا ہوں اور احتیاطاً چھ ہزار فوج بھی ساتھ لے گئے۔ یہ حضرت علیؓ کی خلافت کا واقعہ ہے، ۳۸ھ کا۔ علیؓ کہنے لگے: آپ کیوں ہم سے جدا ہو گئے ہیں؟ وہ کہنے لگے: تم کافر ہو اور معاویہ بھی کافر ہے۔ نعوذ باللہ۔ آپؓ نے پوچھا: کیوں؟ وہ کہنے لگے کہ آپ قرآن پر فیصلہ نہیں کرتے۔ دو آدمیوں کو فیصلہ کے لیے مقرر کیا ہے اس لیے تم کافر ہو گئے ہو۔ تم توبہ کرلو تب ہم تمہارے ساتھی ہوں گے۔ آپؓ نے فرمایا: کہ میری تو کفر سے توبہ ہے ہی، لیکن میرا کفر ثابت تو کرو پھر بات ہو گی۔

حضرت علیؓ نے کہا کہ اچھا ہم قرآن پر فیصلہ کرتے ہیں۔ لیکن قرآن کا فیصلہ ہمیں سنائے گا کون؟ اس کے لیے کسی کی ضرورت ہے یا نہیں۔ قرآن خود تو بات نہیں کرتا اور نہ فرشتے آئیں گے، قرآن کا مطلب بتانے۔ اب بھی بہت سے لیڈر کہتے ہیں "ہم مُلّا کا اسلام نہیں مانتے" مُلّا اسلام بیان نہ کرے تو اور کون کرے گا؟ بش خبیث کرے گا یا جواہر لال نہرو یا گاندھی؟ یہ تو مسلمان کو صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں۔ مرد لیڈر ہو یا عورت یہ سب کہتے ہیں کہ "ملا کا اسلام نہیں چاہتے" اچھا تو کس کا اسلام چاہتے ہو؟ یہ دنیا جہاں کے بے کار لوگوں کی

باتیں ہیں۔ ملا اسلام کا بیان نہ کر سکے تو اور کون کریگا؟

اسی طرح حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن پر فیصلہ کیا ہے لیکن اس کی وضاحت کون کرے گا؟ کہ یہ قرآن کا مطلب ہے۔ آپؓ ان کو سمجھانا چاہتے تھے۔ فرمایا: اچھا آپ کو سمجھانے کے لیے ایک بات بتاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ آدمی محرم ہو، حج کے احرام میں، اور کوئی چیز شکار کرے تو اس شکار کی قیمت کا اندازہ دو حَکَم (فیصلہ کرنے والے) کریں گے: ﴿ ومن قتله منكم متعمداً فجزآءٌ مثل ما قتل من النعم يحكم به ذواعدل منكم ﴾ [سورۃ المائدہ/ ۹۵] ''دو عادل فیصلہ کرنے والے اس جانور کی قیمت بتادیں گے تو یہ اس قیمت کا صدقہ کردے گا۔ اللہ تعالیٰ یہاں دو حَکَم کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب شوہر اور بیوی کے درمیان اختلاف ہو جائے، تو ﴿ فابعثوا حكماً من أهله وحكما من أهلها ان يريدآ اصلاحا يوفق الله بينهما ...... ﴾ [سورۃ النساء/ ۳۵] شوہر اور بیوی دونوں کی جانب سے ایک ایک آدمی مقرر ہو جائے گا اور وہ دونوں فیصلہ کرلیں گے۔ جب خود اللہ تعالیٰ نے فیصلوں میں دو آدمیوں کو مقرر کرنے کا کہا ہے تو ہم نے بھی قرآن ہی پر عمل کیا ہے۔ قرآن کے فیصلوں کے مطابق یہ دونوں ہمارے مابین فیصلہ کرلیں گے۔

مذاہب اربعہ کی حقیقت واہمیت:

اسی طرح ہمارے یہ چار مذاہب بھی ہیں۔ مذہب نام ہے ''عمل کے راستے کا'' ان چار ائمہؒ نے ہمارے لیے قرآن وحدیث کی خوب وضاحت کی ہے۔ لہٰذا ان کی بات ماننا قرآن وحدیث کا ماننا ہے۔ لوگ دھوکہ دہی کے لیے کہتے ہیں کہ چار مذاہب کی اتباع کرتے ہو اور

قرآن وحدیث پر عمل نہیں کرتے۔ اچھا ہم قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہیں لیکن کون بتائے گا کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں۔ اسکا یہ مطلب ہے یا نہیں۔ کوئی حدیث اس کے معارض ہے یا نہیں۔ کیا اس کو ہر کس وناکس سمجھتا ہے؟ ہر کابل ملا، گنڑ ملا، باجوڑ ملا اس کو سمجھتا ہے؟ یا خاص علماء اس کو جانتے ہیں۔ وہ پاک ہستیاں جن کو امت کے علماء بزرگ اور اولیاء کہتے ہیں اور آپ ﷺ کے زمانہ کے قریب تھے۔ تو ان کی بات ماننا ٹھیک ہے یا دیر ملا، باجوڑ ملا کی بات جو دس ڈالر پر بھی بکتے ہوں۔ یہ لامذہب لوگ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ یہاں باڑہ میں بھی کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو کسی حدیث کو نہیں مانتے۔

حضرت علیؓ اور اس لشکر کے درمیان پھر جنگ ہوئی۔ آپؓ کے ساتھ صرف چھ ہزار اور ان کے ساتھ نو ہزار کا لشکر تھا اور تاریخ میں ایسی جنگ نہیں ہوئی کہ ان میں سے صرف چھ بچ گئے اور ان میں سے چھ مر گئے، اور یہ کیوں اس طرح سب مارے گئے؟ تو ان کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے کہا: تیر پھینک دو، صرف نیزوں اور تلواروں سے جنگ لڑیں گے اور حضرت علیؓ کی فوج ان کو تیروں سے ڈھیر کرتی رہی۔ یہ ان کی حماقت تھی۔ وہ چھ آدمی جو بچ گئے، مسقط اور عمان کی طرف بھاگ گئے۔ موجودہ مسقط اور عمان کا جو بادشاہ ہے ''سلطان قابوس'' یہ بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ اہل سنت والجماعۃ میں سے نہیں۔ ان کو خوارج کہتے ہیں۔ ان میں ۱۲ گروہ ہیں جن میں سے عمان والے قدرے اچھے ہیں۔

جیسے یمن میں شیعہ ہیں مگر وہ صحابہؓ کو گالی نہیں دیتے۔ ان کو ''زیدی'' کہتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ یمن اور مسقط (عمان) آپس میں شرقاً غرباً لگے ہوئے ہیں اور دونوں مقابل ہیں۔

زندہ بچنے والوں کا بیت اللہ کے سائے میں معاہدہ:

ان چھ آدمیوں نے پھر اپنی نسل اور اپنی فکر کو پھیلایا۔ الجزائر میں بھی یہ فرقہ ہے۔ ان میں سے تین آدمیوں نے مشورہ کیا کہ یہ سب فساد اُمت میں ان تین آدمیوں کی وجہ سے ہے اس لیے ان کو ہم مار ڈالیں گے۔ چپکے چپکے بیت اللہ شریف گئے اور مقام ابراہیم کے پاس قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ بائیس رمضان کو یہ تین آدمی مار ڈالیں گے۔ حضرت علیؓ کوفہ میں ہیں تو ایک سے کہا: فلاں تم کوفہ جاؤ گے۔ حضرت معاویہؓ دمشق میں ہیں تو دوسرے سے کہا: فلاں تم دمشق جاؤ گے اور فاتحِ مصر حضرت عمرو بن عاصؓ مصر میں ہیں، تو تیسرے سے کہا: فلاں تم وہاں جاؤ گے۔ ۲۲ رمضان کی صبح ان تینوں کو مار ڈالیں گے۔ اللہ کی قدرت کہ صبح سویرے اس ایک ظالم نے حضرت علیؓ پر خنجر کیساتھ وار کیا۔ تین دن تک آپؓ زندہ رہے پھر شہید ہوگئے۔ اس ظالم کا نام عبدالرحمن بن ملجم تھا۔ جو حضرت معاویہؓ کو مارنے گیا تھا تو حضرت جب صبح کی نماز کے لیے نکلے تو اُن پر حملہ کیا مگر آپؓ بچ گئے۔ تھوڑی سی خراش آئی اور چوکیداروں نے اس کو پکڑ لیا اور حضرت عمرو بن عاصؓ اُس دن بیمار تھے، دوسرے آدمی کو امام مقرر کیا تھا۔ اسلام میں بادشاہ قوم کا امام ہوتا ہے اور گورنر نائب امام ہوتا ہے۔ تو اس قاتل نے غلط فہمی میں اُس نائب امام کو شہید کر دیا۔

حضرت علیؓ کے اعلیٰ اخلاق:

پھر حسنینؓ نے اس ابن ملجم کو پکڑا اور حضرت علیؓ سے پوچھا کہ اس کے ساتھ کیا کریں؟ آپؓ نے فرمایا: ”میں زندہ بچا، تو خود اس کے ساتھ نمٹوں گا اور اگر شہید ہوا تو میری طرف سے معاف ہے۔ اللہ کی طرف سے یہ فیصلہ ہو چکا تھا“۔ کتنے بڑے اخلاق والے

تھے۔ تین دن بعد آپؓ ان زخموں سے شہید ہوگئے۔

”یا علی مدد“ کا نعرہ:

ابھی لوگ پکارتے ہیں ”یا علی مدد“۔ آپ خود اپنی موت سے باخبر نہیں کہ دو منٹ بعد مجھے کیا ہوگا اور آپ اُس سے زندگی مانگتے ہیں۔ اُس کی اپنی زندگی اُس کے اختیار میں نہیں تو وہ آپ کو کیسے زندگی دے گا۔ آپ سے کیسے مصیبت دور کریگا اور جب حضرت علیؓ کو کوئی خبر نہیں، اور مدد نہیں کر سکتے تو دوسرے بزرگ کیا مدد کر سکیں گے۔ یہ فرضی پکار ہے۔ اس لیے جو مانگنا ہے اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ جو سنتا بھی ہے، مدد بھی کر سکتا ہے اور زندگیوں کا مالک بھی وہی ہے۔ حضرت علیؓ شہید ہوگئے اور حسنینؓ نے ان کو احتیاطاً اپنے گھر میں دفن کر دیا۔ کوفہ میں ایک جگہ ہے جسکو ”نجف اشرف“ کہتے ہیں وہاں ان کی زیارت ہے۔ بعض نے مزار شریف میں ان کی زیارت بنائی ہے، یہ جھوٹے ہیں۔ بعض نے خیبر میں بنائی ہے، یہ سب جھوٹے، بیوقوف، دین میں اپنی طرف سے باتیں گھڑنے والے ہیں۔

ایک شاعر کی ہرزہ سرائی:

حضرت علیؓ شہید ہوئے۔ تو حسنینؓ اور ان کی اولاد نے کہا کہ: اس قاتل کو قتل کرتے ہیں۔ وہ ہر وقت ذکر کرتا تھا۔ اس کو شیطان نے یہ سکھایا تھا کہ اس میں ثواب ہے۔ ایک شاعر عربی میں اس کی تعریف کرتا ہے:

یا ضربة من سیف ماراد بها   الا لیبلغ من ذی العرش رضوانا

انی لاذکره یوما فاحسبه   اوفی البریة عند الله میزانا

وہ کیسے مبارک آدمی تھا کہ ایسا وار کیا جس سے اپنے لیے جنت الفردوس کما

گیا۔ میں اس کو یاد کرتا ہوں تو کہتا ہوں کہ قیامت کے دن اس کی نیکیوں کا پلڑا بہت بھاری ہوگا۔

ایسا ظالم جو حضرت علیؓ کے قاتل کی تعریف کر رہا ہے کہ ان کا قتل بہت ثواب کی بات ہے۔ تو حسنینؓ ان سے تھوڑا تھوڑا گوشت کاٹتے تھے وہ اُف تک نہ کرتا تھا۔ کان، ناک، سب کاٹ دیے، لیکن جب زبان کاٹنے لگے تو وہ پریشان ہوا اور کہا کہ اس سے میں ذکر کرتا ہوں۔ اس طرح اس کو قتل کر دیا گیا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ مجھے ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک قوم سے تمہارا مقابلہ ہوگا ان میں ایک نشانی یہ ہے کہ ایک آدمی ان میں سے مرا ہوگا، اس کا ایک ہاتھ آدھا ہوگا اور ایک ہاتھ بالکل نہ ہوگا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان مُردوں میں دیکھو۔ تلاش کیا گیا تو اس آدمی کی لاش پائی گئی۔ یہ وہی ذوالخویصرہ تمیمی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جنہوں نے میرے ساتھ بیعت الرضوان کیا ہے وہ سب جنت میں جائیں گے سوائے ذوالخویصرہ تمیمی کے۔ یہ وہی آدمی ہے جو نہروان علاقہ میں جنگ میں قتل ہوا۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

مساجد اور گرجے

سُبْحَانَکَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْم ٥

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا، وَسَنَدَنَا، وَحَبِیْبَنَا، وَشَفِیْعَنَا، وَرَحْمَتَنَا، وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔ ﴿ انما یعمر مسٰجد اللہ من ءامن باللہ والیوم الأخر وأقام الصلوٰۃ وءاتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ فعسیٰ أُولٰٓئک أن یکونوا من المھتدین ٥ ﴾ [سورۃ التوبۃ /۱۸]

صدق اللہ مولٰنا العظیم۔

درود شریف پڑھیے:

اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا، ونبینا محمدٍ، وعلیٰ اٰل سیدنا

ونبینا محمد، وبارک وسلم وصلّ علیه.

میرے عزتمند بزرگو اور محترم دوستو بھائیو!

پچھلے سے پچھلے جمعہ کو ہم نے مساجد کے آداب واحکام کا بیان شروع کیا تھا۔

دنیا میں مساجد اور دیگر عبادت خانوں کی تعداد:

یہ بتا چکا تھا کہ اقوام متحدہ کی سروے کے مطابق دنیا میں اسوقت ایک کروڑ دو لاکھ مساجد ہیں اور یہ تعداد تمام مذاہب کے عبادت خانوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔ عیسائیوں کے پچاس لاکھ گرجے ہیں۔ جبکہ ہندوؤں کے اٹھارہ لاکھ مندر ہیں اور اس کے علاوہ دیگر مذاہب (جیسے یہودی، آتش پرست، پارسی، سکھ وغیرہ) کے عبادت خانوں کی کل تعداد صرف پچاس لاکھ بنتی ہے۔

اس طرح سے دنیا کے کل عبادتخانے مجموعی طور پر ایک کروڑ پچھتر لاکھ (17,500,000) بنتے ہیں۔ جن میں سے مسلمانوں کی مساجد سب سے زیادہ ہیں-الحمدللہ-اور مجھے یہ یقین ہے کہ انگریزوں نے ہماری مساجد کی تعداد کم بتائی ہوگی، اس لئے کہ مسلمان اگر پہاڑ کی چوٹی پر رہتا ہے تو بھی اپنے لیے مسجد ضرور بناتا ہے، یا اگر کسی گاؤں یا شہر میں رہتا ہے تو بھی اپنے لیے مسجد لازمی بناتا ہے۔ جبکہ گرجے صرف شہروں میں ہی ہیں اور اب وہ بھی ختم ہونے کو ہیں، اس لیے کہ مردہ دین کی کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ یہ سب گرجے خالی پڑے ہوتے ہیں۔ انہیں صرف شادی بیاہ، جنازہ، یا کبھی کبھار اتوار کو عبادت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ باقی یہ خالی اور ویران پڑے رہتے ہیں۔ البتہ یہ شیطانی اڈے ضرور ہوتے ہیں۔

دنیا کی بڑی مسجدیں:

پھر ہماری مساجد میں سے سب سے بڑی مسجد بیت اللہ شریف ہے۔ پھر حضور پاک ﷺ کی خوبصورت مسجد (مسجد نبوی ﷺ)۔ اس مسجد کی مثال پوری دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ خوبصورتی اور حسن وجمال میں یہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس کی مثال نہ گرجوں میں ملتی ہے، نہ مندروں میں، نہ ہی کسی اور قوم کے عبادتخانے میں۔

پھر اس کے بعد بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) ہے۔ اس کے بعد دہلی کی جامع مسجد۔ اگر آپ وہاں جائیں تو اس سے آپکو پورا شہر نظر آئے گا۔

جامع مسجد قرطبہ:

اس کے بعد سپین کے شہر قرطبہ میں ایک عظیم الشان مسجد ہے، جس پر اب انگریز خبیثوں کا قبضہ ہے۔ جب ان خبیثوں (انگریزوں) نے وہاں ہماری (مسلمانوں) حکومت ختم کر دی، تو اس مسجد کے صحن میں ہی اپنا ایک گرجہ بنا دیا۔ جس کی وجہ سے مسجد کی رونق ماند پڑ گئی ہے۔ اب بھی لوگ وہاں تماشہ کرنے جاتے ہیں لیکن وہاں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ وہاں جماعت کی نماز نہیں ہوتی۔ البتہ لوگ انفرادی طور پر نماز پڑھتے ہیں۔

پھر لاہور کی شاہی مسجد ہے جو سلطان اورنگزیب عالمگیرؒ نے تعمیر کرائی ہے۔ میں خود عیسائیوں کے بعض بڑے بڑے گرجوں میں گیا ہوں، لیکن کسی ایک گرجے کا حسن وجمال بھی ہماری مساجد تک نہیں پہنچتا۔ یہاں ہماری مسجد (مسجد درویش) کے ساتھ جو گرجہ گھر ہے، یہ البتہ کچھ خوبصورت بنایا ہے، اس لیے کہ یہاں ان کے ساتھ مسجد کی موجودگی کا ڈر تھا۔ اسکے علاوہ باقی گرجوں کے پاس زمین تو زیادہ ہوتی ہے مگر تعمیر کم۔

پشاور صدر میں واقع گرجے اور مساجد:

یہاں پشاور صدر میں عیسائیوں کے چار گرجے ہیں۔ چونکہ یہاں انگریزوں کی حکومت تھی اور یہ جگہ خالی پڑی ہوئی تھی، اس لیے یہاں انگریزوں نے یہودیوں کو ایک عبادتخانے کی جگہ دی اور اپنے لیے چار گرجے تعمیر کیے۔

پشاور صدر میں کوئی مسجد سرکاری نقشہ سے نہیں بنی۔ یہ پہلی مسجد ہے جو سرکاری جگہ میں بنی ہے اور یہاں بھی پہلے یہود کا عبادت خانہ تھا۔ ''فری میسن لاج'' یہود کی ایک خفیہ خطرناک تحریک ہے۔ جب مسلمانوں نے اس کو قبضہ کیا تو یہاں مسجد بنانے کا پروگرام بنایا۔ اس کے علاوہ یہاں صدر میں جتنی مساجد ہیں، یہ کچھ نیک لوگوں نے یا تو اپنے گھروں پر بنائی تھیں، یا اپنی دکانوں کی جگہ پر۔ سرکاری طور پر کسی کو بھی جگہ نہیں دی گئی ہے۔ اس لیے کہ ہمارے صوبہ کے جو مالدار لوگ تھے وہ سب انگریزوں کے نمک خوار (پٹھو) تھے، اور جو غریب عوام تھے خود ان کی وسعت وطاقت اتنی تھی نہیں۔ اس لیے صدر میں سرکاری جگہ پر اور باقاعدہ نقشہ کے ساتھ بنائی گئی پہلی مسجد، ہماری یہ خوبصورت مسجد (مسجد درویش) ہے۔ اس کے ساتھ تقریباً چھ جریب زمین ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا گرجا:

تو میں آپکو بتا رہا تھا کہ یہ گرجہ انہوں نے قدرے خوبصورت بنایا ہے۔ اس کی غرض بھی یہی ہے کہ یہ صدر کے علاقہ میں واقع ہے، اور مسجد کے ساتھ متصل بھی ہے۔ دنیا کے تمام گرجوں میں سے سب سے بڑا گرجہ ''قیامت کا گرجا'' کہلاتا ہے، جو بیت المقدس میں واقع ہے۔ میں دو مرتبہ وہاں گیا ہوں۔ وہاں عام لوگوں کو بھی جانے دیتے ہیں۔ وہ گرجا

انہوں نے بہت ناز اور نخروں سے بنایا ہے۔ اُس کے درمیان سنگ مرمر کا ایک کمرہ ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں۔ صرف ایک طاقچہ بنایا گیا ہے، اس غرض سے کہ جو کوئی اس میں داخل ہو، تو وہ سجدہ یا رکوع کی حالت میں داخل ہو۔ اس کے اندر بہت سے نخرے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کی فرضی قبر:

حضرت عیسیٰؑ کی فرضی قبر بنائی گئی ہے۔ ہمارے یہاں کے خوانین جس طرح سنگ مرمر کی پکی قبریں بناتے ہیں، اسی طرح سنگ مرمر کی قبر بنائی گئی ہے۔ چار پانچ پادری وہاں کھڑے رہتے ہیں۔ جب عیسائی اس قبر کے پاس جاتے ہیں تو فوراً تثلیث کا اشارہ کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں تسبیح ہوتی ہے۔ وہ بھی ہماری طرح تسبیح رکھتے ہیں لیکن ہماری تسبیح میں محراب بنا ہوتا ہے جبکہ ان کی تسبیح میں صلیب (Cross) ہوتا ہے۔ پہلے اس صلیب کو چومتے ہیں پھر اس قبر پر پیسے (پونڈ، چیک) رکھتے ہیں۔

قبروں پر پیسے رکھنے کی رسم:

قبروں پر پیسے رکھنا، اسلام کا طریقہ نہیں۔ یہ ہندوؤں اور انگریزوں کے طریقے ہیں جو مسلمانوں نے اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ٹھیک ہے مردہ کو ثواب پہنچانا بڑی اچھی بات ہے، لیکن اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ رقم کسی غریب کو دے دو کہ یہ پیسے آپ کے ہوگئے، اور یہ دعا کرو کہ یا اللہ اس کا ثواب اس نیک بزرگ کو پہنچا دے اور اگر قبر پر پھینک دیے تو یہ فضول ہوگئے۔ اس کا کوئی ثواب نہیں ملتا اور یہ حرکت بت پرستی کے مشابہ ہے۔ یہ مردوں کے ساتھ عبادت کے ذریعے قرب اختیار کرنا ہے جیسے ہندو اس کے ذریعے سے بت کی قربت اختیار کرنا چاہتے ہیں اور عیسائی بھی اس طریقے سے حضرت عیسیٰؑ کا قرب اختیار کرتے ہیں۔

تو قبر پر پیسے رکھنا بالکل فضول ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ یہ رقم کسی کو دے دو اور ثواب اس میت کو بخش دو۔ اگر ویسے ہی قبر پر پھینک دیے تو وہ کون قبول کرتا ہے؟ کوئی بھی نہیں۔ یہ تو ایسا ہے جیسا کسی کھائی یا گڑھے کے اندر پیسے ڈالنا یا گندگی میں پھینک دینا...... طریقہ یہ ہے کہ کسی کو ہاتھ میں دے دو کہ یہ آپ کے ہو گئے اور ثواب بخش دو۔ یہ ہندوؤں کے طریقے ہیں جو ہمارے اندر رائج ہوئے ہیں۔

قبروں پر موم بتیاں جلانا:

عیسائی اس فرضی قبر پر موم بتیاں بھی جلاتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ رواج بھی وہاں سے آیا ہے کہ قبر پر شمعیں جلاتے ہیں۔ ورنہ اس سے تو قبر والے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ وہ تو نیچے سات اندھیروں میں پڑا ہے۔ یہ شمع یا چراغ مسجد میں جلاؤ اور اسکا ثواب اُس میت کو بخش دو۔ مسجد میں نمازی اس سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ کوئی اس کی روشنی میں تلاوت کرے گا، کوئی ذکر کرے گا اور اگر قبر پر جلا دی تو کوئی فائدہ نہیں ہوا، بلکہ اکثر اس کی وجہ سے کتے قبروں پر پیشاب کرتے ہیں۔ ابھی تو سرسوں کے تیل کا استعمال کم ہو گیا ہے، پہلے لوگ چراغوں میں سرسوں کا تیل جلاتے تھے، کتے آ کر وہ تیل چاٹ لیتے، پھر حسب عادت پاؤں اُٹھا کر قبر پر پیشاب کر دیتے۔ وہ تو یہ نہیں سمجھتا ہے کہ یہ قبر ہے، یا قبر کیا چیز ہوتی ہے۔ تو اس چراغ کا کیا فائدہ ہوا؟ اس کی بجائے اگر یہ چراغ مسجد میں رکھ دیا ہوتا، راستے پر جلا دیا ہوتا، یا کسی یتیم کو گھر کے لیے دے دیا ہوتا اور ثواب اس قبر والے کو بخش دیا ہوتا تو اس کو بہت فائدہ پہنچتا۔ قبر پر اگر بجلی کے ایک ہزار بلب بھی جلا دیے جائیں، تو میت کو اسکا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا جبکہ مال بھی فضول ضائع ہو گیا۔ شریعت میں فضول مال لگانا منع ہے اس لیے کہ یہ

مال ہمارے ساتھ اللہ کی امانت ہے۔

تو یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے کہ وہ وہاں موم بتیاں روشن کرتے ہیں اور پونڈ یا چیک وغیرہ رکھ لیتے ہیں۔

عیسائیوں کی جہالت اور بے وقوفی:

میری وہاں ایک پادری سے گفتگو ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ کہنے لگا: یہ یسوع مسیح کی قبر ہے۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کو "یسوع مسیح" کہتے ہیں۔ مذہب کے اعتبار سے انگریز (عیسائی) سے زیادہ جاہل اور بے وقوف کوئی نہیں۔ یہ انتہائی بے وقوف ہوتے ہیں۔ ان کی ساری باتیں اُوٹ پٹانگ ہوتی ہیں۔ ایک طرف حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں۔ دوسری طرف ان کو تیسرا خدا سمجھتے ہیں اور اسی طرح ان کو مستقل خدا بھی سمجھتے ہیں۔

یہ تین خدا کون کون سے ہیں؟ تو اس میں بھی ان کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک تو اصل خدا ہے دوسرا حضرت عیسیٰؑ اور تیسرے خدا انکی والدہ۔ کوئی کہتے ہیں کہ یہ تین، خدا تعالیٰ، حضرت عیسیٰؑ اور روح القدس (حضرت جبرائیلؑ) ہیں۔ یہ لوگ انکی والدہ کو خدائی سے خارج سمجھتے ہیں۔

ایک پادری کے ساتھ دلچسپ گفتگو:

تو میں نے اُس پادری سے پوچھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کیا واقعہ ہوا تھا؟ وہ کہنے لگا: تم نے انجیل نہیں پڑھی؟ میں نے کہا: پڑھی تو ہے مگر اب آپ سے دوبارہ سننا چاہتا ہوں۔ میں جان بوجھ کر اس سے یہ بات اس لیے پوچھ رہا تھا کہ یہ عیسائی اب یہود کی پشت

پناہی کر رہے ہیں اور یہود ان کا پالا ہوا ئبل ڈاگ کتا ہے، جو مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔

جبکہ دوسری طرف انکا یہ عقیدہ ہے کہ یہودیوں نے ایک بادشاہ کو شرارتاً کہا۔ جسکا نام ''ھیرودیس'' تھا۔ کہ انبیاءؑ جس دجال سے ڈراتے چلے آئے ہیں، یہ (حضرت عیسیٰؑ) وہی دجال ہے۔

دجال کا مختصر تذکرہ:

ہر پیغمبرؑ نے اپنی امت کو دجال کے فتنے سے ڈرایا ہے۔ ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ دجال کے فتنے سے ڈرو اور اللہ سے اسکی پناہ مانگو، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہر پیغمبرؑ نے اپنی امت کو دجال کے فتنے سے ڈرایا ہے لیکن وہ میری امت میں آئے گا۔ ہر پیغمبرؑ نے کہا ہے کہ ایک دجال آئے گا لیکن ہمارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ میری امت میں آئے گا اور وہ خراسان و عراق کی طرف سے آئے گا۔ مکہ اور مدینہ بھی آئے گا مگر فرشتے ان شہروں کی حفاظت کریں گے۔ پھر ''لُد'' نامی ایک شہر ہے، (جواب بھی اسرائیل میں واقع ہے، اور اب یہودیوں نے وہاں ایک ایئرپورٹ بھی بنایا ہے) اس شہر میں حضرت عیسیٰؑ اس کو قتل کریں گے۔ یہ ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔ دجال کا بیان پھر کبھی کسی مناسب وقت پر کروں گا کہ یہ کیا بلا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کی سازش:

تو یہودیوں نے اپنے بادشاہ ''ھیرودیس'' کو شرارتاً کہا اور اسے بھڑکایا کہ پیغمبروں نے جس دجال سے ہمیں ڈرایا تھا وہ یہ (حضرت عیسیٰؑ) ہیں۔ چونکہ عام طور پر بادشاہ

قابلیت کی وجہ سے بادشاہ نہیں بنتے، بلکہ کوئی خاندان کی وجہ سے بادشاہ بنتا ہے، کوئی زبردستی سے، اور کوئی کسی اور وجہ سے بادشاہ بن جاتا ہے، اس لیے ضروری نہیں کہ ہر بادشاہ ہوشیار اور عقلمند بھی ہو۔ بہت سے بے وقوف طاقت کے زور سے یا اپنی خاندانی روایت کی وجہ سے بادشاہ بن جاتے ہیں۔ تو ہیرودیس نے بھی کہا کہ اگر یقیناً یہ دجال ہی ہے تو اس کو پکڑ لیا جائے، تاکہ اس کا کام تمام کر لیں۔

یہودیوں نے آپ کو ایک کمرہ میں بند کر دیا۔ یہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے اور انجیل میں بھی اس کا بیان ہے۔ جب حضرت عیسیٰؑ کے پیچھے سپاہی گئے۔ تو آپ کے جو دوست تھے، وہ سب بھاگ کر نکل گئے، اور حضرت عیسیٰؑ نے اپنے باپ کو پکارنا شروع کیا: ''ایلی، ایلی'' یعنی اے میرے خدا! مجھے کس کے حوالہ کر رہے ہو۔ تو یہود اور عیسائی دونوں کہتے ہیں کہ آپ کو نکال کر پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ اب وہاں ایک جگہ پھانسی کی شکل کا بت بھی بنایا گیا ہے جس کے اردگرد پیتل کے جنگلے بنے ہوئے ہیں۔ اس بت کی لمبی داڑھی ہے، ملاؤں کی طرح اور بڑے بڑے بال ہیں۔

سب انبیاء ''ملّا'' ہی ہوتے ہیں:

یاد رکھو! پیغمبرؑ سب ''ملّا'' ہوتے ہیں۔ الحمدللہ۔ اور داڑھی کے رنگ کو سرخ کر دیا گیا ہے کہ یہ خون سے لت پت داڑھی ہے۔ عیسائیوں کے جتنے گرجوں پر یا ان کے قبروں پر ✝ کا جو نشان بنا ہوتا ہے یہ اس سولی کی نشانی اور یادگار ہے کہ ہمارے خدا کا بیٹا اس طرح سے سولی پر چڑھایا گیا تھا۔

حضرت عیسیٰؑ سے متعلق اسلام کا عقیدہ:

ہمارے قرآن پاک میں اس کے بارے میں یہ ارشاد ہے: ﴿ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالھم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقیناً o بل رفعہ اللہ الیہ و کان اللہ عزیزاً حکیماً o ﴾ [سورۃ النساء/۱۵۷] حضرت عیسیٰؑ کو نہ تو کسی نے قتل کیا ہے، نہ انکو سولی پر چڑھایا گیا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اوپر (آسمان پر) چڑھالیا ہے۔ یہ مشتبہ ہوگئے۔ اس کے حق میں جو کچھ کہتے ہیں وہ سب اپنی گمانوں اور خیالی باتوں کے پیچھے چل رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قطعاً انکو قتل نہیں کیا گیا۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ اوپر آسمانوں پر لے گئے ہیں اور جب انہوں نے قتل کا ارادہ کیا تو سپاہیوں کا امیر (سردار) اس بند کمرہ میں داخل ہوا۔ دیکھا وہاں کوئی نہ تھا۔ آپؑ کے جو گیارہ حواری تھے، وہ فوج کے آنے سے پہلے ہی بھاگ گئے تھے جبکہ آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے اُوپر اُٹھالیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس (سردار) سپاہی کو حضرت عیسیٰؑ کی شکل میں تبدیل کردیا۔ پھر جب دوسرے سپاہی کمرے کے اندر داخل ہوئے تو وہ کہنے لگا کہ یہاں تو وہ (حضرت عیسیٰ) نہیں ہے۔ دوسرے سپاہی کہنے لگے کہ تو ہی ہے؟ وہ کہنے لگا کہ ”نہیں نہیں میں وہ نہیں ہوں، میں تو آپ کا امیر اور سردار ہوں“ مگر انہوں نے اس کو پکڑلیا کہ تو ہی ہے۔ اب کہیں نہیں جاسکتے۔

سپاہی کو حضرت عیسیٰؑ سمجھنے لگے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اُس کو اُٹھالیا اور اس کا شبہ اس سپاہی پر ڈال دیا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو پکڑ کر سولی پر چڑھادیا۔ پھر جب اس کو پھانسی دے چکے، تو وہ حیران تھے کہ اگر یہ حضرت عیسیٰؑ ہیں تو ہمارا ساتھی کہاں چلا گیا؟ اور اگر یہ ہمارا ساتھی ہے تو عیسیٰؑ

کہاں چلے گئے؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ...... الخ ﴾ [سورۃ النساء/۱۵۷] یہ خود اشتباہ (شک) میں ہیں کہ یہ تو دو آدمی تھے ایک عیسیٰؑ اور ایک ہمارا ساتھی۔ اب یہاں پر ایک کیوں ہے۔ اگر یہ عیسیٰؑ ہیں تو ہمارا ساتھی کہاں ہے اور اگر یہ ہمارا ساتھی ہے تو عیسیٰؑ کہاں ہیں؟

چنانچہ اس میت کو اس جگہ پر دفن کردیا گیا۔ اب یہاں پر لوگ اس قبر کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ تو میں نے پادری سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا تھا؟ اُس نے یہ سارا قصہ سنایا اور کہا قتل کے بعد وہ یہاں دفن کیے گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب آپؑ فوت ہوگئے تو اس جگہ دفن کردیے گئے۔ پھر تین دن بعد آپؑ اوپر آسمان پر اُٹھائے گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں آپ سرے سے قتل ہی نہیں ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد وہ اُٹھائے گئے ہیں اور اپنے باپ کے ساتھ عرش معلیٰ پر بائیں جانب بیٹھ گئے اور قیامت کے قریب اٹلی میں آئیں گے۔ یہ انگریزوں کا عقیدہ ہے۔

عیسائیوں کا عقیدہ نزول عیسیٰؑ:

اٹلی میں ایک شہر ہے جسے ویٹی کن سٹی (Vitican city) کہتے ہیں۔ وہاں ایک بڑا گرجا گھر بنایا گیا ہے۔ اس میں ایک بڑا پلنگ پڑا ہوا ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے ہمیں یہ کہا تھا کہ میں اٹلی میں آؤں گا۔ وہاں میرے لیے ایک پلنگ تیار رکھو۔ معلوم نہیں میں کب اور کس وقت آؤں گا۔ اس گرجے کا نام ”گرجا شمعون“ ہے۔

عیسائیوں کا مذہبی رہنما ”پوپ“:

عیسائیوں کے مذہبی رہنماؤں کو پادری کہتے ہیں اور پادریوں کے بڑے کو پوپ

کہتے ہیں۔ یہ موجودہ پوپ ان کے عقیدہ میں ۲۵۹ واں نائب ہے۔ اس کو مذہب کے
بارے میں کُل اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ یہ کسی شخص کو معاف بھی کرسکتا ہے، اس کو جنت
کی رسید بھی دے سکتا ہے۔ کسی پر فردِ جرم بھی عائد کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جتنی اوصاف ہیں
ان کے عقیدہ میں وہ سب اس پوپ کے لیے ثابت ہیں۔ وہ پوری دنیا کے پادریوں اور
گرجوں کا مذہبی رہنما ہوتا ہے۔ اس کی بات سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہٹتے۔

آپ دیکھیں گے کہ یہ انگریز، عیسائی ممالک آپس میں جنگ نہیں کرتے۔ پہلے ان
کے درمیان مذہبی جنگیں ہوتی رہتی تھیں، مگر ابھی جنگ سے گریز کرتے ہیں۔

برطانیہ اور ارجنٹائن کی جنگ:

پہلے برطانیہ کی ارجنٹائن کے ساتھ جنگ تھی۔ ارجنٹائن امریکہ کی ریاست ہے، جو
جنوب کی طرف واقع ہے اور وہاں سے برطانیہ چھ ہزار (۶۰۰۰) میل دور ہے۔ اس کا ایک
جزیرہ ہے جسے "پاک لینڈ" (Pakland) کہتے ہیں۔ اس جزیرے پر برطانیہ
اور ارجنٹائن کا جھگڑا تھا۔ اس وقت کے پوپ نے دونوں ملکوں سے کہا کہ جنگ ختم
کردو کیونکہ ہم عیسائی بدنام ہورہے ہیں۔ اس حکم کے ملتے ہی دونوں ملکوں نے جنگ ختم
کردی اور وہ جزیرہ جو ارجنٹائن کے قریب تھا، برطانیہ کے حوالہ کردیا گیا اس طرح جنگ ختم
ہوگئی۔

نہ تو جرمنی فرانس کے ساتھ لڑتا ہے۔ نہ ہی فرانس کسی دوسرے ملک کے خلاف
جنگ لڑتا ہے اور نہ ہی آسٹریلیا والے امریکہ کے خلاف لڑتے ہیں۔ یہ سب ظالم اسلام کے
خلاف متحد ہوچکے ہیں اور انہوں نے اپنی افواج کو نیٹو کا نام دے رکھا ہے۔ یہ سب عیسائیوں

کا اسلام کے خلاف مشترکہ فوج ہے۔ عیسائی بہت ظالم قوم ہے اور ہمارے مسلمان حکمران
ان سے ہمیشہ دھوکہ کھاتے رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنا پورا اختیار ان عیسائیوں کو دیا ہوا
ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پادری شادی نہیں کرسکتا:

جب ایک پوپ فوت ہوجاتا ہے، فوراً دوسرا پوپ مقرر کرلیتے ہیں۔ سب
پادریوں کے لیے یہ شرط ہوتی ہے کہ وہ عمر بھر شادی نہیں کریں گے۔ عورتوں کو بغیر نکاح کے
استعمال کرسکتے ہیں، جتنی حسین عورت کو چاہیں استعمال کرلیں۔ اس پر کوئی پابندی نہیں۔
لیکن رسمی نکاح نہیں کریں گے۔ یہ صدر کا گرجہ جو ہمارے پہلو میں واقع ہے، اس میں بھی
دو پادری ہیں۔ مجھے ان کی شکایات آتی رہتی ہیں کہ لوگ ان کے پاس عورتیں لاتے
ہیں۔ چند ہمارے بے غیرت مسلمان بھی ہیں، جو ڈالروں کے لالچ میں یہاں عورتیں لاتے
ہیں۔ ایسے بدبخت بھی ہیں جو اپنی بیٹی یا بیوی بھی یہاں لاتے ہیں۔

ان کے قانون میں یہ شرط ہے کہ پادری شادی نہیں کرے گا اس لیے کہ حضرت
عیسیٰؑ نے شادی نہیں کی تھی اور پادری چونکہ حضرت عیسیٰؑ کا بھائی ہوتا ہے اس لیے وہ بھی
شادی نہیں کرے گا اور میں نے بیت المقدس میں دیکھا ہے کہ وہاں جو پادری عورتیں ہوتی
ہیں انہوں نے لمبی سفید قمیص پہنی ہوتی ہے اور گرجوں میں رہتی ہیں۔ وہاں اکثر عربی زبان
بولی جاتی ہے اس لیے ان عورتوں کے گرجوں پر لکھا ہوتا ہے "دیر اخوات المسیح"
(حضرت عیسیٰؑ کی بہنوں کا گرجہ)۔

خود سوچیے ......:

وہاں ایک طرف کنواری عورتیں ہوتی ہیں اور دوسری طرف مجرد مرد۔ اب آپ خود سوچیں کہ جب وہ چاول، گھی، دنبے اور بکرے کا گوشت اور ہر قسم کے روغن خوراک کھاتے ہیں، تو۔ تبلیغ والوں کی اصطلاح میں۔ کیا ان کا کوئی نفسانی تقاضہ پیدا نہ ہوگا؟ اُن کو اجازت ہے کہ جو کرنا چاہیں کریں، لیکن نکاح نہیں کر سکتے۔ گزشتہ زمانہ میں مانع حمل دوائیاں نہ تھیں اس لیے جب ان عورتوں کا حمل ٹھہر جاتا اور بچہ جنتی، تو وہاں کے ایک گرجہ میں پادریوں نے مجھے بتایا کہ (اُس گرجہ میں جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تھے) یہاں ایک دیوار ہے، اس جگہ پر ہم ان حرامی بچوں کو دفن کرتے ہیں۔ اس گرجہ میں اتوار کے دن جنتی عورتیں آتی ہیں، سب نے دلہن جیسا بناؤ سنگھار کیا ہوتا ہے اور آخر میں پادری ان عورتوں کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے تاکہ برکتی ہو جائیں۔

خالی جگہ کی چوکیداری:

تو میں نے اُس پادری سے کہا کہ جب آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اُوپر آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں اور یہاں اس قبر میں نہیں ہیں۔ تو اب اس قبر سے کیا مانگتے ہو؟ خالی کھنڈر کی تو کوئی چوکیداری نہیں کرتا اور انجیل میں یہ قصہ بھی آیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جب پھانسی پر چڑھائے گئے، تو تین دن تک سولی پر لٹکے رہے۔ پھر تین دن بعد اُنہیں رشتہ داروں کے حوالہ کر دیا گیا۔ انہوں نے لا کر اس جگہ ان کو دفن کر دیا۔ آپؑ کی ماں حضرت مریمؑ روزانہ قبر پر آتی اور روتی رہتی تھیں۔ جب چوتھے دن آئی تو دیکھا کہ قبر پھٹ چکی ہے اور انکی لاش غائب ہے۔ آپؑ رونے لگیں کہ میرے بیٹے کی لاش کون لے گیا ہے۔ اتنے میں ایک بادل آیا اور اس میں حضرت مریمؑ کو آپؑ کا خوبصورت چہرہ نظر آیا۔ آپ کہنے لگے کہ ماں! میں

اوپر چڑھ کر اپنے باپ کے پاس عرش معلی پر آ کر بیٹھ گیا ہوں اور قیامت کے نزدیک اٹلی میں اتر آؤں گا، وہاں میرا انتظار کرنا۔

حضرت مریمؑ کی قبر:

یہاں پر حضرت مریمؑ بھی مدفون ہیں لیکن حضرت عیسیٰؑ سے منسوب قبر کا گرجہ ایک پہاڑ پر ہے جبکہ حضرت مریم کی قبر دوسرے پہاڑ پر ہے۔ بیت المقدس کا پورا شہر پہاڑوں پر آباد ہے۔ ٹھنڈا اور پُر فضا شہر ہے۔ اس گرجہ کو ''کنیسہ مریم'' کہتے ہیں اور وہ جس پہاڑ پر واقع ہے اس کو ''زیتون کا پہاڑ'' کہتے ہیں۔ اس پر زیتون کے بہت سے درخت لگے ہوئے ہیں۔

گرجوں کی ایک رسم:

میں یہ بتا رہا تھا کہ یہ عیسائیوں کا ایک بڑا گرجہ ہے اور اس میں محض رسمیں ہی ہوتی ہیں۔ پادری اپنی کتاب (انجیل) کی تلاوت کرتے ہیں اور قبر کے اردگرد طواف کرتے ہیں۔ صفوں اور قطاروں کی شکل میں چلتے ہیں۔ ایک بڑا پادری کتاب لیے آگے آگے جا رہا ہوتا ہے۔ وہ ایک ہاتھ میں شمع اور دوسرے ہاتھ میں کتاب پکڑے ہوئے ہوتا ہے۔ شمع ان کی ایک مذہبی چیز ہے۔ ہمارے ہاں بھی یہ شمعیں اور موم بتیاں عیسائیوں کی وجہ سے رائج ہوئی ہیں۔ وہ قبروں پر بھی شمعیں جلاتے ہیں اور تلاوت کے وقت بھی شمع ہاتھ میں پکڑے رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان غلط عقائد اور رسم ورواج سے بچائے اور ان انگریزوں کی شرارتوں اور ریشہ دوانیوں سے بھی بچائے۔

اللہ کی قسم! انگریز مسلمانوں سے ڈرتا ہے لیکن اگر ہم مسلمان پکے مسلمان بن

جائیں اور اگر ہمارے ان حاکموں میں غیرت ہوتی اور یہ اپنے مذہب پر پختہ ہوتے، تو دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہ کرسکتی۔ مگر انہوں نے ان کو پیسوں اور عورتوں کی لالچ دے کر اپنا ہم نوا بنا دیا ہے۔

دوسرا بڑا گرجا اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا واقعہ:

بیت المقدس میں وہاں ان کا دوسرا بڑا گرجا ''کنیسۃ اللّحم'' کہلاتا ہے وہ اس گرجا سے چودہ میل دور ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں بیان ہے کہ بی بی مریمؑ ایک درخت کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ آپ ''ناصرہ'' کے رہنے والی تھیں۔ جب آپ کو حمل ٹھہرا اور ولادت کا وقت قریب ہوا تو قرآن کریم میں ہے: ﴿ فاجآء ها المخاض الیٰ جذع النخلة ○ قالت یلیتنی متُّ قبل هذا و کنت نسیاً منسیاً ○ فناداها من تحتها ألّا تحزنی قد جعل ربک تحتک سریاً ○ وهزی الیک بجذع النخلة تسقط علیک رطباً جنیاً ○ فکلی واشربی وقری عیناً، فامّا ترین احداً فقولی انّی نذرت للرّحمٰن صوماً فلن أُکلم الیوم انسیاً ○ ﴾ [سورۃ مریم/۲۶]

یہ سولہویں پارے کی آیات ہیں۔ جب آپؑ کو دردِ زہ کی تکلیف ہونے لگی، تو آپؑ شرم کے مارے گاؤں سے باہر مشرق کی جانب نکلیں۔ اب یہ عیسائی گرجے بھی مشرق کی جانب بناتے ہیں اور قبروں کا رخ بھی مشرق کی جانب بناتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ حضرت مریمؑ ولادت کے وقت گاؤں سے مشرق کی جانب گئیں تھیں۔ قرآن شریف میں بھی بیان ہے کہ وہ مشرق کی جانب گئیں، وہاں جا کر ایک ویران جگہ میں کھجور کے درخت کے ساتھ

بیٹھ گئیں۔

عورت جب بچہ جنتی ہے تو دردِ زہ کی وجہ سے زور لگاتی ہے۔ اس لیے یا تو چارپائی کے پاس بیٹھ کر اس کا پایہ پکڑ لیتی ہے، یا کسی درخت کے پاس بیٹھتی ہے یا تجربہ کار عورتیں ان کو پیچھے سے پکڑ لیتی ہیں اور اسے زور لگانے کو کہتی ہیں۔ اس لیے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آدمی کو قضاءِ حاجت کے وقت تکلیف ہوتی ہے۔ بچہ جب عورت کے پیٹ سے نکلتا ہے تو اُس پر بہت سخت جان لیوالحات گزرتے ہے۔

ماں کے حقوق:

اسی لیے ہماری شریعت کا یہ مسئلہ ہے کہ عورت اگر اولاد جننے میں مرجائے تو وہ شہید ہے اور اسی وجہ سے ماں کا حق باپ کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ باپ تو حجرے میں بیٹھا ہوتا ہے اور ماں بچہ جننے کی تکلیف برداشت کرتی ہے۔ اسی طرح وہ نو ماہ تک اس کو پیٹ میں رکھتی ہے۔ پھر پیدائش کے بعد دو، ڈھائی برس تک کی سخت مشقت برداشت کرتی ہے۔ عورت بچے کے ساتھ پوری رات جاگتی رہتی ہے، جبکہ باپ سویا ہوا خراٹے بھرتا ہے۔ اسی وجہ سے ماں کا حق بہت زیادہ ہے۔ اگر آپ کے پاس چار روپے ہوں، اور وہ آپ سے آپ کی ماں، باپ دونوں مانگیں، تو تین روپے ماں کو دوگے ایک روپیہ باپ کو۔ ماں قطعاً دل سے بچے کو بددعا نہیں دیتی۔ اگر ظاہراً بددعا دے بھی، تو دل سے نہیں دیتی اور باپ کی بددعا بہت خطرناک ہوتی ہے اس لیے کہ اس میں ماں جتنی محبت نہیں ہوتی تو کبھی کبھی وہ دل سے بددعا دیتا ہے۔

ایک ضروری نصیحت:

یادرکھو! ماں کا حق بے حساب ہے اسکا جتنا احترام اور تعظیم کر سکتے ہو کرو۔ یہ اس لیے بتارہا ہوں کہ بہت سے نوجوان جب شادی کر لیتے ہیں تو بیوی کی خاطر ماں باپ سے تعلق توڑ دیتے ہیں۔ بیوی اس سے ناراض ہوتی ہے کہ یہ ماں کی خدمت کیوں کر رہا ہے؟ ارے جانور کہیں کی! یہ آپ کا خاوند تو اسی سے پیدا ہوا ہے، اور تو بھی تو اس ساس ہی کی وجہ سے اس گھر میں آئی ہے۔ مگر وہ یہ نہیں سوچتی اور جب اسکا شوہر ماں کی خدمت کرتا ہے تو اس پر ناراض ہوتی ہے اور سوچتی ہے کہ اب یہ میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ ابھی حال ہی میں مجھ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص سے اسکی بیوی اس بات پر ناراض ہوئی ہے کہ تم ماں کے کمرہ میں کیوں جاتے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ: یہ تو بڑی جانور عورت ہے۔

اور اسکی بیوی کے ماں باپ اس معاملے میں بچی کی حمایت کرتے ہیں۔ وہ بھی اپنی بچی سے یہ نہیں کہتے کہ ''جیسے ہمیں تم سے محبت ہے اور تم ہمارے ہاں آتی ہو۔ اسی طرح یہ بھی اُس عورت سے پیدا ہوا ہے''۔ ٹھیک ہے، بہو پر ساس کی خدمت لازمی نہیں ہے مگر بیٹا اس کی خدمت ضرور کرے گا۔

حضرت مریم کے لیے قدرتی انتظام:

تو قرآن شریف میں ہے کہ جب حضرت مریمؑ نے کھجور کا تن پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ﴿وھزی الیک بجذع النخلۃ تساقط علیک رطباً جنیاً﴾ [سورۃ مریم/۲۵] بی بی مریمؑ کو جب دروزہ کی تکلیف شروع ہوئی تو سوچنے لگی کہ اگر بچہ جنا تو لوگ کیا کہیں گے، کہ یہ بچہ کہاں سے لائی ہو؟ نہ تمہاری شادی ہوئی ہے

نہ تمہارا کسی کے ساتھ ناجائز تعلق ہے؟ لوگوں میں رسوائی ہوگی۔ اس لیے آپؑ نے کہا: ﴿یٰلیتنی متُّ قبل ھذا وکنت نسیاً منسیاً﴾ [سورۃ مریم/۲۳] ہائے کاش! کہ میں مر چکی ہوتی اور میرا نام ونشان تک نہ ہوتا۔

حضرت جبرائیلؑ دور سے نظر آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فتمثل لھا بشراً سویاً﴾ [سورۃ مریم/۱۷] کہ آپؑ ڈر گئیں تو وہ کہنے لگے: ﴿فنادٰھا من تحتھا ان لا تحزنی قد جعل ربک تحتک سریاً ۝﴾ [سورۃ مریم/۲۴] ڈرو مت! غم نہ کر! اللہ تعالیٰ سب کچھ سے واقف ہے۔ جس کھجور کے پاس تم بیٹھی ہو اس کو ہلاؤ، اس سے تازہ کھجوریں گریں گی۔ اب عورت درخت کو تو حرکت نہیں دے سکتی، مگر اللہ نے ایک سبب بنایا کہ اس کو ہاتھ لگاؤ گے تو اس سے کھجوریں گریں گی۔ یہ کھاؤ اور پاس ہی جو چشمہ پھوٹ کر بہہ رہا ہے اس سے پانی پیو اور کوئی پرواہ نہ کرو: ﴿فکلی واشربی وقری عیناً﴾

ایک طبی نکتہ:

یادرکھو! اگر بچہ جننے کے بعد عورت کو پانی اور کھجور دے دی جائے تو یہ یقین رکھو کہ وہ بالکل صحت مند ہو جائے گی۔ ہمارے ہاں حلوہ کھلاتے ہیں: جسمیں الائچی اور چیڑ (درخت کا گوند) ڈالتے ہیں اور عورت کو چالیس دن تک گرم کمرے میں رکھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن شریف کے اس قاعدہ پر عمل کریں کہ کھجور اور تازہ پانی دے دیں ان شاء اللہ اس کا اچھا اثر ہوگا، اور میں نے سنا ہے کہ ڈاکٹر بھی پانی اور پھل دیتے ہیں۔

اس تاریخی کھجور اور چشمے کا مقام:

میں نے وہاں پر کسی سے اُس کھجور اور پانی کی جگہ کے بارے میں معلومات حاصل

کیں۔اس جگہ کو اب دیواروں سے گھیر لیا گیا ہے اور اس کے اردگرد چاردیواری بنادی گئی ہے۔وہ کھجور تو اب نہیں ہے، البتہ چشمہ ہے۔عیسائی اس چشمے کا پانی حاصل کرتے ہیں، اس کے ساتھ اور پانی ملاتے ہیں اور بچوں کو اس سے نہلا کر کہتے ہیں کہ یہ ابھی پاک ہو گیا اور سچا عیسائی بن گیا۔قرآن مجید کے پہلے پارہ میں اس کی طرف اشارہ ہے: ﴿صبغة الله ومن أحسن من الله صبغة ونحن له عبدون ٥﴾ [سورة البقرة/۱۳۸] ۔تو یہ ان کا دوسرا بڑا اگرجا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین.

دنیا کی تاریخی بڑی مساجد

سُبحانَکَ لاعِلمَ لَنا اِلّا ما عَلَّمتَنا اِنَّکَ اَنتَ العَلِیمُ الحَکِیم ٥

نَحمَدُہٗ وَنَستَعِینُہٗ وَنَستَغفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیہِ، وَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِن شُرُورِ اَنفُسِنا وَمِن سَیِّئاتِ اَعمالِنا، مَن یَھدِہِ اللّٰہُ فَلا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَن یُضلِلہُ فَلا ھادِیَ لَہٗ، وَنَشھَدُ اَن لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لاشَرِیکَ لَہٗ، وَنَشھَدُ اَنَّ سَیِّدَنا، وَسَنَدَنا، وَحَبِیبَنا، وَشَفِیعَنا، وَرَحمَتَنا، وَمَولانا مُحَمَّدًا عَبدُہٗ وَرَسُولُہٗ.

اَمّا بَعدُ فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ ٥ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ. ﴿ انمایعمر مسٰجد اللہ من ء امن باللہ والیوم الأخر واقام الصلوۃ وء اتیٰ الزکوۃ ولم یخشَ الا اللہ فعسیٰ أولٰئک أن یکونوا من المھتدین ٥ [سورۃ التوبۃ/١٨]

صدق اللہ مولنا العظیم.

درود شریف پڑھیے:

اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا، ونبینا محمد، وعلیٰ ال سیدنا

وبنبینا محمدٍ، وبارک وسلم وصلّ علیه.

میرے قابلِ احترام بزرگو اور عزیز دوستو بھائیو!

پچھلے جمعہ میں نے گھر میں داخل ہونے کے آداب بیان کیے تھے۔ یہ آداب قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک ادب یہ ہے کہ وہ جگہیں جو سُکنیٰ (عمومی رہائش) والی نہ ہوں وہاں بلا اجازت بھی داخل آدمی ہوسکتا ہے۔ جیسے مساجد، مسافرخانہ، بس سٹاپ، ریلوے اسٹیشن کا مسافرخانہ، وغیرہ۔ ان جگہوں میں اجازت طلب کیے بغیر بھی داخل ہونا جائز ہے۔

ان جگہوں میں سے ایک جگہ مسجد ہے۔ مسجد ایک ایسی جگہ ہے جو کسی کی رہائش کی جگہ نہیں ہوتی، اس لیے یہاں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس کے کچھ آداب ضرور ہیں اس لیے مسجد سے متعلق چند امور بیان کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) اول یہ بتانا چاہتا ہوں کہ روئے زمین پر کتنی مساجد ہیں؟

(۲) دوم یہ کہ جو مسجد بناتا ہے اس کا درجہ اور مرتبہ کیا ہے؟

(۳) سوم یہ کہ مسجد کے آداب کیا ہیں؟ مسجد میں کونسے اُمور جائز ہیں اور کونسے جائز نہیں؟

یہ آپ کو اس لیے بتانا چاہتا ہوں کہ مسجد کے ساتھ ہمارا روزانہ واسطہ پڑتا ہے۔ جو شخص جماعت کی نماز کی پابندی کرتا ہے، وہ تو دن میں پانچ مرتبہ مسجد سے واسطہ رکھتا ہے اور جمعہ کے دن کو تو ہر مسلمان کا مسجد سے واسطہ پڑتا ہی ہے۔ (ان لوگوں کا ذکر ہے جو صرف جمعہ کو نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔ نعمانی)

دنیا میں مساجد کی تعداد:

اس وقت روئے زمین پر کتنی مساجد ہیں؟ اور دوسرے اقوام کے عبادت خانے کتنے

ہیں؟

تو اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق (اور یہ رپورٹ دینا بھی انگریزوں کے ہاتھ میں ہے) روئے زمین پر مجموعی طور پر ایک کروڑ پچھتر لاکھ (1,75,00,000) عبادت خانے ہیں۔ ان میں سے ایک کروڑ دولاکھ صرف مسلمانوں کی مساجد ہیں۔ پچاس لاکھ عیسائیوں کے گرجے ہیں۔ اٹھارہ لاکھ ہندوؤں کے مندر ہیں اور باقی پانچ لاکھ چھوٹے چھوٹے مذاہب کے عبادت خانے ہیں۔ جیسے یہود، سکھ، مجوسی (آتش پرست لوگ پارسی کہلاتے ہیں یہ کراچی میں بھی آباد ہیں اور ہندوستان میں بھی) وغیرہ دیگر مذاہب۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے عبادت خانے روئے زمین پر موجود ہر قوم کے عبادت خانوں سے زیادہ ہیں۔ لیکن میرا یہ بھی یقین ہے کہ مساجد کے بارے میں ان کی یہ گنتی صحیح نہیں، اس لیے کہ وہ تو اسلام کے دشمن ہیں۔ مسلمان تو اگر پہاڑ کی چوٹی پر رہتا ہے، تو پھر بھی سب سے پہلے اس کے ساتھ مسجد کی فکر لگی ہوتی ہے، اگر ایک ہی گھر ہو تو وہ بھی اپنے لیے مسجد کا انتظام کرتے ہیں۔ انہوں نے تو صرف وہ مساجد شمار کیے ہیں جو بڑے بڑے شہروں میں ہیں۔ ورنہ گاؤں، قصبوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی مسلمانوں کے عبادت خانے ہیں۔ اگر ان کی شمار کو بھی درست مان لیا جائے تو پھر بھی پوری دنیا کے اقوام سے مسلمانوں کے عبادت خانے زیادہ ہیں اور ہم اس پر الحمد للہ کہتے ہیں۔

اسلام زندہ دین ہے:

اسلام زندہ دین ہے۔ اسی لیے تو انگریز اس سے ڈرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ ہر محاذ پر اسلام کا مقابلہ کریں۔ پیغمبر ﷺ کی ہتک، قرآن پاک کی بے حرمتی، مسلمانوں کی مذہبی

تعلیم سے حقارت پیدا کر کے اور خوبصورت عورتوں، ہسپتالوں اور سکولوں، یونیورسٹیوں کے ذریعے مسلمانوں کی نسلوں کو اسلام سے بیگانہ کرانا چاہتے ہیں۔

لیکن اللہ کا احسان ہے کہ ان دینی مدارس اور تبلیغی جماعت کے بزرگوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کا غیبی مقابلہ کرتے ہیں اور وہ اپنے ان مذموم مقاصد میں ناکام رہتے ہیں۔ وہ جو بھی حرکت کریں اور جو بھی بات کہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ناکام کر لیتے ہیں۔

ان کی گنتی کے مطابق بھی مسلمانوں کے عبادت خانے سب اقوام سے زیادہ ہیں۔ مسلمانوں کے ان عبادت خانوں میں سے چھ بڑی مساجد ہیں۔

سب سے بڑی مسجد ''مسجد الحرام'':

اول بیت اللہ شریف (مسجد الحرام) ہے۔ رُوئے زمین پر اس جیسا کوئی اور عبادت خانہ نہیں۔ میں جب سعودی عرب میں پڑھ رہا تھا مسجد الحرام کی یہ نئی آبادی بن رہی تھی۔ اس میں انہوں نے سات سو مکانات اور دکانیں لے کر شامل کی تھیں اور اب تو مزید توسیع بھی ہو چکی ہے۔ ایک ایک پلر پر دو، ڈھائی لاکھ ریال کا خرچہ آیا ہے۔ ان روحانی عزتوں اور برکتوں کے علاوہ اس کی ظاہری شان وشوکت بھی ایسی ہے کہ دنیا میں کسی بادشاہ کا محل بھی اس جیسا نہیں ہوگا۔ لوگ امریکہ کے صدارتی محل وائٹ ہاؤس کی تعریف کرتے ہیں لیکن اس کی ظاہری خوبصورتی بھی بیت اللہ شریف تک نہیں پہنچ سکتی جبکہ معنوی خوبصورتی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بیت اللہ شریف:

اس مسجد کے اندر بالکل وسط میں بیت اللہ شریف کی عمارت ہے اور بیت اللہ شریف

کی موجودہ تعمیر چار ہزار (۴۰۰۰) سال پرانی ہے۔ کچھ ترمیمات تو اس میں ہوئی ہیں لیکن اس عرصے سے بیت اللہ شریف مسلسل آباد چلا آ رہا ہے۔ اتنی قدیم، خوبصورت اور قیمتی تعمیر رُوئے زمین پر کہیں بھی نہیں۔

دوسری بڑی مسجد ''مسجد نبوی ﷺ'':

اس کے بعد پھر سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مسجد نبوی ﷺ ہے۔ پہلے اس مسجد میں پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) آدمیوں کی گنجائش تھی، اب مدینہ منورہ کا پرانا سارا شہر اس مسجد میں داخل کر دیا گیا ہے اور مسجد کو ایسے طریقے سے بنایا گیا ہے کہ بارہ لاکھ آدمی اس میں سما سکتے ہیں۔ پوری مسجد ائیر کنڈیشنڈ ہے اور اسمیں ایسے گنبد بنائے گئے ہیں کہ وہ رات کو ہٹا لیے جاتے ہیں اور دن کو واپس اپنی جگہ پر لائے جاتے ہیں۔ یہ گنبد پٹڑیوں پر ادھر ادھر چلتے ہیں، رات کو جب ہٹا لیے جاتے ہیں، تو ٹھنڈی اور تازہ ہوا مسجد میں آنے لگتی ہے، مگر دن کو گرمی اور سورج کی تپش کی وجہ سے ان کو دوبارہ بند کر دیا جاتا ہے۔

روئے زمین پر اس جیسی خوبصورت مسجد یا کسی اور مذہب کا عبادت خانہ نہیں۔ اسمیں جب اندر داخل ہو جائیں، تو مسجد ایک خوبصورت دلہن کی طرح دکھائی دے گی۔ روشنی کے خوبصورت قمقمے اور چمک دمک، خوشبودار، ایسی خوشبو کہ وہ اور کہیں نہیں ملے گی اور ایسی راحت وسکون کہ وہ اور کہیں میسر نہیں۔

تاریخ مسجد نبوی ﷺ:

نبی کریم ﷺ نے خود اس مسجد کی بنیاد رکھی تھی، آپ ﷺ کے زمانہ میں دو مرتبہ اس کی تعمیر ہوئی۔ پہلی مرتبہ جب آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی تو مدینہ منورہ میں

اس زمین کے متعلق دریافت کیا کہ یہ زمین کس کی ہے؟ ایک شخص اپنے دو یتیم بھتیجے ساتھ لے کر آیا اور کہا کہ: یہ زمین ان لڑکوں کی ہے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہ زمین مجھے قیمتاً فروخت کر دو۔ وہ کہنے لگے کہ "ہم مسجد کے لیے مفت دیتے ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! ہم ضرور اس کی قیمت ادا کریں گے۔ تو انہوں نے دس اشرفیاں اس کی قیمت مقرر کی۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے یہ قیمت اپنی طرف سے ادا کر دی۔ آپ ﷺ کی یہ مسجد ابوبکر صدیق ؓ کے پیسوں سے خریدی گئی ہے۔ اس وقت یہ مسجد پچاس (۵۰) گز چوڑی اور ساٹھ (۶۰) گز لمبائی میں تھی۔ پھر سات سال بعد جب خیبر فتح ہوا اور مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوئی تو آپ ﷺ نے دوبارہ اس کی تعمیر فرمائی، جس کی چوڑائی سو (۱۰۰) گز اور لمبائی بھی سو (۱۰۰) گز کر دی گئی۔ اب بھی وہاں ستونوں پر لکھا گیا ہے کہ "ھذا حد مسجد النبی ﷺ" یہ حضور پاک ﷺ کے زمانے کی مسجد کے حدود ہیں۔ پھر مختلف بادشاہوں نے مختلف ادوار میں اس کی تعمیر و توسیع کی۔

خلافت راشدہ میں مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر نو:

مسجد نبوی ﷺ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے زمانہ میں بھی مٹی ہی کی بنی ہوئی تھی جس کے اوپر کھجور کے تنوں کی چھت ڈالی گئی تھی، بارش میں اُس سے پانی ٹپکتا رہتا۔ حضرت عمر ؓ نے اپنے زمانہ میں اس کو ذرا وسعت دی اور مٹی ہی کا رہنے دیا۔ اگر آپ حضرات نے دیکھا ہو تو محراب، منبر اور پرانی دیوار کے درمیان کچھ ستون ہیں، اُن ستونوں تک حضرت عمر ؓ نے توسیع کی تھی۔ پھر حضرت عثمان ؓ جب خلیفہ بنے تو آپ ؓ نے سوچا کہ یہ مٹی کی مسجد ہے اور دو تین سال کے بعد اس کی مرمت کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اس لیے میں اس مسجد کو اپنے خرچ سے پختہ تعمیر کرتا ہوں۔ آپ ؓ چونکہ مالدار تھے۔ نیکوکاروں کے ساتھ دولت اچھی ہوتی ہے اور بُرے لوگوں کے

ساتھ بُری، جب فاسق لوگوں کے پاس دولت آتی ہے تو وہ مزید برائی پر اُتر آتے ہیں اور جب نیک لوگوں کے پاس دولت آتی ہے تو وہ نیکی زیادہ کیا کرتے ہیں۔

آپ ؓ نے اُس وقت اٹلی سے پتھر (TILES) منگوائے، ہندوستان کے جنوب کی طرف برما ہے، وہاں سے آپ ؓ نے ساگوان کی لکڑی منگوائی اور آپ ﷺ کی مسجد کو پختہ تعمیر کرا دیا۔ بہت سے مبارک صحابہ ؓ جن کو حضور پاک ﷺ کے نقشہ اور مٹی والی مسجد سے محبت تھی، وہ اس بات سے ناراض تھے۔ انہوں نے آپ ؓ سے کہا کہ: حضرت! مسجد کو مٹی ہی کی بنی رہنے دیں۔ مگر آپ ؓ نے فرمایا کہ: نہیں، بیت اللہ شریف ہمارا قبلہ ہے وہ پتھروں سے بنا ہوا ہے۔ بیت المقدس بھی ہمارا قبلہ رہا ہے وہ بھی پتھروں کا بنا ہوا ہے، اس لیے یہ بھی پتھروں سے بنانا چاہتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں لوگوں کے گھروں کی آبادیاں کچی تھیں اس لیے اگر مسجد بھی کچی تھی تو کوئی عیب کی بات نہ تھی۔ لیکن اب تو آپ نے اپنے گھروں کی آبادیاں پتھروں سے کی بنا دی ہیں، اب بھی اگر مسجد مٹی ہی کی بنی ہوگی تو لوگوں کے دلوں میں اسکی قدر و منزلت میں کمی آئے گی۔ ابھی ہمیں بھی یہ حکم کہ اگر گاؤں کے لوگ مٹی کے گھروں میں رہتے ہوں تو مسجد بھی مٹی ہی کی ہو، لیکن اگر گاؤں کے لوگ اپنے لیے پختہ مضبوط تعمیرات کریں۔ تو پھر مسجد بھی پختہ بنائی جائے تا کہ لوگوں کے دلوں میں اسکی کوئی بے قدری نہ آئے۔ تو حضرت عثمان ؓ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر ؓ و عمر ؓ کے زمانہ میں چونکہ آپ لوگوں کے ساتھ دولت نہ تھی اس لیے گھروں کی تعمیرات بھی کچی تھیں۔ اب آپ نے اپنی تعمیرات پتھروں سے پختہ بنا دی ہیں، تو اب بھی اگر مسجد مٹی ہی کی ہوگی تو یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کا دائرہ اب وسیع ہو گیا ہے اس لیے کہ آپ ؓ کے زمانہ

میں اسلام کابل تک پہنچ گیا تھا اور بخارا، روس وغیرہ کے علاقے بھی فتح ہوئے۔ مصر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوا، اس سے آگے مراکش، الجزائر، لیبیا، موریتانیا وغیرہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتح ہوئے۔ بارہ لاکھ مربع میل حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتح ہوا۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ اب لوگ باہر سے آپ ﷺ کی مسجد کی زیارت کرنے آئیں گے، کہیں مٹی کی مسجد دیکھ کر ان کے ذہن میں کراہت محسوس نہ ہو اور میں نے تو آپ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص جتنی محبت اور اخلاص کے ساتھ مسجد بناتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح سے اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔ تو میں چاہتا ہوں کہ جنت میں میرا گھر خوبصورت ہو اس لیے آپؓ نے اپنے ذاتی رقم سے مسجد کو پختہ تعمیر کیا، حکومت سے ایک پائی بھی نہیں لی۔ اس زمانہ میں اس مسجد کی کوئی مثال نہ تھی۔ اس لیے کہ برما سے ساگوان کی لکڑی منگوانا اور نقش دار ٹائل اٹلی سے منگوانا اور اس کے لیے کاریگر بھی باہر سے منگوانا کوئی چھوٹی بات نہ تھی۔ چھت بھی آپؓ نے تختوں سے بنائی اور اس کو سونے کا پانی چڑھوا دیا۔ ستونوں کو بھی نیچے سونے کا پانی دلوایا اور ایک عجیب وغریب مسجد بنوائی۔

تو آپ ﷺ کی مسجد روئے زمین پر دوسری بڑی مسجد ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اس کی زیارت نصیب فرمائے۔ آمین

تیسری بڑی مسجد "بیت المقدس":

پھر تیسری بڑی مسجد "بیت المقدس" ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس کو یہودیوں کے قبضہ سے آزاد کردے) یہ سب ہماری ایمانی کمزوری اور مسلمان بادشاہوں کی عیش پرستی اور غلامی کا نتیجہ ہے کہ ہم سے بہت سی جگہیں چلی گئیں۔ یہ مسجد تقریباً ساٹھ جریب (۲۴۰ کنال) کے رقبے میں ہوگی۔ اس کے اردگرد برامدہ بنا ہوا ہے اور اس کے دس دروازے ہیں۔ مسلمانوں کو اس میں

داخل ہونے کے لیے ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ آدمی جب اس کے اندر داخل ہو جائے تو اندر عجیب وغریب چیزیں ہیں۔ ایک تو مسجد بنی ہوئی ہے جو مسجد اقصیٰ کہلاتی ہے۔ قرآن کریم کے پندرہویں پارے میں اس کا ذکر ہے ﴿سبحٰن الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہٗ ...... الخ. یہ مسجد ایسی بنی ہوئی ہے کہ اس کی چوڑائی کم ہے جبکہ لمبائی زیادہ۔ یہ اس جگہ بنی ہوئی ہے جہاں حضرت سلیمانؑ نے عبادت خانہ بنوایا تھا۔ اس کی چوڑائی چھ ستونوں کی ہے اور لمبائی ۲۲ ستونوں کی۔ پھر اس مسجد کے اندر ایک منبر پڑا ہوا ہے اور ایک محراب بھی موجود ہے، جس کے اردگرد لکڑی لگی ہوئی ہے۔ لبنان میں ایک درخت ہوتا ہے جس کو وہ لوگ شجرۃ الارض کہتے ہیں۔ یہ اتنے موٹائی کے ہوتے ہیں جیسے ہمارے کوہستان وغیرہ میں چیڑ کے موٹے درخت ہوتے ہیں۔

مسجد اقصیٰ کے عجائبات:

صرف ایک کھجور کے تنے سے محراب بنایا گیا ہے اور عجیب اور حیرت کی بات یہ ہے کہ نہ تو اس میں کسی لکڑی کا ٹکڑا لگا ہوا ہے، نہ ہی کوئی کیل لگائی گئی ہے۔ ایک ہی لکڑی سے محراب کو تراشا گیا ہے اور وہ محراب ایسا تازہ ہے جیسے ابھی بنایا گیا ہو۔ یہودیوں نے کئی مرتبہ کوشش کی کہ کسی بہانے سے اس کو جلا دیں، دو تین مرتبہ اس پر حملے کر چکے ہیں لیکن ابھی تک جلا نہ سکے اور اللہ تعالیٰ ان کو یہ توفیق بھی نہ دے۔ اس مسجد میں ٹائلز لگے ہوئے ہیں اندر داخل ہو کر جب بائیں جانب دیکھو تو ایسے ٹائیل ہیں کہ دور سے انہیں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا چہرہ دکھائی دیتا ہے۔ قریب جا کر دیکھو تو سفید سنگِ مرمر ہے، مگر اس میں قدرتی طور پر ایسی لکیریں ہیں کہ اُن کی شکل اس میں سے اُبھر کر نظر آتی ہے اور اس طرح سے ہے کہ آدمی جب زیادہ

قریب ہو جائے تو پھر نظر نہیں آتا لیکن تھوڑی دور سے دیکھنے پر سلطان کا چہرہ اسمیں صاف دکھائی دیتا ہے۔ ان کا سینہ مبارک، ان کا چہرہ، ان کی پگڑی اور داڑھی نظر آجاتی ہے۔ لوگ حیرانگی سے یہ منظر دیکھتے ہیں اور فوٹو نکالتے ہیں۔ میں نے وہاں پر سات دن گزارے ہیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی، ایک غیرتی بادشاہ:

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ ایک غیرتی بادشاہ گزرے ہیں۔ مسلمان اگر غیرتی ہو تو وہ بہت ہی اچھا ہوتا ہے۔ سچ کہتا ہوں کہ میں نے جتنے صدر اور بادشاہ دیکھے ہیں ان میں سب سے زیادہ غیرتی افغانستان کے صدر امیر المؤمنین محمد عمر صاحب تھے۔ یقیناً وہ بے اندازہ غیرتی اور دین کا مجسمہ تھے۔ ان کفار اور انگریزوں کی بالکل پرواہ نہیں رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ کفار ہمارا اور کیا کرلیں گے؟ زیادہ سے زیادہ شہید ہی کرلیں گے، مسلمان کی تو شہادت میں بھی کامیابی ہے۔ قسمیہ کہتا ہوں: میں تو ان صدور کو اُن کے پاؤں کی دھول کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔ بہت غیرتی انسان تھے۔ میری خود ان سے دو تین مرتبہ ملاقات ہوئی اور ان سے غیرت کی یہ باتیں سنی ہیں۔

تو سلطان صلاح الدین ایوبیؒ بے انتہا غیرتی بادشاہ تھے۔ بیت المقدس پر ایک زمانہ میں انگریزوں نے قبضہ کیا تھا اس لیے کہ یہ ایک ایسا شہر ہے کہ مسلمان بھی اس پر دعویٰ کرتے ہیں، عیسائی بھی اور یہودی بھی۔ مسلمان کہتے ہیں کہ یہ سترہ ماہ ہمارا قبلہ رہا ہے اور حضور پاک ﷺ یہاں سے اوپر آسمانوں پر تشریف لے گئے ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ ہمارا قبلہ ہے جبکہ یہودی بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ ہمارا قبلہ ہے۔ وہاں پر ایک دیوار ہے جسے ''دیوار گریہ'' کہتے ہیں، عربی میں اسے ''جدار المبکاء'' کہتے ہیں۔ یہودی آکر اس دیوار کے پاس بیٹھتے ہیں اور

روتے رہتے ہیں۔ یہ تینوں قومیں بیت المقدس کی عزت کرتی ہیں اور ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ یہ ہمارے قبضہ میں آجائے۔ اس کو ایک زمانہ میں عیسائیوں نے مسلمانوں سے قبضہ کیا ہوا تھا۔

صلاح الدین ایوبی کُرد بادشاہ ہیں۔ کُرد اب بھی بہت بہادر قوم ہے لیکن بادشاہوں نے ان کو تقسیم کردیا ہے۔ یہ لوگ کچھ عراق میں ہیں کچھ ترک میں ہیں، کچھ لبنان میں اور کچھ ایران میں۔ ورنہ ان کی یہ کوشش ہے کہ ہم اپنی ایک حکومت بنائیں اور اپنی ساری قوم کو اکٹھا کرلیں لیکن کوئی انکے منصوبہ کو کامیاب ہونے نہیں دیتا، نہ عراق، نہ ترک، نہ ایران، اور نہ لبنان۔ یہ بہت غیرتی قوم ہے۔ شافعی المذھب ہیں۔ بالکل کٹر پٹھان کی طرح اپنی بات پر اکڑ جاتے ہیں۔ ان کا لباس وغیرہ بھی سیدھا سادہ سا ہے۔ سلطان کا تعلق بھی اسی قوم سے تھا۔ انہوں نے کہا کہ ''انگریز کیسے آکر ہم سے بیت المقدس قبضہ کرتا ہے؟ آپؒ نے بہت سی چیزیں اپنے آپ پر حرام کردیں کہ یہ یہ چیزیں نہیں کھاؤں گا اور بستر پر بھی نہیں سوؤں گا، جب تک بیت المقدس آزاد نہ کرلوں۔ پوری دنیا کے عیسائی اس کے خلاف ہوگئے اور انہوں نے اکٹھے ہوکر آپؒ کا مقابلہ کیا۔ یہ صلیبی جنگیں کہلاتی ہیں۔ صلیب ان کا وہ نشان ہے جو وہ گرجوں اور قبروں پر لگاتے ہیں۔ سب پادری صلیب اُٹھائے ہوئے جنگ میں حصہ لیتے سب اکٹھے ہوکر لڑ رہے تھے، مگر آپؒ کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

آستین کے سانپ:

ایران میں اس وقت شیعوں کی حکومت تھی۔ یہ آغا خانی اب بھی کوشش کر رہے ہیں کہ گلگت اور چترال میں اپنی ریاست بنائیں۔ اس وقت بھی یہ لوگ انگریزوں کے ساتھ تھے۔

آپؒ نے ان سے کہا: کہ میری جاسوسی نہ کیا کرو، مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ۔تم تو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو، جب خود نہیں لڑتے تو مجھے تو لڑنے دو“۔مگر یہ بہانے کیا کرتے تھے۔اب بھی ان کی یہی کوشش ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو فتح دی۔سب انگریزوں نے شکست فاش کھائی۔اب بھی انگریز وہ تاریخی جنگیں یاد کیا کرتے ہیں اور بش خبیث بھی جب عراق اور افغانستان پر حملہ کرنے لگا تھا تو اس نے کہا تھا کہ یہ کراسنگ (کروسیڈ صلیبی) جنگ ہے۔

زبان دراز جرنیل کی عبرت ناک سزا:

جب صلاح الدین کو فتح حاصل ہوئی تو آپ نے عام معافی کا اعلان کیا۔لیکن کہا کہ ان انگریزوں کا ایک جرنیل ہے اس کو میں خود سزا دوں گا اور اس کی زبان کاٹوں گا اور یہ اس لیے کہ اس نے کہا تھا کہ ”صلاح الدین! تم بیت المقدس کی فکر کر رہے ہو، ہم تم سے مکہ اور مدینہ بھی لے رہے ہیں“۔تو آپؒ نے فرمایا کہ میں اس زبان کو اپنے ہاتھوں سے کاٹتا ہوں تا کہ پھر کوئی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا نام بری نیت سے نہ لے۔

آپؒ نے اس کو بلایا اور اسکی زبان کاٹ کر تلوار سے اس کا سر اڑا دیا۔فرمایا کہ مسلمان زندہ ہوگا اور کوئی ”مکہ، مدینہ“ کا نام بری نیت سے لے گا......؟ باقی سب کو معاف کر دیا۔سلطان کی قبر مبارک شام میں ہے۔ساتھ ہی آپ کے والد بھی مدفون ہیں۔انگریز نے جب دوبارہ ہماری اپنی قوم کے غداروں کی وجہ سے بیت المقدس پر قبضہ کیا تو سلطان کی قبر پہ ایک فرانسیسی جرنیل نے چھلانگیں لگائیں اور کہا کہ ”صلاح الدین! ہم دوبارہ آگئے ہیں“

اللہ تعالیٰ ایک اور صلاح الدین کو پیدا فرما دے۔ہمارے یہ صدر، وزیر، امریکہ اور یورپ کے بل ڈاگ (Bull Dog) کتے ہیں۔اپنی کرسی کی خاطر سب کچھ داؤ پر لگاتے

ہیں۔کرسی ہے کیا چیز؟ ان کی تو طوطے کی طرح زندگی ہے۔واش روم بھی اکیلے نہیں جا سکتے۔ڈاکٹروں کی چیک اپ کے بغیر کھانا نہیں کھا سکے، یہ کیا زندگی ہے؟ لوگ ان کو خوشحال سمجھتے ہیں، کیا خوشی اس طرح کی ہوتی ہے؟ اگر یہ لوگ تھوڑی بھی غیرت پیدا کریں تو خود بخود آزاد ہو جائیں گے۔لیکن جب آدمی خود غلام کا غلام بنتا ہے تو پھر ہر کسی سے ڈرتا رہتا ہے۔پھر بلی سے بھی ڈرتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا عدل وانصاف:

صلاح الدین ایوبیؒ نے صرف ایک جنرل کو خود سزا دی، اس طرح بیت المقدس کو آزاد کر دیا۔حضرت عمرؓ نے اس کو جب ۱۷ھ میں فتح کیا تھا تو آپ میں اتنی رحمدلی تھی کہ آپ نے اس وقت کہا تھا کہ ”عبادت سب اقوام اپنی اپنی کریں لیکن حکومت اسپر مسلمانوں کی ہوگی“

اسی وقت عیسائیوں کے رہنما کا نام ”سفندیودس“ تھا۔وہ خود آپؓ کو اپنے گرجے لے گیا۔وہ گرجا اب بھی موجود ہے اور اس کو ”قیامت کا گرجا“ کہتے ہیں۔میں خود دو مرتبہ وہاں گیا ہوں۔اس نے آپؓ کو اس گرجا گھر کی سیر کرائی، اس دوران نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔اس پادری نے کہا کہ ”حضرت! یہیں پڑھ لیجیے“۔آپؓ نے فرمایا کہ نہیں۔اگر میں یہاں نماز پڑھ لوں تو مجھے خدشہ ہے کہ مسلمان یہ تم سے قبضہ کر لیں گے کہ ہمارے خلیفہ نے یہاں نماز پڑھی تھی اور چونکہ میں نے تو تمہارے ساتھ معاہدہ کیا ہے کہ تم سے تمہارے عبادت خانے کوئی نہیں لے گا۔

آپؓ باہر نکلے اور باہر نماز ادا کی۔اس گرجے کے سامنے حضرت مریمؑ کا گھر تھا آپؓ

نے وہاں نماز پڑھی۔اب وہاں ایک بڑی مسجد بنی ہوئی ہے۔جسکا نام جامع عمرؓ بن خطاب ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین.

معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
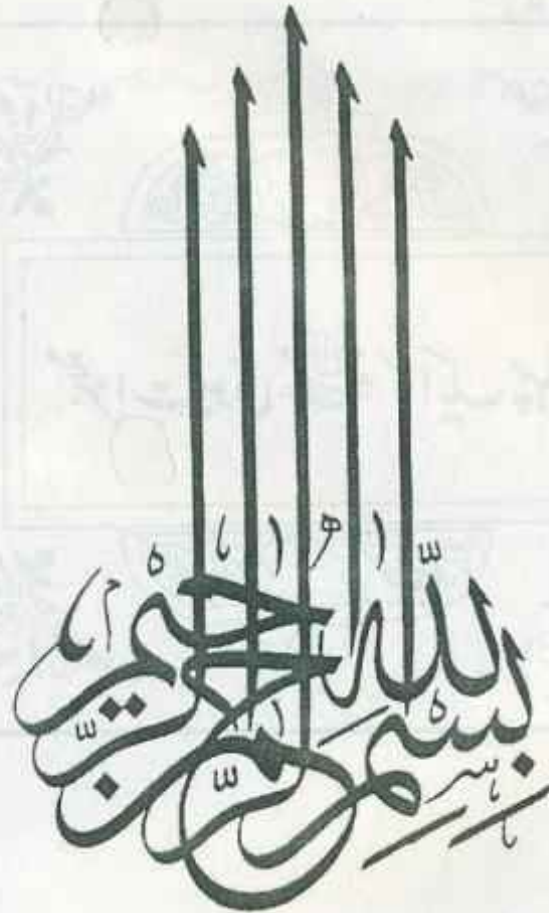
کا ایک پہلو

سُبْحَانَکَ لَاعِلْمَ لَنَآاِلَّامَاعَلَّمْتَنَااِنَّکَ أَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْم ٥

نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا،مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ،وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ،وَنَشْهَدُاَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ،وَنَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا، وَسَنَدَنَا، وَحَبِيْبَنَا، وَشَفِيْعَنَا،وَرَحْمَتَنَا،وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًاعَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. ﴿ ربّنا وابعث فيهم رسولاً منهم يتلوا عليهم ء اياتک ويعلمهم الكتٰب و الحكمة ويز كيهم انک أنت العزيز الحكيم ٥

[سورة البقرة/ ۱۲۹]

صدق اللّٰه مولٰنا العظيم.

درود شریف پڑھیے:

اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا، ونبینا محمدٍ، وعلیٰ اٰل سیدنا ونبینا محمدٍ، وبارک وسلم وصلّ علیه.

میرے عزتمند بزرگو اور محترم دوستو بھائیو!

سیدالکائنات کی سیرتِ مطہرہ کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے معجزات کا بیان شروع کیا ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری:

اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر ﷺ کو ہر اُس معجزہ کا نمونہ دیا ہے جو دوسرے انبیاءؑ کو دیے گئے تھے یا اس سے بھی بہترین طرز میں آپ ﷺ کو معجزات عطا فرمائیں ہیں۔ ہمارے پیغمبر ﷺ جامع الکمالات ہیں۔ آپ ﷺ تمام انبیاءؑ کی تعلیمات، ان کی صفات اور ان کے معجزات کے جامع ہیں۔

حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے یہ بڑا مرتبہ اور معجزہ عطا فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب ملائکہ کو حکم دیا کہ ان کے سامنے سجدہ ریز ہوں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: واذقلنا للملائکة اسجدوا لأدم.........الخ چنانچہ سب ملائکہ نے آپ ﷺ کی طرف سجدہ کیا۔ یہ سجدہ تعظیمی تھا، عبادت کا نہیں اس لیے کہ عبادت کا سجدہ صرف خدا تعالیٰ کے لیے کیا جاتا ہے۔ یہ سجدہ تعظیم اور آپ علیہ السلام کی خلافت اور عظمت کو منوانے کے لیے تھا۔ اس سے صرف شیطان خبیث نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ: یہ تو مٹی سے بنایا گیا انسان ہے اور میں تو آگ سے بنایا گیا ہوں اور آگ نوری چیز ہے، تو میں خاکی اور بشری چیز کے سامنے کیونکر سجدہ ریز ہو سکتی ہے، ﴿أأسجد

لمن خلقت طیناً ''۔ ملائکہ کا یہ سجدۂ تعظیم، ثناء اور اس غلطی کا کفارہ تھا جو ملائکہ سے آپؐ کے حق میں مشورہ دیتے ہوئے ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی عظمت کے اثبات کے لیے ان کو سجدے کا حکم دیا یہ سجدہ تعظیمی تھا اور اللہ کے حکم سے تھا۔ پہلے زمانہ میں بادشاہوں اور انبیاءؑ کو بھی سجدہ کیا جاتا تھا۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں اور والدین نے ان کو سجدہ کیا تھا اس کا ذکر بھی قرآن کریم میں ہے۔ یہ بھی سجدہ تعظیمی تھا۔ حضرت آدمؑ کو ملائکہ نے جو سجدہ کیا یہ بھی حقیقت میں آپؐ کی تعریف، ثناء اور حمد کے لیے تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے معجزہ کی نظیر:

اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر ﷺ کو یہ عزت بخشی ہے کہ اُمت کو قیامت تک آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ درود شریف بھی ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ کی ثنا اور تعریف ہے اور آپ ﷺ کی بلندی اور عظمت کا اقرار ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک درخواست ہے کہ: یا اللہ! ہم تو ان کے مرتبہ اور ان کی شان کے مناسب ان کی تعظیم نہیں کر سکتے، یا اللہ! آپ ان پر ان کی شان کے مناسب رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائیں۔ درود میں ہم کہتے ہیں: ''اللّٰھم صل علی محمد '' یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر رحمتیں نازل فرما۔ ہماری طرف سے جو دعا ہے وہ ان کی شان کے لائق نہیں۔ اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ ان پر رحمتیں نازل فرما۔ یہ درود ایک تعظیم اور ثنا ہے۔ ایسی تعریف کہ اس میں خود اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں اور ملائکہ بھی شامل ہیں اور قیامت تک آنے والی پوری امت بھی۔

درود شریف کی شکل میں آپ ﷺ کی یہ تعظیم حضرت آدم علیہ السلام کی اُس تعظیم سے بڑھ کر ہے جو فرشتوں کے ذریعہ سجدۂ تعظیمی کی شکل میں ان کو ملی تھی، اس لیے کہ جس عمل میں

اللہ تعالیٰ خود اپنی شان کے مناسب موجود ہوں اور اس میں ملائکہ بھی شریک ہوں ﴿ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی ''اللہ تعالیٰ خاص رحمتیں برساتا ہے اور ملائکہ ثنا پڑھتے ہیں، اس پیارے پیغمبر ﷺ پر۔ ﴿یاأیھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما'' اے مومنو! تم بھی اس پر صلوٰۃ وسلام پڑھو۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو بھی شریک کیا اور ملائکہ کو بھی اور قیامت تک آنے والی امت سے بھی مطالبہ کیا ہے کہ تم بھی صلوٰۃ وسلام پڑھا کرو۔ حضرت آدمؑ کی طرف سجدہ ایک ہی مرتبہ ہوا تھا۔ وہ تعظیم اور ثنا ایک ہی مرتبہ ادا کی گئی تھی، جبکہ یہ درود شریف قیامت تک کے لیے ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ثنا اور تعریف صرف ملائکہ کی طرف سے تھی، جبکہ درود شریف میں اللہ تعالیٰ خود بھی شامل ہیں اور ملائکہ کو بھی شامل کیا ہے اور پوری امت سے بھی تقاضہ کیا ہے۔ چنانچہ آپؐ پر جو درود پڑھا جاتا ہے یہ اس سجدہ تعظیمی سے کئی گنا زیادہ ہے جو حضرت آدمؑ کی طرف کی گئی تھی۔ وہ تو ایک موقع تھا جو گزر چکا، جبکہ یہ قیامت تک برقرار رہے گا۔

کسی پیغمبرؑ پر اس کی کتاب میں اس طرح کے درود کا ذکر نہیں۔ نہ ان کی امتوں سے کبھی مطالبہ ہوا ہے۔ نہ انجیل میں نہ توراۃ میں اور نہ ہی کسی اور کتاب میں درود کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جبکہ ہماری کتاب میں ہم سے درود شریف کا مطالبہ ہوا ہے اور خدا فرماتے ہیں کہ میں خود بھی درود پڑھتا ہوں، میرے ملائکہ بھی پڑھتے ہیں لہذا تم بھی پڑھا کرو۔ اس سے زیادہ تعظیم حمد اور تعریف دنیا جہاں میں کسی پیغمبرؑ کی نہیں کی گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ اور اس کی نظیر:

حضرت ابرہیمؑ کا معجزہ تھا کہ ان کو کفار نے آگ میں ڈالا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم

آیا کہ ﴿ینار کونی بردا وسلما علی ابراھیم'' اے آگ! حضرت ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔ چنانچہ یہ آگ آپؑ کے لیے ٹھنڈی اور گلزار بن گئی۔ سید الکائنات ﷺ کو۔ اللہ کا شکر ہے کہ۔ کسی نے آگ میں نہیں ڈالا لیکن آپ ﷺ کے ایک خادم حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ ایک رومال ہے جس سے آپ ﷺ منہ ہاتھ صاف کیا کرتے تھے۔ یہ رومال میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ جب یہ رومال میلا ہو جاتا ہے تو میں اس کو کسی تنور میں ڈال لیتا ہوں۔ پھر اس کو جب نکالتا ہوں تو وہ خوب صاف ستھرا نکل آتا ہے اور سب میل کچیل ختم ہو چکا ہوتا ہے۔

اندازہ لگائیں حضور ﷺ کے استعمال کے ایک رومال کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بخشا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات:

حضرت موسیٰؑ کو معجزہ میں عصا ملا تھا۔ قرآن کریم میں بھی اس کا تذکرہ ہے کہ ساحروں نے جب اپنی رسیوں سے سانپ بنائے تو آپؑ نے اپنی لاٹھی زمین پر پھینکی جس سے وہ لاٹھی اژدھا بن گئی اور اس نے سارے سانپ نگل لیے۔ یہ واقعہ ایک بڑے مقابلے میں پیش آیا تھا۔ اسی طرح آپؑ جب پتھر کو لاٹھی سے مارتے تو اس سے پانی جاری ہو جاتا۔ انکا ایک اور معجزہ یہ تھا کہ آپؑ جب بغل میں ہاتھ ڈال دیتے اور پھر اس کو نکال لیتے تو وہ روشن اور چمکدار بن جاتا تھا۔

''استوانہ حنانہ'' عصاءِ موسیٰ علیہ السلام کی نظیر:

ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ کو بھی اللہ نے اس جیسے معجزے عطا فرمائے تھے۔ مسجد نبوی ﷺ میں کھجور کا ایک خشک تنا تھا جس کے ساتھ ٹیک لگا کر آپ ﷺ خطبہ پڑھا کرتے

تھے۔ آپ ﷺ کی مسجد لکڑیوں کی بنی ہوئی تھی۔ چھت پر مٹی ڈالی گئی تھی لیکن لیپائی پائیدار نہ تھی اس لیے بارش کے دوران اُس سے پانی نیچے ٹپکتا رہتا تھا۔ آپ ﷺ بیٹھ کر خطبہ دیتے پھر جب لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تو کھڑے ہو کر کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دینے لگے۔

ایک صحابیہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگی کہ میرا ایک غلام ہے جو بڑھئی کا کام کرتا ہے۔ آپ ﷺ کی اجازت ہو تو آپ کے لیے ایک منبر بنوا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بہت اچھا۔ اس نے آپ ﷺ کے لیے جھاؤ کی لکڑی سے منبر بنوا دیا۔ اُحد پہاڑ کے پیچھے ایک جنگل تھا جہاں اب تو گھر آباد ہو چکے ہیں لیکن اس وقت اس جنگل میں جھاؤ کے درخت تھے۔ وہاں دو قسم کے جھاؤ ہوتے ہیں، ایک جنگلی اور ایک فارمی قسم کے۔ فارمی جھاؤ سرو کے درخت کی طرح خوبصورت سرسبز ہوتا ہے۔ اُس وقت تو جنگلی جھاؤ ہی ہوا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے لیے تین سیڑھیوں والا منبر بنایا گیا اور مسجد نبوی میں لا کر رکھ دیا گیا۔

آپ ﷺ جمعہ کے دن اس کھجور کے تنے کو جب چھوڑ کر منبر پر تشریف لے گئے تو اس تنے سے رونے کی آوازیں آنے لگیں اور ایسا رونا رو رہا تھا جیسے مرضعہ (دودھ پلانے والی) اُونٹنی بچے کے پیچھے روتی ہے۔ سب جانوروں میں اپنے بچوں سے زیادہ محبت رکھنے والا جانور اُونٹنی ہے۔ اونٹنی اپنے بچوں کے پیچھے باقاعدہ رویا کرتی ہے۔ آپ ﷺ کے جدا ہونے پر درخت کا وہ تنا بھی اونٹنی کی طرح رونے لگا۔ وہاں پر بیٹھے ہوئے سب صحابہؓ نے اُس کے رونے کو سنا۔ آپ ﷺ اس تنے کے قریب آئے اور اس پر اپنا دست شفقت رکھ لیا جس سے وہ خاموش ہو گیا۔ تو اس خشک درخت نے ایسا کام کیا، جیسا کہ عاشق معشوق کی جدائی پر کرتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی تو اژدھا کا کام دیتی تھی جو کہ ایک حیوان ہے، جبکہ اس تنے نے آپ ﷺ کی

جدائی پر عاشقوں کی طرح کا کام کیا۔ سمجھدار محب اور سچے عاشق کی طرح رونے لگ گیا تھا اس لیے یہ معجزہ اس معجزہ سے عجیب تر ہے۔ پھر یہ کہ آپ ﷺ نے اس کے ساتھ باتیں بھی کی تھیں۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تھا کہ اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہیں یہاں دوبارہ بو دوں گا پھر تم قیامت تک سرسبز و شاداب رہو گے اور لوگ تم سے پھل کھائیں گے، پھل ختم بھی نہ ہوں گے اور اگر جنت میں جانا چاہو تو میں یہاں تم کو دفن کر دیتا ہوں۔ اس نے دوسری رائے منظور کر لی۔ اب بھی مسجد نبوی ﷺ میں منبر نبوی ﷺ کے پیچھے ایک ستون ہے، اس ستون اور منبر کے درمیان زمین میں اس کو دفن کر دیا۔ اس ستون کا نام ”استوانة حنانه“ رکھا گیا ہے۔

وہ چیزیں جو جنت جائیں گی:

انسانوں کے علاوہ دنیا کی بعض اور چیزیں بھی جنت میں جائیں گی ان میں سے ایک کھجور کا یہ تنا بھی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کا عصا، اصحاب کہف کا کتا، احد کا پہاڑ، اور ریاض الجنۃ کی زمین یہ سب جنت میں جائیں گے۔

کھجور کے اس تنے نے عجیب و غریب کام کیا۔ بعض فلاسفروں نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک لکڑی کیسے رو سکتی ہے؟ جنہوں نے معجزے نہ دیکھے ہوں ان کو یہ کام ناممکن سا نظر آتا ہے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں اس کا جواب دیا ہے:

فلسفی کو منکر حنانہ است
از حواس انبیا، بیگانہ است
فلسفی گوید ز معقولات دوں
عقل از دہلیز مے ناید بروں

فلسفی جب یہ کہتے ہیں کہ لکڑی کیسے رونے لگی تو یہ لوگ انبیاءؑ کے معجزات سے ناواقف ہیں۔ آپ ﷺ کو پتھروں نے بھی سلام کیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ میں ایک ایسے پتھر کو بھی جانتا ہوں جو نبوت سے پہلے بھی جب میں اس پر گزرتا تو مجھے سلام کہتا۔

عصاءِ موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا کرشمہ:

میں نے عرض کیا کہ یہ تنا اس عصا سے عجیب معجزہ تھا۔ اسی طرح اس عصا کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ جب حضرت موسیٰؑ عصا کو پتھر پر مارتے تو پتھر سے چشمے ابلنے لگتے تھے۔ قرآن کریم میں بھی اس کا دو مرتبہ تذکرہ آیا ہے۔ جس صحراء میں حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل ٹھہرے ہوئے تھے یعنی صحرائے سینا، میں خود وہاں جا چکا ہوں۔ وہ سمندر کے کنارے ایک دشت وبیاباں ہے جس میں خالص ریت ہی ریت ہے۔ اب یہ دو حصوں میں تقسیم ہے، جنوبی حصہ اور شمالی حصہ۔ اسمیں پانی بالکل نہیں ہے۔ بنی اسرائیل جب اس میں زندگی گزار رہے تھے تو ان کو پانی کی تکلیف ہوا کرتی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ حضرت موسیٰؑ کو دے دیا تھا کہ جب آپؑ عصا کو پتھر پر مارتے تو اس پتھر میں سے پانی ابلنے لگتا۔

اس معجزہ کی نظیر:

آپ ﷺ کا معجزہ تھا کہ آپ ﷺ کے ہاتھوں سے پانی جاری ہوتا تھا۔ کئی مواقع پر اس طرح ہوا۔ عرب کی سرزمین جنھوں نے دیکھی ہو، وہ وہاں کی سختی سے واقف ہونگے۔ وہاں پر گرم پتھر اور گرم ریت ہوتی ہے۔ دور دور تک کوئی حیوان یا کوئی سبزہ وغیرہ نظر نہیں آتا۔ آجکل راستہ میں سڑکیں اور ہوٹل بنے ہوئے ہیں لیکن اب بھی ہوٹلوں اور سڑکوں کے اردگرد ری سرخ مٹی ہے، جو کالے پتھروں سے بھری ہوئی ہے۔

اُس زمانے میں کئی مرتبہ جہاد کے دوران پانی ختم ہوجاتا تو آپ ﷺ ارشاد فرماتے کہ ایک برتن میں پانی دے دو۔ پانی لایا جاتا تو آپ ﷺ اس میں اپنا ہاتھ مبارک رکھ لیتے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک سے پانی جاری ہوجاتا۔ پھر اس وقت جتنے صحابہ ہوتے۔ اسّی (۸۰)، سو (۱۰۰)، دوسو (۲۰۰)، ہزار (۱۰۰۰) یا جتنے بھی ہوتے سب اس سے سیراب ہوجاتے۔ ایک موقع پر پندرہ سو (۱۵۰۰) صحابہ کرامؓ تھے اور اُس موقع پر کفار مکہ کے ساتھ صلح کی بات چیت ہورہی تھی۔ اس جگہ کو حدیبیہ کہا جاتا تھا۔ اب اس جگہ کو شمیسی کہا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ جاتے وقت راستے میں جہاں رحل کی شکل کا ایک پُل بنا ہے، اس کے ساتھ ایک راستہ جاتا ہے شمیسی کی طرف۔ اب اس جگہ پر ایک گاؤں آباد ہے جسے "حی المجاہدین" کہتے ہیں۔ جب آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ اس جگہ ٹھہرے ہوئے تھے تو وہاں پانی نہ تھا۔ اب بھی مکہ مکرمہ میں زمزم کے علاوہ کوئی پانی زمین سے نہیں نکلتا، باہر دوسری جگہوں سے لایا جاتا ہے۔ اس سرزمین میں پانی بہت ہی کم ہوتا ہے اور جہاں پانی کم ملتا ہو تو وہاں پانی کا پیدا ہونا ایک بڑا معجزہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہاں پانی کی ضرورت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ایسی جگہ جہاں پانی یا کھانے کی چیزوں کی قلت ہو، وہاں اگر پورا پہاڑ بھی سونے کا بنا دیا جائے تو اس کا کیا فائدہ؟ سونے کو تو کھایا نہیں جاسکتا۔ بھوکے کے لیے اُس وقت ایک روٹی سونے کے پہاڑ سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔

تو آپ ﷺ سے مختلف جگہوں میں اس قسم کے معجزات ظاہر ہوئے۔ جتنے صحابہؓ ہوتے وہ خود بھی سیراب ہوجاتے۔ جانوروں کو بھی پلادیتے، غسل اور وضو بھی کرلیا کرتے اور اپنے مشک بھی پانی سے بھر لیتے، پھر بھی اُس برتن کا پانی ختم نہ ہوتا تھا۔ تو پتھر سے پانی کا نکلنا تو اتنا

عجیب نہیں اس لیے کہ پہاڑوں میں پتھروں سے پانی نکلتا ہی ہے لیکن ہاتھ سے پانی کا نکلنا، پانچوں انگلیوں سے پانچ چشموں کا جاری ہونا؛ یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔

ید بیضاء کا نمونہ:

حضرت موسیٰؑ کا ایک اور معجزہ تھا کہ وہ بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالتے تو وہ روشن اور چمکدار ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے ایک صحابی طفیل بن عمرو دوسیؓ کو یمن کی طرف تبلیغ کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ: اپنی قوم "بنی دوس" کو دین کی تبلیغ کیا کرو۔ آپؓ نے عرض کیا کہ: حضرت! اگر وہ مجھ سے کوئی نشانی طلب کرلیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی پیشانی پر اپنا ہاتھ پھیر لیا کرو۔ اس سے تمہاری پیشانی روشن ہو جایا کرے گی اور جب اس کو ختم کرنا چاہو تو پھر اس پر دوبارہ ہاتھ پھیر لیا کرو وہ اپنی پہلی حالت پر آجائیگی۔

تو آپ ﷺ کے صحابیؓ کو اللہ تعالیٰ نے یہ عزت بخشی تھی کہ اس کی پیشانی روشن ہو جایا کرتی تھی۔ یمن والے آپؓ سے نشانی طلب کرتے تھے اس لیے کہ یمن حجاز سے بہت دور تھا اور اس وقت مواصلات کا کوئی انتظام بھی نہ تھا۔ تو وہ جب بھی آپؓ سے نشانی طلب کرتے، آپؓ پیشانی پر ہاتھ پھیرتے وہ روشن اور چمکدار بن جاتی، پھر اس پر دوبارہ ہاتھ پھیرتے تو وہ اپنی حالت پر آجاتی۔ تو ہر پیغمبرؑ کے معجزات کی طرح آپ ﷺ کو معجزات دیے گئے تھے۔

معجزاتِ عیسیٰ علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ آپؑ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ یہ آپؑ کا معجزہ تھا۔ آپؑ نے چار مردوں کو زندہ کیا تھا اور آپؑ کا معجزہ تھا کہ ابرص کے مریضوں پر ہاتھ پھیرتے تو وہ صحت یاب ہو جاتے، اور مادرزاد اندھے لوگوں کی آنکھوں پر ہاتھ

پھیرتے تو وہ فوراً بینا ہو جاتے۔ چونکہ اس وقت طب اور حکمت کا غلبہ تھا، اس لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے معجزے دیے تھے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔

آپ ﷺ کا اللہ کے حکم سے مردہ کو زندہ کرنا:

ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ کے پاس ایک بڑھیا آئی جس کی کنیت "ام مجن" تھی۔ کہنے لگی کہ حضرت! میرا صرف ایک ہی بیٹا تھا جو مر گیا ہے۔ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ کر دے۔ آپ ﷺ نے پہلے تو اس کو نصیحت کی کہ موت برحق ہے، صبر کیا کرو۔ مگر وہ کہنے لگی کہ حضرت مجھ سے صبر نہیں ہوتا، میں اس کی وجہ سے مری جا رہی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: وہ کہاں ہے؟ وہ کہنے لگی کہ: گھر میں پڑا ہوا ہے۔ آپ ﷺ وہاں پر تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا کہ: "اللہ کے حکم سے زندہ ہو جا" اس نے خود اپنے آپ سے چادر ہٹائی اور سیدھا کھڑا ہو گیا اور پھر اس کو اللہ نے بہت زیادہ عمر دی۔ پھر وہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ایک جہاد میں شہید ہوئے۔

مردہ دلوں کو جلا بخشنا:

یہ تو ظاہری موت سے زندگی کا معجزہ تھا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے کتنے مردہ دلوں کو جلا بخشی۔ عرب کے اُن سخت کافر اور سخت جاہل لوگوں کے دلوں کو زندہ کیا۔ عرب کے زمانہ جاہلیت کے قصے اگر سنانا شروع کردوں تو حیران رہ جاؤ گے۔ اس سے زیادہ جاہل قوم اور کونسی ہوگی جو خود اپنی بیٹیوں کو زندہ در گور کرتی ہو۔ جو لباس اتار کر بالکل برہنہ ہو کر خانۂ کعبہ کا طواف کرتی ہو اور وہ بھی مرد عورت اکٹھے ہو کر۔ تو ان سے زیادہ جاہل اور کون ہو سکتا ہے۔ لوٹ مار ان کا پیشہ ہوا کرتا تھا۔

اپنے خداؤں کو کھا جانا:

ایک صحابیؓ تھے جو ایمان لانے کے بعد آپ ﷺ کو اپنی جاہلیت کے قصے سنایا کرتے تھے۔ اس نے ایک مرتبہ آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم اتنے جاہل تھے کہ جب سفر پر جاتے تو اپنے ساتھ اپنے خدا کو بھی رکھ لیتے تھے۔ ایک مزیدار چمکدار پتھر دیکھ کر اس کو اپنے ساتھ رکھتے کہ یہ ہمارا خدا ہو گیا۔ یہ ہمارے ساتھ سفر میں رہے گا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اس پتھر سے خوبصورت دوسرا کوئی پتھر مل جاتا تو اس کو پھینک دیتے کہ یہ خدا اچھا نہیں یہ دوسرا نیا خدا اچھا ہے۔

یاد رکھو! ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہدایت نہ عقل سے ہے نہ ظاہری تعلیم سے، نہ دولت سے اور نہ ہی نسب وکسب سے، یہ محض اللہ کے فضل واحسان سے ملتی ہے۔

تو اس صحابیؓ نے عرض کیا کہ اگر پتھر نہ ملتا تو آٹے کی مورتی بنالیتے اور اس کو سفر میں اپنے ساتھ رکھ لیتے کہ یہ ہمارا خدا ہے لیکن جب دورانِ سفر بھوک لگ جاتی اور کوئی چیز کھانے کو نہ ملتی تو اپنے اس خدا کو کھا لیتے تھے۔

ایک صحابیؓ کا دلچسپ واقعہ:

ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں شکار کرتے کرتے دور تک چلا گیا۔ وہاں جنگلی ہرن بہت ہوا کرتے تھے۔ وہاں میں نے ایک جگہ ایک پتھر رکھ لیا تھا کہ یہ میرا خدا ہے۔ ایک دن شام کو اس جگہ آیا تو دیکھا کہ میرا یہ خدا گیلا پڑا تھا۔ میں نے سوچا کہ بارش بھی نہیں ہوئی ہے، یہاں قریب سمندر بھی نہیں...... شاید میرا یہ خدا ہوا میں اڑ کر سمندر چلا گیا ہوگا اور وہاں نہا کر واپس آیا ہوگا۔ دوسرے دن پھر میں نے شام کو آکر دیکھا تو وہ دوبارہ گیلا تھا پھر یہی سوچا کہ یہ نہانے کے لیے اُڑ کر سمندر گیا ہوگا۔ پھر میں نے سوچا کہ میں ایک جگہ بیٹھ کر

اس کا تماشہ دیکھتا ہوں کہ میرا یہ خدا کس وقت اُڑ کر سمندر تشریف لے جاتا ہے۔ چنانچہ میں دور ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ میں شکار کو صاف کر کے اس کے زوائد اس خدا کے آس پاس پھینک دیا کرتا تھا، تو میں نے دیکھا کہ گیدڑ اور بندر اس کو کھانے کیلئے آجاتے۔ اب بھی وہاں عرب میں بندر بہت ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص ہوٹل میں کھانا کھالیتا ہے تو بندر وہاں آجاتے ہیں اور ردّی چیزیں اُٹھا کر لے جاتے ہیں۔ پہاڑوں کے قریب کے ہوٹلوں میں ایسا ہوتا ہے۔

تو وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک گیدڑ آیا، اس نے وہ گری پڑی چیزیں کھائیں اور پھر ٹانگ اُٹھا کر میرے اُس خدا پر پیشاب کرنا شروع کردیا۔ اس وقت میں نے ایک شعر کہا کہ:

أربٌّ ؟ يبول الثعلبان برأسه
لقد ضل من بالت عليه الثعالب

وہ بھی کوئی خدا ہوتا ہے جس کے سر پر گیدڑ پیشاب کرتے ہوں۔ وہ تو خود گمراہ ہے جس پر گیدڑ پیشاب کریں۔

اس صحابیؓ نے آپ ﷺ کا نام اور پیغام سن رکھا تھا۔ لہذا آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ سلام ہوا اور پھر آپ ﷺ کو یہ سارا واقعہ سنایا۔ یہ سخت جاہل قوم تھی لیکن آپ ﷺ نے ان کے دلوں کو ایمان کے ساتھ زندہ کردیا۔

لڑکیوں کا زندہ درگور کرنا:

مکہ مکرمہ میں شمال کی جانب ایک پہاڑ ہے جسے ''ابودلامہ'' کہتے ہیں اس کے دامن میں یہ لوگ بیٹیوں کو زندہ درگور کیا کرتے تھے۔ کوئی فقر کی وجہ سے، کوئی اُس کی بدصورتی کی وجہ

سے کہ یہ خوبصورت نہیں اس لیے لوگ مجھے طعنہ دیں گے۔ کوئی اس وجہ سے کہ یہ میری بیٹی ہے کیا یہ کسی دوسرے آدمی کے ساتھ شادی کرے گی یہ تو میرے لیے عار ہوگا۔ ان کے ذہن میں یہ ایک غیرت کی بات تھی۔ یہ اپنی بیوی کو نہیں دیکھتے تھے کہ یہ بھی تو کسی کی بہن، بیٹی ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کیا کرتے تھے۔ قرآن شریف میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے: ﴿ واذا المؤودة سئلت بأى ذنب قتلت. ﴾ جب زندہ درگور شدہ بچی سے پوچھا جائے گا کہ تم سے کیا گناہ سرزد ہوا تھا کہ تمہارے باپ نے تمہیں قتل کر دیا تھا۔

بچی کو زندہ درگور کرنے کا دردناک واقعہ:

ایک صحابیؓ خود آپ ﷺ سے اسی طرح کا اپنا ایک دردناک واقعہ بیان کر رہے تھے جس کو سن کر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور آپ ﷺ روئے۔ وہ کہنے لگا کہ حضرت! میں ایک سفر پر جا رہا تھا، یہ یمن یا شام کا سفر تھا۔ چونکہ ان کے علاقہ میں کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے وہ اُن علاقوں سے ضروریات زندگی لاتے تھے۔ صحابیؓ نے عرض کیا کہ میں سفر پر جا رہا تھا اس وقت میری بیوی حاملہ تھی۔ میں جب واپس گھر آیا تو میری بیوی وہ بچہ جن چکی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بچہ تھا یا بچی۔ وہ کہنے لگی کہ بچی تھی اور ہم نے اس کو نمٹا دیا ہے۔ میں نے جواباً کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا۔ لیکن حقیقت میں اس نے یہ بچی قتل نہ کی تھی بلکہ کسی عزیز رشتہ دار کے حوالہ کی تھی۔ اس دور میں ایک نیک اور اچھا آدمی بھی گزرا ہے جس نے تقریباً دو سو بچیوں کو مارنے سے بچایا تھا۔ وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ مجھے اپنی نوزائیدہ بچیاں دے دو، میں ان کا کفیل اور ذمہ دار ہوں گا۔ جب وہ بڑی ہو جاتی تو ان کے باپ سے کہہ دیتا کہ اگر اس کی شادی آپ نہیں کرا سکتے تو میں اس کی شادی کروا دوں گا۔ اگر نان نفقہ بھی نہیں دے سکتے تو میں اس کا بندوبست بھی کر دوں گا۔

تو وہ صحابیؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بڑی مدت بعد میں گھر آیا، دیکھا کہ ایک خوبصورت بچی میری بیوی کے بالوں کی مینڈھیاں بنا رہی ہے۔ مگر مجھے دیکھ کر وہ بھاگ گئی۔ میں نے بیوی سے پوچھا کہ یہ لڑکی کون ہے؟ یہ تو بہت ہی خوبصورت لڑکی ہے اس کی میرے ساتھ شادی کرا دو۔ وہ خاموش ہوگئی۔ میں نے پھر اصرار کیا تو کہنے لگی کہ یہ تیری اپنی بیٹی ہے۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ: وہ کیسے؟ کہنے لگی کہ: اتنے سال پہلے جب تم سفر پر جا رہے تھے اور میں اسوقت حاملہ تھی تو میں نے اس بچی کو جنم دیا تھا اور پھر اسے پرورش کے لیے کسی کے حوالہ کیا تھا میں نے تجھ سے جھوٹ کہا تھا کہ وہ میں نے مار ڈالی تھی چونکہ میں اس کو مار نہ سکی اس لیے اس کی پرورش کسی اور کے ذریعے سے کرائی۔ میں نے کہا کہ اچھا ٹھیک ہے اسے لے کر آؤ۔ اگر یہ میری بیٹی ہے تو اس سے پیار کروں۔ لیکن اس وقت سے سوچنے لگا کہ اس کو کیسے قتل کروں گا۔ ایک دن میں نے اس کی ماں سے کہا کہ اس کو اچھے سے کپڑے پہناؤ۔ آج اس کو رشتہ داروں کے ہاں لے جانا چاہتا ہوں اور میرا مقصد یہ تھا کہ اس کو مار ڈالوں گا۔ جب دونوں راستے پر چل رہے تھے تو ایک جگہ رک کر بیٹھ گئے۔ میں اپنے ساتھ بیلچہ بھی لے کر گیا تھا۔ میں اس سے گڑھا کھودنے لگا۔ وہ کہنے لگی کہ: ابا جان! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ کسی ضرورت کے لیے کھود رہا ہوں۔ جب وہ گڑھا مکمل کر لیا۔ تو میں نے اس سے کہا: کہ اس میں لیٹ جاؤ مگر وہ نہیں مان رہی تھی۔ اور چیخنے چلانے لگی مگر میں نے اس کو پکڑ لیا اور زبردستی سے اُس گڑھے میں پھینک دیا۔ وہ چیخ و پکار کر رہی تھی اور میں اس پر پتھر پھینکتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی آواز دب کر ختم ہوگئی اور مجھے یقین آگیا کہ یہ مر چکی ہے۔ تو پھر میں نے اس پر مٹی اور ریت ڈال دی۔

آپ ﷺ نے یہ واقعہ سنا تو آپ ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا

کہ تم نے اتنا بڑا ظلم کیا ہے کہ اگر تم ایمان نہ لاتے تو خدا جانے آپ کا کیا حشر ہوتا۔ لیکن ایمان ایسی چیز ہے کہ اس سے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ شکر ہے کہ تم ایمان لے آئے۔

ایک ہندو مؤرخ کا منصفانہ تجزیہ:

یہ تھی اس جاہل اور سنگ دل قوم کی داستان۔ ایک ہندو نے آپ ﷺ کی تاریخ اور سیرت پر ایک کتاب لکھی ہے۔ وہ آپ ﷺ کے بارے میں لکھتا ہے کہ "ایک انسان جو ایسی جگہ پیدا ہوتا ہے جہاں سکول، کالج، مواصلات اور سڑک نہیں" مکہ کے پورے شہر میں صرف گیارہ افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور وہ بھی چمڑے پر لکھا کرتے تھے۔ اس لیے کہ کاغذ اس وقت تک ایجاد نہیں ہوا تھا۔ کاغذ ۷۰۰ء میں سب سے پہلے سمرقند میں بنایا گیا ہے۔ پہلے چمڑے، پتھر یا لکڑی پر لکھائی کی جاتی تھی۔ تو وہ ہندو لکھتا ہے کہ "وہ شخص ایسی جگہ پیدا ہوتا ہے جہاں نہ سکول، نہ تعلیم اور وہاں سب وحشی، حیوان، جاہل قوم آباد ہے۔" اس لیے کہ وہ نہ کسی بادشاہت کے تحت تھے نہ کسی نظام کے تحت۔ قبائلی زندگی تھی اور ہر گاؤں کے اپنے اپنے رواج تھے۔ ہر وقت ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ یہ شخص اس قوم سے چند ہی دنوں میں ایک ایسی پیاری مہذب قوم بناتا ہے اور چند ہی سالوں میں ہمارے ہندوستان تک پہنچ جاتے ہیں اور پھر دیوار چین تک بھی پہنچتے ہیں۔ وہ لوگ اس کے ہر حکم پر قربانی کے لیے تیار ہیں۔ اگر یہ اس پیغمبر ﷺ کی حقانیت، کمال اور معجزے کی علامت اور دلیل نہ ہو تو پھر دلیل کس چیز کا نام ہے؟"

یہ تھیں ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ کی صفات۔ آپ بھی اس پر درود شریف بھیجیں:

اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا، ونبینا محمدٍ، وعلیٰ اٰل سیدنا ونبینا محمدٍ، وبارک وسلم وصلّ علیہ۔

اللہ کا شکر اور حسن اخلاق

سُبحَانَکَ لَاعِلمَ لَنَآ اِلَّامَاعَلَّمتَنَا اِنَّکَ اَنتَ العَلِیمُ الحَکِیمُ ○

نَحمَدُہٗ وَنَستَعِینُہٗ وَنَستَغفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیہِ، وَنَعُوذُبِاللّٰہِ مِن شُرُورِ اَنفُسِنَا وَمِن سَیِّئَاتِ اَعمَالِنَا، مَن یَّھدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَن یُّضلِلہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ، وَنَشھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا، وَسَنَدَنَا، وَحَبِیبَنَا، وَشَفِیعَنَا، وَرَحمَتَنَا، وَمَولَانَا مُحَمَّدًا عَبدُہٗ وَرَسُولُہٗ.

اَمَّا بَعدُ فَاَعُوذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ○ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ. ﴿واذ تاذ ن ربکم لئن شکرتم لأزید نکم ولئن کفرتم ان عذا بی لشد ید ○" [سورۃ ابراھیم /۷]

صدق اللّٰہ مولٰنا العظیم.

درود شریف پڑھیے:

اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا، ونبینا محمدٍ، وعلیٰ ال سیدنا ونبینا محمدٍ، وبارک وسلم وصلّ علیہ.

میرے قابل احترام بزرگو اور عزیز دوستو بھائیو!

روحانی امراض:

آج حسن اخلاق کے سلسلہ میں بیان ہوگا۔ یادرکھو کہ جس طرح انسان میں ظاہری بیماریاں ہوتی ہیں مثلاً کھانسی، زکام، بخار، ٹی بی وغیرہ اسی طرح اخلاقی بیماریاں بھی ہوتی ہیں۔ ان اخلاقی بیماریوں کے سلسلہ میں بیان کرونگا۔ شریعت مطہرہ نے جن اچھے اخلاق کو اپنانے کا حکم دیا ہے یہ ان بُرے اخلاق کا علاج ہے، مگر آج لوگ ان اخلاقی کمزوریوں کو بیماری نہیں سمجھتے۔ ایک آدمی اللہ کا ناشکرا ہو یا تکلیف پر صبر نہ کرتا ہو، اُس میں تکبر ہو، حسد ہو یا غیبتوں میں مبتلا ہو یا چغل خوری میں مبتلا ہو۔ تو یہ سب بہت بُرے امراض ہیں لیکن لوگ اس کو مرض نہیں سمجھتے۔ یہ روحانی امراض کہلاتے ہیں، جیسے حسد ایک بڑا مرض ہے، دنیا کی حرص ایک بڑا مرض ہے۔ آخرت اور موت سے غفلت، یہ بھی بڑی بیماری ہے۔ لیکن لوگ اس کو نہیں جانتے اور کھانسی، زکام، بخار یا ٹی بی کے امراض کا تو لوگ علاج کرتے ہیں لیکن ان اخلاقی کمزوریوں کو مرض ہی نہیں سمجھتے۔ اسی سلسلہ میں آج میں آپ کے سامنے اخلاق پر گفتگو کروں گا۔

صبر کا معنیٰ اور اس کے تین مواقع:

پچھلے جمعہ کو صبر کا بیان ہوا تھا کہ صبر شریعت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کو کہتے ہیں۔ صبر کے تین مواقع ہوتے ہیں:

(۱) تکلیف اور غم آئے اور اس پر صبر کرے۔

(۲) یا خود کو ناجائز اور حرام خواہشات سے بچانا جیسے: پرائے مال یا حرام عورت سے اپنے آپ کو بچانا۔

(۳) یا عبادات پر صابر ہونا ہے کہ مشکل عبادات جیسے روزہ یا نماز یا جماعت ادا کرنا جبکہ گاہک بھی کھڑے ہوں لیکن یہ ان کو چھوڑ کر مسجد جائے تو یہ عبادات پر صبر ہے۔

ان تین مواقع پر آدمی صبر کرے گا۔

آج شکر کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اُردو میں کہتے ہیں کہ ”جس کو نہ ملے وہ صبر کرے، جسکو ملے وہ شکر کرے“۔ فقر وفاقہ، بیماری، غم، خواہشات اور عبادات پر صبر کرنا ہماری شریعت کا حکم ہے اور ان کو اپنانے پر مسلمان سچا مسلمان بنتا ہے اور اگر آدمی صبر نہ کرے تو کیا کرلے گا؟ کچھ بھی نہیں کرسکتا، لیکن جب صبر اختیار کرتا ہے تو اس کے اجر میں اضافہ ہوتا ہے۔

شکر کا معنیٰ ومفہوم:

اسی طرح شکر بھی ہے۔ شکر اس کو کہتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کی ہر وقت قدر اور احساس کرے۔ ہم پر ہر وقت اللہ کی نعمتوں کی بارش برستی ہے لیکن ہم اس کو سمجھتے نہیں۔ جب آدمی شکر کرتا ہے تو اس کا جی خوش رہتا ہے، اس کو پریشانی نہیں ہوتی۔ سب سے پہلے اپنی ذات پر شکر کریں گے کہ شکر ہے ہم کتے نہیں، گیدڑ، بیل یا گدھے نہیں۔ ہم نے تو خود اپنے آپ کو انسان نہیں بنایا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ ہم کو انسان بنایا۔ ان بلیوں کو کس نے بنایا؟ کتوں، گیدڑوں، اور دیگر حیوانات کو کس نے پیدا کیا ہے......؟ اللہ تعالیٰ نے۔ اگر وہ ہمیں بھی ان کی طرح بناتا، تو ہمارا کیا اختیار تھا؟ نہ ان کا اپنی پیدائش پر کوئی اختیار ہے، نہ ہمارا اپنی تخلیق میں کوئی بس چلتا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اس پر شکر کریں گے کہ شکر ہے ہم کتے، بلیاں، گیدڑ، بیل یا کوئی اور جانور نہیں بلکہ انسان ہیں۔ یا اللہ! تو نے ہمارے ساتھ یہ

احسان کیا ہے کہ ہمیں انسان پیدا کیا۔

مسلمان ہونے کا شکر:

پھر یہ شکر کریں گے کہ شکر ہے کہ اللہ نے ہم کو مسلمان پیدا کیا ہے۔ اس لیے کہ اگر ہم کافر ہوتے، ہندو، عیسائی، یہودی، یا کسی غیر مذہب کے گھر پیدا ہوتے تو ہمارا کیا بس چلتا؟ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ ہر شخص اپنے مذہب پر راضی ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ جھوٹ اور غلط ہوتا ہے۔ رواج اور عقل انسان کو ہدایت نہیں دے سکتے۔ اگر ہم ہندوؤں کی طرح گائے کو خدا مانتے یا ان کی طرح بتوں کو پوجتے، تو کتنی بدقسمتی ہوتی۔ وہ بھی تو انسان ہیں۔ لیکن شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین اسلام کی ہدایت بخشی۔ اگر ہم عیسائی ہوتے اور حضرت عیسیٰؑ کو جو کہ اللہ کے بندے ہیں، خدا سمجھتے جبکہ خدا تعالیٰ اولاد سے پاک ہے، یا اگر ہم حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے۔ جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں۔ اسی طرح سے یہ دیگر اقوام بھی بظاہر اپنے آپ کو برتر سمجھتے ہیں۔ الحمد للہ ہم نہ تو عیسائی ہیں، نہ یہودی، نہ ہندو، اس لیے ثانیاً اپنے مذہب اسلام پر شکر کریں گے جو کہ برحق دین ہے۔ اگر ہم کافر ہوتے تو کیا کر سکتے تھے؟ اسلام سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔

حضور پاک ﷺ کا اُمتی ہونے پر شکر:

پھر تیسری بات یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں حضور ﷺ کی امت میں پیدا کیا ہے۔ حضور ﷺ کے علاوہ دوسرے پیغمبر بھی برحق ہیں اور وہ سب اُمتیں بھی جو اپنے وقت کے نبی پر ایمان لائیں۔ تو وہ اس زمانے کے مسلمان اور نجات پایندہ ہیں لیکن تمام انبیاء میں جس طرح آپ ﷺ کا مرتبہ بلند ہے اسی طرح آپ ﷺ کی امت کا درجہ بھی سب سے بلند و برتر

ہے۔ خود انبیاء کرامؑ نے یہ آرزو کی تھی کہ کاش ہم آپ ﷺ کے امتی ہوتے۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا اس امت میں آنے کا سبب کیا ہے؟ تو بخاری شریف کی ایک شرح ''فتح الباری'' جو حافظ ابن حجرؒ نے لکھی ہے۔ اس میں آپؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ بھی یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ مجھے حضرت محمد ﷺ کی امت میں پیدا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو یہ شرف عطا فرمائیں گے کہ آپؑ اس امت کے آخر میں آئیں گے۔ آپ اپنی عظمت اور رفعت سے واقف نہیں۔ جیسے ہمارے پیغمبر ﷺ عظمت والے ہیں، ویسے ہی ان کی امت بھی عظمت والی ہے۔

پھر امت میں بھی مختلف گروہ ہیں۔ شیعہ بھی ہیں، خوارج بھی اور دیگر باطل فرقے بھی لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ نے ان باطل فرقوں سے محفوظ رکھا اور ہمیں اہل السنۃ والجماعۃ بنایا۔ سُنّۃ کے معنی ہیں ''حضور پاک ﷺ کے احسن طریقے پر'' اور جماعۃ کے معنی ہیں کہ جماعت صحابہ کرامؓ کے متبع۔ شیعہ اپنے آپ کو برتر سمجھتے ہیں لیکن وہ صرف آل رسول ﷺ کو مانتے ہیں دیگر صحابہ کرامؓ کو نہیں مانتے۔ پھر اس میں غلو بھی اتنی کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو خدا تعالیٰ کے درجہ تک پہنچاتے ہیں، اُن سے خیر و شر مانگتے ہیں اور ان کو ''یا علیؓ مدد'' کہہ کر پکارتے ہیں ''یا اللہ مدد'' نہیں پکارتے اور وہ پاک ہستیاں یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ جنہوں نے پیغمبر پاک ﷺ کی خدمت کی اور پوری زندگی ان کیساتھ رہے۔ ان کی ہتک کرتے ہیں۔ لہٰذا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس فرقے سے بچایا ہے بظاہر وہ حضرت حسنؓ کی محبت میں جلوس نکالتے ہیں۔ ٹھیک ہے وہ ہمارے سروں کے تاج ہیں لیکن صحابہ کرامؓ تو سب ہمارے سروں کے تاج ہیں، اُن سے کیوں دشمنی کی جاتی ہے۔ وہ دو مبارک ہستیاں جو اَب بھی

حضور پاک ﷺ کے پہلو میں دفن ہیں، وہ دنیا میں بھی آپ ﷺ کے ساتھی تھے، قبر میں انکے ساتھ ہیں اور قیامت کے دن بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہونگے۔ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جب میں قیامت کے دن قبر سے اُٹھوں گا تو ابوبکر صدیقؓ میری ایک طرف اور عمر فاروقؓ دوسری طرف ہونگے ہم تینوں حوضِ کوثر کی طرف جائیں گے، حضرت بلالؓ ہمارے آگے آگے خادم کی حیثیت سے جارہے ہونگے۔ انکو اتنی بڑی عزت اور شرافت ملی کہ پیغمبر ﷺ کے جوار میں مدفون ہیں۔ انکے برابر عزت کسی اور کو اللہ تعالیٰ نے نہیں دی۔ ہم اس پر بھی شکریہ ادا کریں گے کہ اللہ نے ہمیں اس فرقہ سے بچایا جو حضرت حسینؓ کے چہلم مناتے ہیں۔ چہلم کیا چیز ہے؟ کیا وہ چالیس روز پہلے فوت ہوئے تھے؟

یاد رکھو! عقل سے انسان کو ہدایت نہیں ملتی۔ یہ لوگ اپنے آپ کو مارتے پیٹتے ہیں، تو کیا اس سے حضرت حسینؓ زندہ ہو جائیں گے۔ یزید کہاں ہے؟ کہ ہم ان کے ساتھ لڑیں، یا اگر اپنے آپ کو مارنا پیٹنا کوئی عبادت ہے، تو پھر ان کے علماء یہ عبادت کیوں نہیں کرتے؟ ہم اللہ کے شکر گزار ہیں کہ ان گمراہ فرقوں میں شامل ہونے سے ہمیں محفوظ کر رکھا ہے۔ مختلف گروہ ہیں، آجکل ایک نیا گروہ بنا ہے ''جماعت المسلمین'' یہ سب مسلمانوں کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ بعض لامذہب لوگ بھی اسی طرح ہیں۔ تو اس پر بھی شکر کریں گے کہ اللہ نے ہمیں ان باطل فرقوں سے بچا کر اہل حق کے فرقے ''اهل السنة والجماعة'' کے نقش قدم پر چلایا۔

تہتر (۷۳) فرقے:

حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''میری امت میں ۷۳ فرقے بنیں گے۔ ان میں سے ۷۲ فرقے گمراہ ہونگے جبکہ صرف ایک فرقہ حق پر ہوگا'' یہ ۷۳ فرقے پورے ہو چکے ہیں، یا

آئندہ پورے ہونگے؟ تو اس سلسلے میں علماء کے دونوں قول موجود ہیں۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! اس کامیاب گروہ کی علامت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ ''جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقہ پر چلیں گے۔ وہ کامیاب ہونگے۔ اور ظاہر ہے کہ پیغمبر ﷺ کے صحابہؓ، ان کی جماعت کے لوگ، ان کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے والے، ساری عُمر ان کی خدمت کرنے والے، ان کا کلام سننے والے، اس کو سمجھنے والے؛ اگر وہ کامیاب نہ ہونگے تو ہم اور آپ کیسے کامیاب ہونگے؟ ہم سے تو پیغمبر ﷺ ۱۴۰۰ سال پہلے گزرے ہیں۔ اگر ان کے اپنے صحابہؓ حق پر نہ ہوں گے تو وہ ہمارے لیے کیسے ہدایت کا ذریعہ بنیں گے؟ ایک خمینی پورے ایران کو درست کرسکتا ہے لیکن پیغمبر ﷺ اپنے صحابہؓ کو درست نہیں کرسکتے؟ تو یہ سب جہالت پر مبنی مذہب ہے۔ صحابہؓ تو سب ہمارے سروں کے تاج ہیں اکیلے حضرت حسینؓ تو نہیں۔

اہل السنۃ کے معنی ہیں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے طریقہ پر چلنے والے اور جماعت کے معنی ہیں صحابہؓ کے پیچھے چلنے والے۔ اللہ کی اس نعمت پر شکر بجالانا ہوگا۔ اولاً انسانیت پر، ثانیاً اسلام پر اور ثالثاً صحیح طریقہ پر قائم ہونے پر۔ یہ بجا ہے کہ ہم میں کمزوریاں بھی ہیں، لیکن ہمارا مسلک برحق ہے (الحمدللہ)۔

جسم اور اعضاء کی سلامتی پر شکر:

علاوہ ازیں اپنے بدن پر نگاہ دوڑاؤ۔ بدن کو دیکھو، صرف یہ آنکھیں اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر یہ سارا پاکستان کوئی آنکھوں کے بدلہ میں آپ کو دینا چاہے تو دے دو گے.....؟ کوئی نہیں دے گا۔ ہاں اگر کوئی نسواری بیوقوف ہو تو الگ بات ہے کہ وہ کہے میری آنکھ نہ ہو تو نہ سہی

لیکن میں مشرف کی کرسی پر بیٹھ جاؤں۔ایک انسان کی آنکھیں سارے پاکستان سے قیمتی ہیں۔اگر یہ آنکھیں نہ ہوتیں اور انسان اندھا ہوتا تو کتنی کمی محسوس ہوتی۔اگر کوئی ناک کے بدلے آپ کو امریکہ کی صدارت دے دے اور ''بش لعین'' کی جگہ آپ کو بٹھا دے تو کیا آپ تیار ہونگے ؟ کوئی عقلمند اس کے لیے تیار نہ ہوگا۔ایسے ہی انسان کا ہاتھ، پاؤں، سر، دھڑ؛ غرض ہر ہر عضو بہت قیمتی ہے۔انسان ان اعضا کی نعمت کا ہمیشہ شکر گزار رہے گا۔

کائنات میں پھیلی دیگر نعمتوں کا شکر:

اسی طرح غور کرو کہ یہ ساری کائنات کتنی قیمتی ہے اور انسان کے لیے کتنی مفید ہے؟ یہ سورج، یہ ہوا، یہ پانی، کھانے کی یہ سب چیزیں، اتنی قیمتی ہیں کہ کوئی بندہ ان کی قیمت ادا نہیں کرسکتا۔اسی لیے قرآن کریم میں دوتین جگہ یہ ارشاد آیا ہے کہ ﴿وان تعدوا نعمة الله لاتحصوها ان الانسان لظلوم کفار﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کرسکو، بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے۔کیا یہ آنکھیں ہم نے خود بنائی ہیں؟ کیا یہ ناک ہم نے خود بنایا ہے؟ نہیں، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں لہٰذا ان عطایا پر شکر بجالانا ہوگا۔ایک ایک نوالے پر الحمدللہ کہا کرو اور یہ سوچو کہ اگر یہ نہ ہوتا تو میں کیا کرسکتا تھا۔اگر آدمی مفلس اور فقیر ہو تو اس پر بھی شکر کرے کہ اس سے زیادہ فقیر نہیں ہوں۔

ہمیشہ تین باتوں کا تصور کیا کرو:

اللہ پاک نے آپ کو جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کے بارے میں تین تصور کرو (جو میں بار بار آپ کو بتا چکا ہوں) اگر یہ تصور کرو گے تو آپ کا دل خوش رہے گا۔آج پوری دنیا رنج وغم میں مبتلا ہے۔سب امیر وغریب لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ ہماری پریشانی کی وجہ کیا ہے.....؟ وجہ یہ

ہے کہ ہمیں اللہ کی نعمتوں کا احساس نہیں۔کوئی کہتا ہے کہ میرا مال کم ہے، کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔فیکٹریوں کے مالک بھی پریشان ہیں اور لمبی لمبی جاگیریں رکھنے والے بھی پریشان، بڑے بڑے عہدے رکھنے والے (صدر اور وزرا تک) بھی پریشان اور غموں میں مبتلا ہیں۔ایک غریب انسان جو سڑک کے کنارے مکئی کے بھٹے فروخت کرتا ہے لیکن اپنی نماز اور عبادت سے غافل نہیں تو اس کو ایک فرحت، خوشی اور اطمینان حاصل ہوتا ہے جو بڑے بڑے نوابوں اور کارخانہ داروں کو حاصل نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ اللہ کی نعمت کا احساس نہیں کرتے۔

پہلا تصور:

اس لیے ہم کہیں گے کہ یا اللہ جو کچھ تو نے دیا ہے۔یہ ہماری ضرورت سے زیادہ ہے۔میں تو کھدر کے کپڑے میں بھی زندگی گزار سکتا ہوں مگر تو نے مجھے نرم وملائم کپڑے دیے ہیں، میں تو زمین یا چارپائی پر بھی زندگی بسر کرسکتا تھا مگر تو نے مجھے صوفے دیے ہیں، تو مکئی کی روٹی پر بھی گزارہ کرسکتا تھا مگر تو نے مجھے گندم کی روٹی دی۔یا اللہ! یہ تیرا فضل واحسان ہے کہ تو نے مجھے ضرورت سے زیادہ عطا فرمایا ہے۔اس پر میں تیرا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں۔ہر انسان کے ساتھ اسکی ضروریات سے زیادہ چیزیں ہیں لیکن اگر وہ اسے سمجھے۔ایک بات تو یہ ہے کہ آدمی کی خواہشات زیادہ ہوں اور وہ ان کو ضرورت سمجھے، یہ تو الگ بات ہے۔ورنہ ہر کسی کو اللہ تعالیٰ نے ضرورت سے زیادہ عطا فرمایا ہے، مگر کسی کو اسکا احساس نہیں۔

دوسرا اور تیسرا تصور:

دوسرا یہ تصور کرو گے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میری قابلیت سے زیادہ عطا کیا ہے۔تیسری بات یہ کہ مجھے سوال اور طلب کے بغیر سب کچھ دیا ہے۔اگر یہ تصور ہوگا اور ان اندھوں، بہروں،

گداگروں، نشئی اور دیوانوں کو دیکھ کر اپنے اوپر ان نعمتوں کی بارش پر سوچو گے، تو کبھی ناشکری نہیں ہوگی۔ یہ لوگ نشئی، پوڈری کیوں بنتے ہیں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ یہ چیز بھی ہو، وہ بھی ہو۔ اس طرح انکے ذھن پر بوجھ بنتا ہے اور پھر ان کو نیند نہیں آتی۔ اس لیے پھر آرام کے لیے شراب پیتے ہیں یا ہیروئن یا پوڈر استعمال کرتے ہیں۔ جس سے انکا دماغ ماؤف اور سُن ہوجاتا ہے، اس لیے یہ تکلیف محسوس نہیں کرتے۔ حقیقت میں ان کو کوئی خوشی حاصل نہیں ہوتی مگر ان کا دماغ ماؤف ہوجاتا ہے اس لیے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا احساس کرتے اور شکر بجالاتے تو کبھی ان کی یہ حالت نہ بنتی۔ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا: کہ حضرت .... میں یہ اس لیے آپ کو سناتا ہوں تاکہ آپؐ کی پریشانیاں ختم ہوں اور آپ کسی قسم کی پریشانی اور غم نہ کریں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا زیادہ شکر ادا کرو گے تو اس سے آپ کا دل خوش ہوگا اور اس کی قدردانی نہیں کرو گے تو غم میں قید رہو گے اور پریشانیاں ہونگی۔ یہ پریشانیاں دولت سے ختم نہیں ہوتیں، جائیدادسے نہ پلازے بنانے سے۔ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی پریشانی ہوگی۔

ایک نواب کی بے چینی کا واقعہ:

ایک دفعہ مجھے ایک نواب صاحب کے سیکریٹری نے بتایا کہ ہمارا نواب صاحب بہت زیادہ مالدار ہے، اُس کے اسّی دیہات اور ملیں ہیں۔ مگر وہ رات بارہ بجے گھر جاتے ہیں اور ایک بجے واپس باہر نکل کر مجھے بلاتے ہیں وہ کرسی پر بیٹھے ہوتے ہیں اور میں کھڑا رہتا ہوں۔ اس طرح مجھ سے ایک ایک پائی کا حساب کرو لیتے ہیں۔ دو دو، تین تین گھنٹے اس طرح میں کھڑے کھڑے گزر جاتے ہیں۔ مجھے یہ بھی نہیں کہتے کہ بیٹھ جاؤ۔ میرے جی میں آیا کہ "یا

اللہ! ان سب کچھ کے باوجود یہ بیچارہ کتنی پریشانی میں مبتلا ہے" پھر کہا کہ جب صبح ہوتی ہے تو کچھ نشہ کر کے سوجاتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک وزیر سے بات چیت کررہا تھا اس کے منہ سے گندی بدبو آرہی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ نہ تو سگریٹ کی بو ہے نہ چرس کی۔ اس لیے کہ یہ معروف بدبوئیں کبھی کبھار ان جنٹل مینوں سے سونگھنے میں آجاتی ہیں، لیکن یہ تو گندگی کی طرح بدبُو تھی، بعد میں میں نے کسی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ تو شراب کی بُو تھی۔ میں نے کہا: "انا للہ وانا الیہ راجعون"۔ شراب کی بدبو بہت گندی ہوتی ہے۔ بدبودار دستوں کیطرح گندی بدبو شرابی کے منہ سے آتی ہے۔ مجھے ایک بہت بڑے کارخانہ دار نے خود بتایا کہ میں کھانے میں صرف ساگ، لسی اور مکئی کی روٹی کا استعمال کرتا ہوں۔ اگرچہ حقیقت میں یہ بڑی نعمت ہیں مگر وہ اس کو حقیر سمجھ رہا تھا اس نے کہا: کہ میں مرغ، گوشت، گھی، وغیرہ نہیں کھاسکتا، صرف یہی چیزیں کھاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی پر اپنی نعمتوں کے دروازے بند کردے تو کون اس کے لیے کھول سکتا ہے.....؟

دنیا اور آخرت کی دو بڑی نعمتیں:

اس لیے یہ احساس پیدا کرنا ہوگا۔ یاد رکھو! دنیا اور آخرت میں دو بڑی نعمتیں ہیں۔ دنیا میں سب نعمتوں کا نچوڑ تندرستی ہے۔ آدمی بیمار پڑ جائے تو نعمتوں سے مستفید نہیں ہوسکتا اس لیے ہم پر صحت کا بھی شکر ادا کرنا واجب ہے۔ اور آخرت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت دین اسلام ہے اس لیے کہ یہ وہاں پر کام آئے گا، لہٰذا جب آدمی مسلمان ہو اور صحتمند بھی ہو تو وہ کہے کہ "یا اللہ تو نے مجھے دنیا و آخرت دونوں کی نعمتوں سے سرفراز کیا ہے اس لیے میں اور کیا چاہوں گا" اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو دو جگہوں سے محفوظ رکھے، کچہری، عدالت اور ہسپتالوں سے۔

حضرت علیؓ کا فرمان:

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت دنیا کی بڑی خوشی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کہ آدمی کو چار نعمتیں حاصل ہو جائیں تو یہ بڑی خوشی ہے۔ اول یہ کہ اس کا رزق اپنے وطن میں ہو اپنا کسب اور کاروبار ہو یہ مسافر بن کر کمانا مشکل اور خطرناک چیز ہے۔ بہت سے لوگ وطن سے دور، بیرون ملک میں نوکری اور کاروبار کے لیے خوش ہوتے ہیں حالانکہ وہاں آدمی بیسیوں پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ پہلی آفت تو یہ ہے کہ اکثر عقیدہ اور اخلاق سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، اس کی اولاد برباد ہو جاتی ہے۔ بہت سے افغان آسٹریلیا گئے، اب وہ کافر ہو چکے ہیں۔ اس لیے کہ وہ معاشرہ ایسا ہے کہ وہاں بچے، بچیاں ہر قسم کی معاشرتی پابندیوں سے آزاد ہوتے ہیں جبکہ اسلام اور اس کے احکامات سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اس رزق سے تو موت اچھی ہے، جس کے نتیجے میں آدمی کی اولاد کافر ہو جائے اور بیوی بدچلن ہو جائے۔ صرف پیٹ اور کھانے کے لیے ایسا کرتے ہو؟ کھانے کا مزہ تو صرف منہ اور حلق تک ہوتا ہے۔ نہ پلیٹ میں اس کا مزہ ہوتا ہے اور نہ ہی حلق سے اترنے کے بعد پیٹ میں۔ صرف منہ میں تھوڑی دیر مزہ ہوتا ہے۔ تو صرف اس تھوڑے سے مزے کے حاصل کرنے کے لیے آدمی کیوں اپنے آپ کو حرام میں مبتلا کرے؟ زندگی تو ساگ اور مکئی کی روٹی کے ساتھ بھی گزر سکتی ہے۔

اپنے وطن کی حلال روزی:

تو خوشی کی پہلی بات یہ ہے کہ آدمی کا رزق اپنے وطن میں ہو، اسی لیے ہماری فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ صرف روزگار حاصل کرنے کے لیے کفار کے ملکوں کا سفر نہ کرو۔ ہاں! یہ درست ہے کہ اگر کوئی علم یا ہنر سیکھنے کے لیے جائے، تو ہر قوم سے، ہر زبان میں، ہر ملک میں سیکھ

سکتے ہیں لیکن اپنی تہذیب اور عقائد کو نہیں چھوڑو گے۔ باہر جانے کے خواہشمند اکثر دھوکہ بھی کھا جاتے ہیں، مگر پھر بھی ان کی عقل ٹھکانے نہیں آتی۔ اکثر ویزوں سے پریشان ہوتے ہیں یا وہاں جا کر دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ایسے دغاباز بھی ہوتے ہیں جو بیرون ممالک میں ان سے مزدوریاں کراتے ہیں، پھر میں پیسے نہیں دیتے۔

اسی طرح آدمی کا عقیدہ اور عمل بھی خراب ہو جاتا ہے۔ اس سے تو پانچ روپے کا ساگ اور شلغم کھانا بہتر ہے۔ آدمی خاندان اور والدین سے الگ تھلگ ہوتا ہے۔ غمی، خوشی سے بے خبر رہتا ہے اور اس طرح سے زندگی گزرتی جاتی ہے۔ ہمارے علاقہ میں سرڈھیری میں ایک آدمی تھا جس نے نئی نئی شادی کی تھی، شادی کے چالیس پینتالیس روز بعد باہر چلا گیا۔ دلہن بیچاری غمگین تھی اس لیے کہ جس طرح مرد کا عورت کی طرف التفات ہوتا ہے اسی طرح عورت کا بھی مرد کی طرف تقاضا رہتا ہے۔ کنواری عورت مرد کے بغیر زندگی گزار سکتی ہے لیکن جب وہ شادی شدہ ہو جائے تو پھر اکیلے زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ جب ہمارے علاقے کا یہ نوجوان باہر چلا گیا تو بیوی نے اس کو خط لکھا کہ ''یہ پیسے تو پھر بھی آسکتے ہیں لیکن جوانی پھر لوٹ کے نہیں آتی''۔ اس نے خط پڑھا تو رونے لگا اور استعفیٰ دے کر واپس گھر لوٹ آیا۔ بعد میں جب یہ واقعہ میں نے سنا تو میں نے کہا: ''اس نے اچھا کیا کیونکہ یہ کیا زندگی ہے کہ دلہن چھوڑ کر تین چار سال باہر گزارے''۔ ایسی دولت کا کیا کرنا، زندگی کا سنہرا دور تو ہاتھ سے نکل گیا۔ اس لیے پہلی خوشی یہ ہے کہ آدمی کو اپنے وطن میں روزی ملے۔ اپنی دکان ہو، کاروبار، تجارت یا ملازمت کر رہا ہو۔

باقی خوشیاں:

دوسری خوشی یہ ہے کہ آدمی کی اولاد نیک ہو۔ خود اپنا کاروبار کرتے ہوں، بدمعاش،

چور یا ڈاکو نہ ہوں۔ تو آدمی کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ تیسری خوشی یہ ہے کہ آدمی کی بیوی مزاج کے مطابق ہو۔ وہ چور، کافرہ، بدکار، بداخلاق، جھگڑالو یا میلوں اور بازاروں میں پھرنے والی نہ ہو۔ تندمزاج اور بے حیا نہ ہو۔ چوتھی خوشی یہ ہے کہ پڑوسی اچھے لوگ ہوں، تمہیں تکلیف نہ پہنچائے۔ اس لیے کہ کبھی کبھار پڑوسی آدمی کے لیے دردسر بن جاتے ہیں۔ اگر وہ بدمعاش، چور یا آوارہ گرد ہوں تو اس سے آدمی کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس طرح کبھی ایسے بدخلاق پڑوسی بھی ہوتے ہیں کہ ان کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ میری ان حرکتوں سے دوسرے پڑوسی کو تکلیف پہنچتی ہوگی۔ تیز آواز سے ریڈیو بجاتے ہیں۔ ہمارے ہاں بعض ہوٹلوں میں ایسی تیز آواز سے گانے بجائے جاتے ہیں کہ گھروں میں دیگر لوگوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ احمق کہیں کے! یہ کیا کر رہے ہو؟ اول تو گانا بجانا بذاتِ خود اچھا کام نہیں۔ اگر اس کو ترک نہیں کر سکتے تو اپنی ذات تک محدود رکھو۔ دوسروں کو کیوں پریشان کرتے ہو؟ مجھے تو اس مولوی سے بھی نفرت ہے جو رات کو بلاضرورت لاؤڈ سپیکر پر لمبے لمبے بیانات کرتا ہے اور لوگوں کو پریشان کرتا ہے۔ یا لاؤڈ سپیکر پر کافی دیر تک ترجمے کرتا ہے۔ بے وقوف! ایسا کیوں کرتے ہو؟ تمہارے سامنے جتنے لوگ بیٹھے ہوں اُنہیں کو سناؤ، لوگوں کو خواہ مخواہ کیوں پریشان کرتے ہو؟ کوئی مریض ہوگا، کوئی مطالعہ کر رہا ہوگا، پڑھائی میں مشغول ہوگا۔ کوئی وکیل مقدمہ لڑنے کی تیاری کر رہا ہوگا۔ کیوں ناحق لوگوں کو تکلیف پہنچاتے ہو، یہ بے وقوف جانور ہیں۔ اسی طرح بعض پیر، جو لاؤڈ سپیکر پر ذکر کرتے ہیں یہ بھی ازحد بیوقوفی ہے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کوئی بہرے تو نہیں ہیں۔ تم اللہ کو یاد کرتے ہو یا دکھلاوا کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ تو تمہارے دل کے رگوں سے بھی واقف ہے۔ اگر لوگوں کی نگاہوں میں اچھا بننا چاہتے ہو تو واللہ! اس سے تو نسوار کی ٹکیہ بھی بہتر

ہے۔ وہ آدمی بہت نادان ہوگا جو ریاکاری کے لیے عبادت کرتا ہو۔ یہ لیڈر بیچارے بھی ہا، ہو اور دکھلاوے کے غم میں مبتلا ہیں۔

یاد رکھو! کہ بڑی خوشی کی یہ چار باتیں ہیں کہ آدمی کا روزگار اپنے وطن میں ہو اس پر شکر ادا کرو۔ دوم یہ کہ آدمی کی اولاد بدچلن وبدکردار نہ ہو۔ سوم یہ کہ اس کی بیوی نیک ہو، بدچلن، چور، اور بازاری عورت نہ ہو۔ یہ مزاروں، درگاہوں اور میلوں میں پھرنے والی سب بے وقوف عورتیں ہوتی ہیں۔ اور چہارم یہ کہ آدمی کا پڑوسی اچھا ہو۔

صحت اور فراغت:

بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ’’نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس‘‘ دو نعمتیں ایسی ہیں جس میں بہت لوگ خسارہ میں مبتلا ہیں ’’الصحۃ والفراغ‘‘ ایک صحت ہے اور دوسری فراغت۔ اگر آدمی صحتمند ہے تو اس نعمت کی شکرگزاری کرے کہ شکر ہے صحت ملی ہے اور کسی مرض میں مبتلا نہیں۔ دوسرا یہ کہ مقدموں اور جھگڑوں میں آدمی مبتلا نہ ہو، فارغ البال ہو تو ان نعمتوں کی بہت قدر کرو کہ شکر ہے صحت ملی ہے اور ان پریشانیوں میں مبتلا نہیں۔ یہ احساس کرو گے تو تمام پریشانیاں اور مصائب ختم ہو جائیں گے۔ لوگ اس کو بیماری نہیں سمجھتے اس لیے علاج کی فکر بھی نہیں کرتے۔ تم اس کو بیماری بھی سمجھو اور علاج کی فکر بھی کرو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

كلمات الترحيب

الىٰ الشيخ اُستادالعلماء جامع المعقول والمنقول شيخ الحديث والتفسير العلامه الفهامه نابغة العصر الحافظ محمدحسن جان المدنى الشهيدرحمه اللهعندالقدوم الىٰ حفلة مباركة لترجمة القرآن الكريم فى مسجدقباء زروبى (صوابى)من العبدالحقير الفقير الجانى محمدابراهيم الفانى عفى عنه ۱۲ ابريل ۲۰۰۲ء

نرحب قلباً لشيخ حسن	وحيد الدهور فريدالزمن
لشيخ الحديث وطور التقىٰ	وسد منيع لدفع الفتن
امين علوم نبى كريم	امام الرشاد وعزالوطن
محدث عصرحبيب الورى	عقيق اليمانى ودرالعدن
طبيب القلوب جميل الشيم	مدارالمهام فصيح اللسن
ملاذ لطلاب علم الكتاب	خبير عليم علىٰ كل فن
فعين عذوب لعطشىٰ العلوم	وشمس الهداية محى السنن
فانعام حق علىٰ ارضنا	واحسان ربّ العطاء والمنن
اديب لبيب خطيب عجيب	ونورلفانٍ اسيرالمحن